Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

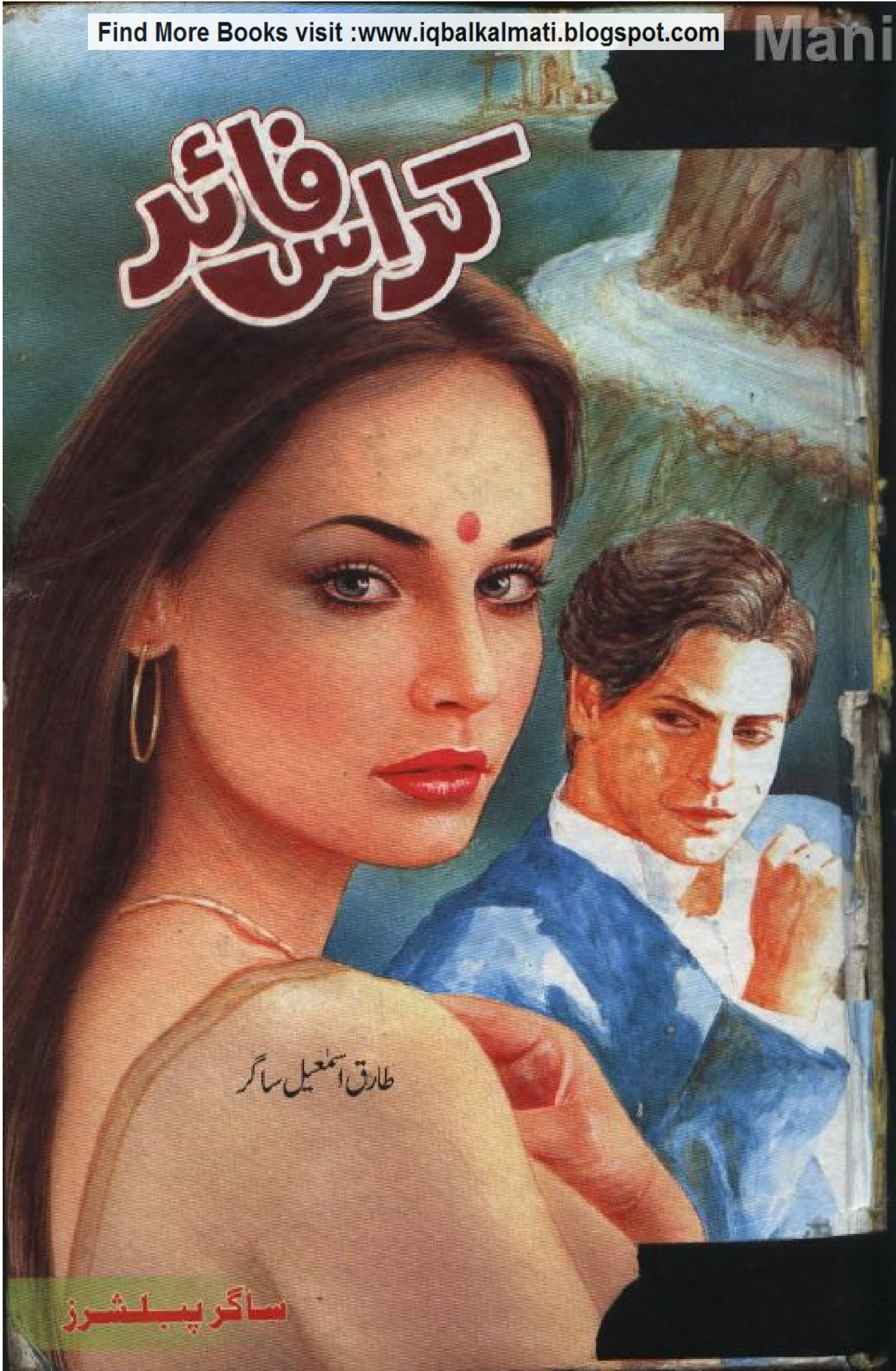

Mani

جیپ جھٹکے سے رکی تو اس کی آنکھ بھی کھل گئی۔

چالیس گھنٹوں کے مسلسل سفر نے اسے تھکا ڈالا تھا اور اب تو اس نے باقاعدہ اونگھنا شروع کر دیا تھا جب کہ اس کے دونوں ساتھی گزشتہ دو گھنٹوں سے لمبی تان کر سو رہے تھے۔

طاہر کے لیے مسلسل حالت بیداری میں رہنا تو اب ممکن نہیں رہا تھا کیونکہ جیپ کا ڈرائیور اور ان کا نگہبان شاید بہرے تھے یا پھر انہیں باقاعدہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے علاوہ اور کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

دو تین مرتبہ طاہر نے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر موجود اس نوجوان سے۔ جس نے اپنا نام چکرورتی بتایا تھا' بات کرنے کی کوشش کی۔

لیکن اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ چکرورتی اسے چکر دے رہا ہے۔

وہ بادل نخواستہ ہی اس کے سوالات کے جوابات ہوں' ہاں میں دے رہا تھا اور اسے بظاہر یہی تاثر دے رہا تھا کہ اگر وہ خاموش رہے تو دونوں کی صحت کے لیے اچھا ہے۔ طاہر نے اس بات کا اندازہ تو بہت پہلے ہی اس سے ابتدائی ملاقات پر لگا لیا تھا کہ اس نے اپنا نام غلط بتایا ہے کیونکہ وہ بنگالی نہیں لگتا تھا جب کہ چکرورتی عموماً بنگال سے تعلق رکھتے تھے۔

"ممکن ہے اس کا باپ بنگالی اور ماں پنجابی ہو............"

بالآخر اس نے خود ہی جھنجھلا کر اپنے آپ سے کہا اور اس مسئلے پر سوچنا ہی بند کر دیا۔

اچانک بریک لگنے سے اس کے دونوں ساتھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اب وہ وضاحت

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کچھ آرام کرلیں۔ آپ لوگ تھک گئے ہوں گے۔"

چکرورتی نے ان کی طرف گردن گھما کر بڑی شان بے نیازی سے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

سلیم نے کہا۔

طاہر سمجھ گیا کہ اب وہ اپنے ٹارگٹ ایریا میں پہنچ چکا ہے کیونکہ راستے میں ایک جگہ اس نے سڑک کے کنارے لگے ایک سنگ میل پر ڈیرہ دون بیس کلومیٹر پڑھ لیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب ان کا باقی سارا سفر رات کے اندھیرے میں ہوگا کیونکہ دشمن نے انہیں بطور ایجنٹ تو قبول کرلیا تھا۔

لیکن.............. بطور دوست وہ انہیں کبھی نہیں اپنا سکتے تھے۔

وہ کسی بھی مسلمان پر خواہ وہ بھارتی ہی کیوں نہ ہو' اعتبار نہیں کرسکتے تھے۔ یہ ان کی تربیت تھی۔ انہیں سکھایا گیا تھا۔ کہ مسلمان پر جب اعتبار کرو گے، دھوکہ کھاؤ گے۔

اور.............. وہ نسل در نسل اسی مقولے کو مانتے چلے آ رہے تھے۔

جیپ قدرے کشادہ تھی۔

یہ روسی جیپ تھی جسے شاید اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ایجنٹوں کو متعلقہ مقام سے وصول کر کے انہیں ٹارگٹ ایریا تک پہنچائے کیونکہ اس کے شیشوں کا رنگ بہت گہرا تھا، جن کے آر پار بہت کم دکھائی دیتا تھا۔

وہ تو بھلا ہو اس کے ساتھیوں کا جنہوں نے گزشتہ چالیس گھنٹے میں آٹھ دس مرتبہ جیپ کو کبھی کھانا کھانے، کبھی چائے پینے اور کبھی پیشاب کرنے کے بہانے کھڑی کروا کر طاہر کو موقعہ فراہم کیا تھا کہ وہ کھلی ہوا میں سانس لینے کے علاوہ منظر غائر ماحول کا بھی جائزہ لے سکے۔

آخری مرتبہ جب ڈرائیور نے خود پیشاب کرنے کے لیے جیپ کھڑی کی تو طاہر نے وہاں سڑک کنارے نصب سنگ میل پر ڈیرہ دون کا نام پڑھا تھا جس سے اندازہ ہوا۔ بصورت دیگر تو انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟

O O O

اپنی دانست میں انہوں نے بڑا فول پروف سسٹم بنایا تھا۔

تینوں بذریعہ ٹرین بھارت آئے تھے۔

دلی میں وہ پہلے سے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچے جہاں ایک مسلمان بزرگ نے ان کا استقبال کیا اور انہیں ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا کر ان کے لیے چائے، کھانے کا بندوبست کرنے لگا۔ اس نے ان تینوں سے کوئی سوال نہیں کیا تھا صرف ان کی شناخت ہی کافی تھی۔

اس کی طرف سے کوئی مزید سوال نہ کیے جانے کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ بھی اس سے کچھ دریافت نہ کریں۔

ابھی وہ بمشکل کھانا کھانے کے بعد کریں سیدھی کر رہے تھے جب کیپٹن چکرورتی وہاں نازل ہوگیا۔ اس نے اپنا تعارف اسی نام سے کروایا تھا۔

شاید سلیم اسے پہلے سے جانتا تھا کیونکہ وہ ان میں سب سے پرانا تھا۔ طاہر کا دوسرا ساتھی مشتاق بھی اسی کی طرح تو گرفتاری دکھائی دے رہا تھا یا پھر زیادہ پرانا نہیں تھا۔

"تم ہو مسٹر طاہر.............."

چکرورتی نے ان دونوں کو مصافحہ کرنے کے بعد قریباً نظر انداز کر دیا تھا اور اب براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"یس سر۔"

اس کے بجائے سلیم نے جواب دیا۔

چکرورتی کا مرکز نگاہ اب سلیم بن گیا تھا۔

"ہمارا نیا ساتھی ہے مہاراج.............. بڑا شیر دل جوان ہے۔"

"ہوں ہوں.............."

کیپٹن چکرورتی نے سلیم کی اس بات پر صرف ایک لمبی "ہوں" کے ساتھ ریمارکس دیئے۔ "شیر جوان ہے۔ سر۔ تمہیں قتل میں درکار ہے۔ اشتہاری ہے سر۔ سارا شہر اسے جانتا ہے۔" اس نے پھر کہا۔

جواب میں پھر کیپٹن چکرورتی نے "ہوں" کہا۔

طاہر خود ابھی تک خاموش تھا۔

وہ جانتا تھا ابھی کیپٹن چکرورتی اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرے گا جب تک کہ اسے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عملی تجربہ نہ ہو جائے۔

"ویل کم ٹو انڈیا۔"

چکرورتی نے اس کی طرف دیکھ کر بالآخر معنی خیز مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر چپکائی۔

"میرے خیال سے ہمیں چلنا ہوگا۔"

اس کی اگلی بات نے تینوں کو بوکھلا دیا کیونکہ وہ ابھی آرام کرنے کے موڈ میں تھے۔

"آل رائیٹ انجوائے یور سیلف (Enjoy Yourself)"

شاید اس نے ان تینوں کا عندیہ بھانپ لیا تھا۔

"تھینک یو سر۔ ہم واقعی بہت تھک گئے ہیں۔ امرتسر سے یہاں تک کا سفر بڑا تھکا دینے والا تھا۔"

اس مرتبہ طاہر نے خود ہی جواب دیا۔

وہ چاہتا تھا' چکرورتی اس پر کھل جائے۔

لیکن..................

ایس ایس بی (سپیشل سروس بیورو) کے کیپٹن نے اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"ٹھیک ہے تم لوگ شام تک آرام کرو۔ رات کو اپنے دوست کو موج میلہ بھی کروا دینا۔ میں نے باباجی سے کہہ دیا ہے۔"

اس نے پھر سلیم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"باباجی" اس بزرگ کا نام تھا جس کے مکان پر انہوں نے قیام کیا تھا۔ یہ مکان دہلی کے ایک مسلم محلے میں تھا اور یہاں باباجی اکیلے ہی رہتے تھے۔ اب تک انہیں باباجی کے علاوہ کوئی اور یہاں دکھائی نہیں پڑا تھا۔

یہی ایڈریس انہیں دیا گیا تھا۔

یہی نام بتایا گیا تھا۔

پہلے پہل تو طاہر قدرے حیران بھی ہوا کہ صرف "باباجی" کے نام سے وہ کیسے یہاں مطلوبہ بندے تک پہنچیں گے' پھر خود ہی مطمئن بھی ہو گیا۔

اور.................. یہاں پہنچنے کے بعد تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ واقعی اس کا واسطہ بڑے

خطرناک لوگوں سے پڑا ہے۔

اب تک وہ اس تنظیم کے دو کارندوں سے مل چکا تھا جو اتنے محتاط تھے کہ ان سے گفتگو کے لیے بھی لفظ سوچ سمجھ کر خرچ کر رہے تھے۔

اس بات کی تو اسے خبر تھی کہ بھارت کی یہ دہشت گرد سرکاری ایجنسی ہمیشہ "وقتی سیف ہاؤس" (Safe House) جاتی ہے۔ ان کے "را" (RAW) کی طرح بھارت کے کسی شہر میں مستقل سیف ہاؤس نہیں تھے۔ یہ لوگ اتنے محتاط تھے کہ اپنے ایجنٹوں کو موصول کرنے کے لیے کوئی ٹھکانہ بناتے اور اگلے ہی روز وہاں سے رخصت ہو جاتے۔

دہلی کے اس قدیم مسلم محلے میں انہوں نے طاہر اور اس کی دونوں ساتھیوں کے استقبال کے لیے بھی یہ عارضی ٹھکانہ حاصل کیا تھا۔

ظاہر ہے مسلم علاقے میں وہ کسی مسلمان کی شناخت کے ساتھ ہی رہتے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ "باباجی" بھی کوئی پہنچی ہوئی چیز ہے اور ہرگز مسلمان نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس کے طور اطوار سب مسلمانوں والے تھے۔

لیکن..................

طاہر نے جلد ہی یہ بھی جان لیا کہ "باباجی" ان سے بات کرنے سے احتراز ہی برت رہے تھے۔ وہ ان کے کسی بھی سوال کا جواب عموماً ہاں ناں میں دیتا تھا۔

کسی ممکنہ شک سے بچنے کے لیے جس کا موقع انہیں نہ مل جائے' اس نے پھر خاموشی ہی میں مصلحت جانی۔

شام ڈھلے تک وہ لمبی تان کر سوتے رہے۔

بیدار ہونے پر انہیں ایک مرتبہ پھر چکرورتی کی شکل دکھائی پڑی' جس نے ان کے لیے ایک فور سٹار ہوٹل میں ڈنر کا بندوبست کر رکھا تھا۔

کھرے کے ساتھ انہوں نے ڈنر کیا اور اس ادھ ننگے جسم والی لڑکی پر داد و تحسین کے ڈونگرے جی بھر کے برسائے' جس نے ہوٹل کے اس ہال میں موجود باقی گاہکوں کو قریباً نظر انداز کر کے صرف ان کا طواف کرنا شروع کر دیا تھا۔

اکثر وہ ناچتے ہوئے طاہر پر جھک جاتی اور اس کے اتنا نزدیک آ جاتی کہ طاہر کو اپنے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جسم پر اس کی سانس انگاروں کی طرح چبھنے کا احساس ہوتا۔

یہ بات وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو رہا تھا۔

کیپٹن چکرورتی نے دراصل ایس ایس پی کے چنگل میں پھنسنے والے اس نئے بٹیرے کو اپنے روایتی انداز میں ویلکم کہا تھا۔

عموماً وہ اس جال سے نئے پنچھیوں کو شکار کرتے تھے۔

اس کے دونوں ساتھی بھی یقیناً اسی طرح ان کے دام تزویر میں گرفتار ہوئے تھے۔

اور..........

اب وہ بھی اس دلدل میں اترتے جا رہا تھا۔

اس نے کیپٹن چکرورتی کو پہلے ہی ڈنر میں اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ شراب شباب اس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔

اتنی بڑی کمزوری کہ جس کی بنا پر وہ اگر چاہیں تو طاہر کے ذریعے اس ملک میں کوئی بھی آفت لا سکتے ہیں۔

رات دیر گئے وہ ہوٹل سے باہر نکلے۔

نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی کیونکہ وہ دن میں چھ سات گھنٹے مسلسل سوتے رہے تھے۔

"کیا خیال ہے اپنے سفر کا آغاز کریں؟ رات اچھی گزر جائے گی۔"

کیپٹن چکرورتی نے باہر آتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔ جیسے آپ کی مرضی۔"

طاہر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ میں آتا ہوں۔"

اس نے تینوں کو اس ٹھکانے پر ڈراپ کیا تھا جہاں "باباجی" ان کے منتظر تھے۔ ابھی تک وہ ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

تینوں کو باری باری اس نے درباریوں کی طرح جھک کر سلام کیا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

طاہر کو یہ باباجی کسی الف لیلوی داستان کا پراسرار کردار دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کی نشست و برخاست، چال ڈھال سب تاریخی کتابوں میں لکھے گئے کرداروں سے ملتی جلتی تھی جو قدیم محلات میں اب کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اپنے آقاؤں کی خصوصی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

○ ○ ○

ٹھیک دس منٹ بعد یمدوت (موت کا فرشتہ) کی طرح کیپٹن چکرورتی ان کے سامنے موجود تھا۔

اس مرتبہ وہ ایک بڑی جیپ لے کر آیا تھا۔

تینوں نے اپنے اپنے بیگ اٹھائے اور خاموشی کے ساتھ جیپ نما کار میں بیٹھ گئے جس کی کشادہ اور آرام دہ سیٹوں پر بیٹھنے کے بعد وہ اس کے غیر معمولی ہونے کے قائل ہو رہے تھے۔ بظاہر دکھائی دینے والی اس جیپ کو شاید بطور خاص طویل سفر کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔

اگلی سیٹ پر چکرورتی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

تینوں نے اس کے پیچھے جگہ سنبھال لی۔ تینوں ہی تین الگ الگ سیٹوں پر بیٹھے تھے۔

طاہر اور سلیم آپس میں قدرے بے تکلف تھے جب کہ ان کا تیسرا ساتھی جس کی ملاقات ان سے بالکل آخری لمحات میں روانگی کے وقت ہوئی تھی زیادہ وقت خاموش رہ کر ہی گزارتا تھا۔ اس نے اپنا نام مشتاق بتایا تھا۔

لیکن..........

اس کے چہرے پر ایک ہی نظر ڈالنے سے اس کی بے رحمی کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کا تعلق ملک کے کسی دوسرے شہر سے تھا جس سے متعلق نہ تو اس نے انہیں بتایا تھا اور نہ ہی دونوں نے جاننے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

یہاں کسی سے متعلق کوئی بھی جستجو یا تجسس رکھنے کا سیدھا مطلب اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔

ان کے ایسے کسی بھی عمل کا مطلب ان کا ڈبل کراس ہونا لیا جاتا تھا اور یہاں کسی پر معمولی شبہ کی کم از کم سزا موت تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دہلی سے غازی آباد اور میرٹھ پہنچ کر کیپٹن چکرورتی نے انہیں ایک سڑک کنارے بنے ہوئے ہوٹل سے چائے پلائی۔ تینوں اب تک اونگھتے آ رہے تھے۔

لیکن..............

چائے کا الٹا اثر ہوا۔

کم از کم طاہر تو یہی محسوس کر رہا تھا۔

اس کی دانست میں اس کے دونوں ساتھیوں کو چوکس ہونا چاہیے تھا جب کہ دونوں تھوڑی دیر بعد لمبی تان کر سو گئے۔ انہوں نے دو الگ الگ سیٹیں سنبھال لی تھیں جن پر سمٹ سکڑ کر خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

طاہر کی یہ کمزوری تھی کہ اسے دوران سفر نیند نہیں آتی تھی۔ اس کے نزدیک یہ کمزوری ہی تھی جب کہ اس کے دوسرے ساتھی اس پر رشک کیا کرتے تھے۔

میرٹھ، بجنور اور مظفر نگر سے گزرتے ہوئے وہ شام ڈھلنے پر دیو بند پہنچ گئے۔ اگلا پڑاؤ یہاں پڑا۔

شہر کے باہر ہی محکمہ ریلوے کے ایک شاندار ڈاک بنگلے میں وہ مقیم تھے۔ اس ڈاک بنگلے میں حیرت انگیز طور پر ان کے علاوہ اور کوئی قیام پذیر نہیں تھا۔

طاہر کے لیے بھارت یاترا کوئی نئی بات نہیں تھی۔

اس نے بھارت کے مختلف شہروں میں موجود سرکاری ڈاک بنگلوں پر قیام کیا تھا لیکن یہاں کوئی کمرہ حاصل کرنا خصوصاً اس طرح کے شاندار ریسٹ ہاؤس کی جگہ حاصل کرنا کارِ دارد ہوتا تھا کیونکہ عموماً ایسے بنگلے مختلف سرکاری افسران کی عشرت گاہیں بنے ہوئے تھے جہاں وہ رنگ رلیاں مناتے رہتے تھے یا پھر ان ہی افسران کے چہیتے قابض رہتے تھے۔

دیو بند شہر کی مذہبی حیثیت ساری دنیا میں جانی مانی ہوئی تھی۔ یہاں کے عظیم الشان مدرسے میں تو دنیا بھر سے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

لیکن..............

یہ ڈاک بنگلہ خالی تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ اسے آج کی رات بطور خاص خالی کروایا گیا ہوگا اور محض ایک رات

کے لیے ایس ایس پی نے اس بنگلے کو اپنے سیف ہاؤس میں تبدیل کر لیا تھا۔

کیپٹن چکرورتی نے کمال ہوشیاری سے ایک لمحے کے لیے بھی انہیں اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ دہلی سے یہاں تک کوئی ایک جگہ بھی ان کے لیے مخصوص تھی۔

وہ اس ڈاک بنگلے میں بظاہر بھارت کے عام ناگرک (شہریوں) کی طرح قیام پذیر تھے۔ رات انہوں نے یہاں گزاری۔

صبح دیر گئے تک سب لمبی تان کر سوتے رہے۔ البتہ طاہر جو عادت کے مطابق علی الصبح بیدار ہو گیا تھا ابھی تک اس نے جان بوجھ کر کروٹ نہیں لی تھی اور دوسرے کمرے سے اٹھنے والی معمولی آوازوں سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ کیپٹن چکرورتی بیدار ہو چکا ہے۔

اب اسے کمرے سے باہر نکلتے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی تھی۔

طاہر دم سادھے لیٹا رہا۔ پھر دبے پاؤں اپنے بستر سے اٹھا اور اب وہ بلی کی طرح پنجوں پر چلتا کھڑکی کے ساتھ لٹکے پردے کے نزدیک آ گیا تھا۔

بڑے تجسس سے اس نے پردہ تھوڑا سا سرکایا اور شیشے میں سے باہر موجود لان میں کیپٹن چکرورتی کو ورزش کرتے دیکھنے لگا۔

طاہر خود مارشل آرٹس کا ماہر تھا۔

تین مختلف سٹائلز میں وہ کراٹے کے اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ وہ اس فن کی باریکیوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس کے بے پناہ جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے اس جہنم میں بادل نخواستہ جھونکا گیا تھا۔

کیپٹن چکرورتی کی جسمانی پھرتی اور لچک پر وہ دل ہی دل میں اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ بھی باہر جا کر اپنا جسم سیدھا کرے۔

لیکن..............

وہ رک گیا۔

○ ○ ○

تھوڑی دیر بعد ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ طاہر نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پندرہ منٹ بعد ناشتہ تیار ہوگا۔ گٹ اپ............"

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کیپٹن چکرورتی نے فوجی افسروں کی طرح اسے حکم سنایا

اور............

اس کی کوئی بات سنے بغیر جس طرح آندھی کی طرح آیا تھا' طوفان کی طرح واپس پلٹ گیا۔ طاہر نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر سلیم کے جسم پر پڑا کمبل اتار کر ایک طرف پھینکا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

طاہر نے کیپٹن چکرورتی کا حکم اس کو منتقل کیا۔

اور............

خود غسل خانے میں جا گھسا۔

مشتاق کے حساس کانوں تک جیسے ہی یہ آواز پہنچی' وہ بھی بجلی کی سی پھرتی سے اٹھا اور دوسرے غسل خانے میں جا گھسا جب کہ سلیم نے دوسرے کمرے سے منسلک غسل خانے کا رخ کیا۔

اگلے پندرہ منٹ بعد وہ تینوں ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

O O O

میز کے دوسرے کونے پر کیپٹن چکرورتی ہالی وڈ کی فلموں میں پیش کیے جانے والے گسٹاپو کے کسی کردار کی طرح ان کی طرف گھور رہا تھا۔

بیرے نے ان کے سامنے انواع واقسام کے کھانے چن دیے اور تینوں نے ناشتے کے ساتھ مکمل انصاف کیا۔

"دس منٹ بعد ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

ناشتے کے خاتمے پر کیپٹن چکرورتی نے اگلا حکم جاری کر دیا۔

اور............

ٹھیک دس منٹ بعد ایک مرتبہ پھر اس آرام دہ جیپ میں وہ عازم سفر تھے۔ اس مرتبہ طاہر نے بطور خاص جو باتیں نوٹ کی تھیں' ایک تو جیپ کی نمبر پلیٹ تبدیل ہو گئی تھی اور دوسرے اس کا ڈرائیور۔

پہلا ڈرائیور دیو بند میں ہی رہ گیا تھا۔

اس کے باقی دونوں ساتھیوں نے شاید ان باتوں کا نوٹس نہیں لیا تھا یا پھر انہوں نے اس کا اظہار مناسب نہیں جانا تھا۔

تینوں دم سادھے لیٹے رہے۔

خصوصی ہدایات کے تحت یہاں سلیم اور طاہر بھی خاصے ریزرو دکھائی دے رہے تھے اور ابھی تک انہوں نے مشتاق پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ وہ اس سے زیادہ بے تکلف ہیں۔

اب وہ عازم "ہتواری" تھے۔

ابھی تک گو کہ انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

لیکن............

طاہر جانتا تھا وہ ہتواری جا رہے ہیں۔

ڈیرہ دون کے نزدیک ایک گھنے جنگل میں واقع "ہتواری" نام کے اس کیمپ کو ایس ایس بی' بریگیڈیئر ملہوترا کی کمانڈ میں چلا رہی تھی۔

اس کیمپ سے تین ماہ کی سخت تربیت پا کر فارغ ہونے والے دہشت گرد بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بہترین اثاثہ بن جایا کرتے تھے۔

جدید ترین طریق ہائے تخریب کاری سے آگاہ یہ دہشت گرد انسانی شکل میں درندوں کا روپ دھار لیتے تھے۔

انہیں ایک ہی بات بتائی اور سمجھائی جاتی تھی کہ اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو روندتے ہوئے نکل جاؤ۔

بے رحمی ان کی سرشت بنا دی جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ اپنے ہی ہم مذہبوں' ہم وطنوں کی جان لیتے ہوئے انہیں رحم نہیں آتا تھا۔

وہ بچوں' بوڑھوں' عورتوں' جوانوں کو بے دریغ مارتے چلے جاتے تھے۔

قتل و غارت گری ان کی عادت بن چکی تھی۔

خون برسا کر' آگ لگا کر' دھماکے سے پرخچے اڑا کر وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگتے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

تھے۔ انہیں ہر تخریبی کارروائی پر ان کی توقع سے بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ یہ انعام و اکرام صرف دولت کی صورت میں نہیں بلکہ شراب و شباب کی صورت میں انہیں دیا جاتا تھا۔

ان وحشیوں نے اپنے ہی ملکوں کو بدامنی کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔

اور.........

یہ سب کچھ انہیں ایس ایس پی پڑھاتی تھی۔

ان کی محرومیوں کو ایکسپلائٹ کر کے.........ان کی معصومیت کو درندگی میں تبدیل کر کے.....ان کو زن اور نشے کی لت میں مبتلا کر کے.........

بھارتی انٹیلی جنس کے سورمے انہیں ان ہی کے ملکوں میں چلتے پھرتے ٹائم بم بنا کر پھینک دیا کرتے تھے، محض اقتدار کی ہوس میں۔

محض ان کمزور ملکوں کو اپنے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور کرنے کو.........محض ان چھوٹے اور نادار ممالک کے عوام کی بے بسی کا تماشہ دیکھ کر اپنی حس حیوانیت کو تسکین دینے کے لیے.........چانکیہ کے چیلے چانٹے یہ گھناؤنے کھیل رچا رہے تھے۔

O O O

دیو بند سے ان کے سفر کا آغاز ہوا۔ جیپ رڑکی اور سہارنپور کی سڑکوں پر دھول اڑاتی بالآخر شام ڈھلے ڈیرہ دون پہنچ گئی تھی۔

اس دوران راستے میں وہ تین چار مرتبہ رکے تھے، جہاں انہوں نے کھانا کھایا اور چائے پی تھی۔

کیپٹن چکرورتی بھی ان کی طرح سگریٹ نوش نہیں تھا، البتہ مشتاق سگریٹ پی رہا تھا، لیکن ایک مرتبہ جب چکرورتی نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تو اس نے جیپ کے اندر دوبارہ سگریٹ سلگانے کی جرأت نہیں کی تھی۔

دوران سفر سڑک کے دونوں کنارے انسان کا اژدھا بہہ رہا تھا۔

ظاہر سے بھارت کا یہ اہم ترین صوبہ یو۔ پی اجنبی نہیں تھا، ڈیرہ دون تو کبھی نہیں گیا تھا البتہ ایک مشن کے سلسلے میں اس نے مسوری میں ضرور قیام کیا تھا۔

سڑک کے گرد بنے کھیتوں کھلیانوں اور دیہاتوں کے ننگ دھڑنگ بچے اور مدقوق

چہروں والے کسانوں پر اسے بہت رحم آیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنی غربت اور بے بسی کے ساتھ یہ لوگ کس طرح جی رہے ہیں۔ زندگی کی گاڑی کیسے گھسیٹ رہے ہیں۔

جہاں کہیں ان کی جیپ رکتی، عورتیں مرد اس امید پر اس کے قریب سے گزرنے کی کوشش کرتے کہ شاید انہیں کچھ بھیک مل جائے۔

راستے میں مختلف پڑاؤ کرتے بالآخر وہ ڈیرہ دون پہنچ گئے تھے، جہاں انہیں اب رات ڈھلنے کا انتظار کرنا تھا۔

شام کا ملگجا اندھیرا انجم کی سمت سے سفر کرتا اس ریسٹ ہاؤس کے گرد نیم دائرے کی صورت میں کھڑے شاہ بلوط کے درختوں پر بسیرا کر رہا تھا۔ یہ بھی کوئی سرکاری ریسٹ ہاؤس تھا جس کے باہر کوئی بورڈ بھی ایسا نہیں لگا تھا جسے پڑھ کر وہ اندازہ کر سکتے کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔

"میرے خیال سے شام کا کھانا کھانے کے بعد یہاں سے چلتے ہیں۔"

چکرورتی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"رائیٹ سر۔"

مشتاق نے بھی اب گفتگو میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

"سامان گاڑی میں رہنے دو۔ ذرا فریش ہو جائیں۔"

اگلا حکم ملا۔

تینوں اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئے اور اب وہ سب چکرورتی کی کمان میں ریسٹ ہاؤس کی طرف جا رہے تھے جس کے دروازے پر ایک شخص پہلے ہی سے ان کا منتظر تھا۔

کھانا کھاتے انہیں رات ہو گئی تھی۔

"چلو بھئی.........اب چلنا چاہیے۔ زیادہ دیر ہی نہ ہو جائے۔"

چکرورتی نے معمول کے مطابق ان کی طرف دیکھے بغیر اگلا حکم سنا دیا۔

"او کے"

سلیم نے کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور.............

تینوں ایک مرتبہ پھر عازم سفر تھے۔

اگلے آدھ گھنٹہ کے بعد وہ ایک پہاڑی راستے پر گھوم رہے تھے' جہاں دور دور تک کسی ذی نفس کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے ہی سامنے کا منظر قدرے واضح ہوتا تھا۔ اور تا حد نگاہ سڑک کے دونوں اطراف گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سڑک پر بھی وہ ایک مخصوص فاصلے تک ہی دیکھ سکتے تھے۔

○ ○ ○

دوسرا باب

ڈرائیور جیپ کو بڑی ہوشیاری سے گھما رہا تھا۔ اچانک ہی وہ ایک گیٹ کے سامنے رک گئے۔ یہ گیٹ اس طرح اچانک سامنے آیا تھا جیسے کسی نے جادو سے اسے ان کے سامنے سڑک پر گاڑ دیا ہو۔ گیٹ کے باہر ایک بیرک نما کمرے میں مدھم سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس اندھیرے جنگل میں یہاں شاید دن کے اوقات میں بھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو۔ انہوں نے رات کے اس پہر معمولی روشنی کا بھی تکلف نہیں کیا تھا۔

بیرک کے دروازے کے باہر البتہ ایک زرد بلب لٹک رہا تھا جس کی روشنی میں سوائے بیرک کے اس دروازے کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رات کے اس پہر گھنے درختوں سے لپٹے کیڑے مکوڑوں کے لڑنے کی آوازیں بھی خاموش تھیں۔

رات کا سحر تھا یا پھر ماحول کی پراسراریت' جس نے تینوں پر چند ثانیے کے لیے جیسے سکتہ ہی طاری کر دیا تھا۔

جیپ اس طرح کھڑی تھی۔ کہ انہیں سامنے سوائے بیرک کے اور کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

"تم ابھی بیٹھو"

چکرورتی نے ایک فقرہ کہہ کر ماحول کے سکوت کو توڑا اور ان کو سکتے کی کیفیت سے باہر

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

نکالا۔

تینوں نے سحر زدہ معمول کی طرح اثبات میں گردن ہلا کر اس کے فیصلے پر صاد کیا۔

چکرورتی جیپ سے نیچے اتر گیا۔

ڈرائیور اپنی سیٹ پر ہی چوکس بیٹھا رہا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جیپ رکنے پر بھی کسی نے بیرک سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

کیپٹن چکرورتی ان کے سامنے سے گھوم کر بیرک کے دروازے تک پہنچا تو گرین دروازے میں حرکت ہوئی اور وہ کسی جادوئی عمل سے کھل گیا۔

دروازے کھولنے والے کی شکل ابھی بھی انہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ چکرورتی اندر چلا گیا اور دروازہ اسی طرح بند ہو گیا۔

شاید یہ دروازے کسی میکنزم سے کنٹرول ہو رہے ہوں۔

ابھی تک انہیں کوئی پہرے دار بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

لیکن..........

وہ سب محسوس کر سکتے تھے کہ ان کی معمولی سی حرکت پر بھی نظر رکھی جا رہی ہے۔

انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کسی خفیہ کیمرے سے ان کی مکمل مانیٹرنگ کی جا رہی ہے۔

ماحول کے اسی اسرار کو توڑنے کے لیے ہی شاید مشتاق نے سگریٹ سلگایا تھا اور لائٹر سے بلند ہوتے ہوئے شعلے نے چند سیکنڈ کے لئے جیپ کے اندر کے ماحول کو ضرور واضح کر دیا تھا۔

طاہر نے دیکھا اس کے دونوں ساتھی بہت سنجیدہ تھے۔

''میں تو یار تھک گیا ہوں۔''

''اور میں بھی.........تمہارا کیا حال ہے؟''

سلیم نے جان بوجھ کر مشتاق کو بھی اسی گفتگو میں شامل کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہمیں بھی نیند آ رہی ہے۔''

مشتاق نے بظاہر جماہی بھی لی تھی۔

ڈرائیور نے ان کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔

اچانک انہیں پہلے کی طرح دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور تینوں چوکنے ہو گئے۔

کھڑکی کی طرف بیٹھے طاہر نے جان بوجھ کر شیشے کو گرا لیا تھا۔ یہی عمل سلیم نے بھی دہرایا۔

دوسرے ہی لمحے انہیں بلب کی زرد روشنی میں کیپٹن چکرورتی دکھائی دیا جو ان کی طرف آ رہا تھا۔

دروازہ اس کے تعاقب میں پھر بند ہو گیا تھا۔

''چلو......''

چکرورتی نے اپنی سیٹ سنبھالنے پر ان کی طرف دیکھے بغیر ڈرائیور سے کہا۔

انجن سٹارٹ ہونے کی آواز نے انہیں ماحول میں زندگی سرایت ہو جانے کا احساس دلایا۔

اور.........

جیپ رینگتی ہوئی لوہے کے اس آہنی دروازے کی طرف بڑھی جو انہیں جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دکھائی دے رہا تھا۔

جیسے ہی جیپ وہاں پہنچی دروازہ اپنی جگہ سے سرک گیا۔

شاید یہ دروازہ بھی الیکٹرک کنٹرول تھا کیونکہ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دوبارہ اپنی اصلی حالت پر واپس آ گیا۔

اب وہ ایک سڑک پر چل رہے تھے جس کے دونوں طرف میدان اور میدان کے کونے میں اندھیرے میں ڈوبی عمارت زرد بلبوں کی بیمار روشنی میں جھانکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

ایسی ہی ایک عمارت کے سامنے جیپ رک گئی۔

''سامان اٹھا لو......اور نیچے آ جاؤ۔''

کیپٹن چکرورتی نے کہا۔

تینوں اپنے اپنے سامان سمیت اس کے تعاقب میں چل رہے تھے جب اچانک ہی ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

سامنے شب خوابی کے مختصر لباس میں ایک لڑکی ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

کھڑی تھی۔

"ویل کم.........."

اس نے جان لیوا مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی۔

"اوکے گڈ ہائی۔"

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کیپٹن چکرورتی نے کہا اور واپس گھوم گیا۔

تینوں کے اعصاب پر بجلیاں گراتی اس لڑکی نے ان کی رہنمائی ایک کمرے تک کی جو آج ان کی خوابگاہ بننے والا تھا' جہاں تین بستر سلیقے سے بچھے ہوئے تھے۔

"میرا نام کامنی ہے۔ کامنی اگروال۔ میں یہاں آپ لوگوں کی خدمت کے لیے رکھی گئی ہوں۔ آپ کے کمرے میں یہ پش بٹن دبانے سے فوراً حاضر ہو جاؤں گی۔"

اس نے حیرت زدہ سے پنچھیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر ان کی قیمت کا اندازہ لگاتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔ سامنے لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ بات کرنے کا انداز خاصا بے تکلفانہ تھا۔

"میرا نام طاہر ہے۔ یہ سلیم اور یہ مشتاق"

طاہر نے مناسب جانا کہ اپنا تعارف بھی کروا ہی دے۔

"شکریہ۔ لیکن یہاں ہم ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے جب تک کہ اس کی اجازت نہ ہو۔ ابھی آپ نئے ہیں۔ کل آپ کو یہاں کے رولز اینڈ ریگولیشنز کا علم ہو جائے گا۔"

اس نے عجیب سی بات کہہ کر طاہر کو گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔

طاہر کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدلا پھر وہ نارمل ہو گیا۔

شاید اس تبدیلی کو کامنی نے محسوس کر لیا تھا۔

"میری بات کا برا مت ماننا پلیز' کیونکہ مجھے آپ کو خوش رکھنے کے لیے ہی یہاں پر رکھا گیا ہے۔"

اس نے بے تکلفی سے آگے بڑھ کر طاہر کا کندھا تھپتھپایا۔

انہیں کمرے کے استعمال اور صبح کے ناشتے کے متعلق آگاہی دینے کے بعد وہ کنیزوں کی طرح کورنش بجاتی ہوئی واپس چلی گئی۔

تینوں خاصے تھکے ہوئے تھے۔ جو کپڑے انہوں نے پہن رکھے تھے ان کپڑوں سمیت ہی وہ اپنے اپنے بستر پر گر پڑے۔

اور..........

صبح تک گہری نیند سوتے رہے۔

طاہر البتہ معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز سے پہلے ہی جاگ گیا تھا۔ اسے نجانے کیوں اس وقت وہ سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔

○ ○ ○

"اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ ناقابل برداشت"

اس روز جب وہ کرنل صاحب کے ساتھ ایک سرحدی ریسٹ ہاؤس میں بیٹھا تھا تو انہوں نے وہاں پر موصول ہونے والی اطلاع کے بعد قدرے افسوس اور غصے کے لہجے میں بڑی آہستگی سے کہا۔

طاہر خاموش رہا کیونکہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ وہ اپنا مشن مکمل کر کے آج ہی واپس آیا تھا اور رات ایک سرحدی پوسٹ پر بسر کرنے کے بعد صبح سویرے یہاں پہنچا دیا گیا تھا جہاں کرنل صاحب حسب سابق اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

دو تین منٹ تک وہ خاموشی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سگریٹ نوشی کرتے رہے۔

طاہر ان کی اس عادت سے اب تک واقف ہو چکا تھا کہ جب بھی کرنل صاحب نے کسی فیصلے پر پہنچنا ہوتا' وہ اسی طرح اٹھ کر سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے کمرے میں ٹہلتے رہتے جس کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ کر پرسکون ہو کر بیٹھ جاتے۔

طاہر نے محسوس کیا تھا' عام حالات میں کرنل صاحب سگریٹ نوشی بہت کم کیا کرتے تھے لیکن ایسی صورت میں مسلسل سگریٹ سلگائے رکھتے۔

انہوں نے اس مرتبہ طاہر سے کچھ نہیں کہا تھا۔

اب وہ بالکل نارمل تھے اور اس سے معمول کی باتیں کر رہے تھے۔ اس کے مشن سے متعلق تفصیلات طلب کر رہے تھے۔

"میرے خیال سے اب تم ایک ماہ مکمل آرام کرو کیونکہ اس مرتبہ کام زیادہ اہم اور

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

قدرے مشکل بھی ہوگا۔"

بالآخر انہوں نے کہہ دیا۔

طاہر کچھ نہ سکا کیونکہ اصولاً اسے چند روز بعد واپس چلے جانا تھا۔ ابھی اس کا مشن نامکمل تھا اور اس کا ایک ہی حصہ مکمل ہوا تھا۔

لیکن............

وہ کوئی سوال پوچھنے کا مجاز نہیں تھا۔

اس بزنس کا پہلا اور حتمی اصول یہی تھا کہ یہاں احکامات پر عمل کیا جائے اور اس حد تک ہی تفصیلات طلب کی جائیں' جس حد تک ضروری ہوں یا پھر متعلقہ باس' جس حد تک بتانا ضروری سمجھے۔

کرنل صاحب نے اس سے چند روز بعد ملاقات کرنے کے لیے کہا تھا۔

اور............

یہ چند روز اگلے دس روز پر پھیل گئے۔ گیارہویں روز اسے کرنل صاحب کی طرف سے ملاقات کا پیغام ملا تو وہ قدرے مطمئن ہوا۔ ابھی تک اس کا تجسس قائم تھا۔

O O O

کرنل صاحب سے اس کی اگلی ملاقات بڑی ہنگامہ خیز تھی۔

ان کے ساتھ دو اور سینئر افسران تھے جنہوں نے اسے ایس ایس بی سے متعلق بریفنگ دی اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"سپیشل سروسز بیورو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں میں اپنی نوعیت اور ہیئت کے اعتبار سے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ایجنسی ہے' جس کا قیام صرف اور صرف پاکستان میں تباہی پھیلانے کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔ پاکستانی سرحد سے کچھ ہی فاصلے پر یہ لوگ موجود رہتے ہیں۔ اور ہر لمحے تباہی کے کسی نہ کسی منصوبے پر عمل پیرا۔ یہ گمراہ اور بھٹکے نوجوانوں کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے اور پھر انہیں تباہ کاری کی تربیت دے کر ہمارے ہاں بربادی پھیلانے کے لیے لانچ کر دیتے ہیں۔" ایک سینئر افسر دیوار پر لگے ایک نقشے پر مختلف جگہ چھڑی رکھ کر نشاندہی کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔ اس نے اس نقشے پر ایس ایس بی کے مختلف تربیتی کیمپس' ان کے طریق کار' ان

کی قوت اور ان کے طریقہ واردات سے متعلق تفصیلات بتائیں۔

"یہ لوگ بھارتی انٹیلی ایجنسیوں کی کریم ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے شعبے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ عموماً ان کا انتخاب بھارتی ایس ایس بی "سپیشل سروس بیورو" کمانڈوز میں سے کیا جاتا ہے اور یہ تخریب کاری کے نہ صرف ماہر ہوتے ہیں بلکہ اپنے فن میں اختراع کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر دفعہ نئے ہتھکنڈوں اور ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ ہم ابھی ان کی سابقہ طریقہ واردات کا توڑ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ اور وہ کوئی نئی تباہ کاری کی تکنیک اپنا لیتے ہیں۔"

اس نے چند ثانیے کے لیے رک کر سگریٹ سلگایا' پھر سامنے دیوار پر لگے نقشے پر اپنی چھڑی کی نوک ایک جگہ رکھ کر طاہر سے مخاطب ہوا۔

"یہ ہے ڈیرہ دون............ بھارتی فوجی افسران کی تربیت کا مشہور زمانہ سینڈ ہرسٹ کالج بھی یہاں موجود ہے۔ یہ راستہ جو قدرے پہاڑی اور جنگلات سے ڈھکا ہے۔ بزاری کی طرف جاتا ہے۔ ڈیرہ دون سے مسوری کی طرف جانے والی سڑک پر یہ کیمپ آتا ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر "چکراتا کیمپ" موجود ہے۔ بزاری کیمپ ڈیرہ دون کے شمال میں ہے۔ بزاری اور چکراتا کے درمیان بمشکل دس بارہ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ بزاری کیمپ حال ہی میں بنایا گیا ہے' جسے ایک بریگیڈیئر ملہوترا چلا رہا ہے' جس کی مدد کے لیے بھارتی کمانڈوز کی دو کمپنیاں موجود ہیں۔ بریگیڈیئر ملہوترا کو "را" کا خصوصی تعاون حاصل ہے۔ بھارتی فوج کے بہترین انسٹرکٹرز جو اپنے فن پر عبور رکھتے ہیں' اس کی ٹیم میں شامل ہیں۔ یہاں خالصتاً تباہ کاری کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں دہشت گردی کو ایک آرٹ کی طرح پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے۔ یہاں وہی ایجنٹ لائے جاتے ہیں جو اپنی وحشت کی انتہا کو چھو رہے ہوں' جن میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی ہو۔ تم اسے "رومن اکھاڑہ" بھی کہہ سکتے ہو۔ یہاں کے انسٹرکٹرز جان بوجھ کر ایسے مواقع پیدا کرتے ہیں کہ دو ایجنٹوں کو جو وہاں زیر تربیت ہوں' آپس میں وحشیانہ جنگ پر آمادہ کریں۔ ان میں سے ایک عموماً اپنی کوئی نہ کوئی ہڈی تڑوا لیتا ہے۔"

اس نے براہ راست طاہر کی آنکھوں میں جھانکا' پھر کرنل صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہاں ایک دوسرے کا خون بہانے کی مکمل آزادی ہے۔ اصل میں یہ سب طور طریقے انہیں انسان سے درندہ بنانے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ بریگیڈیئر ملہوترا کی کوشش ہوتی ہے کہ یہاں سے نکلنے والا کوئی بھی ایجنٹ مکمل درندہ بن جائے۔ جو لوگ ہمارے ملک میں سکولوں کے بچوں کو بم دھماکوں سے اڑا رہے ہیں امام بارگاہوں میں نہتے اور بے گناہ انسانوں کا بے دریغ خون بہا رہے ہیں معصوم بچوں کو اغوا کرنے کے بعد بے رحمانہ انداز سے ان کے جسم کے انگ انگ کاٹ کر انہیں مار رہے ہیں وہ سب اسی بریگیڈیئر ملہوترا کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ سب ایس ایس پی اور بنواری کیمپ سے تربیت یافتہ ہیں۔"

اس نے اس کیمپ سے متعلق ایسے ایسے روح فرسا واقعات اسے سنائے تھے کہ اب طاہر کو گھن سی آنے لگی تھی۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ اطمینان سے اس کے پہلو میں موجود کرسی پر بیٹھ گیا۔

○ ○ ○

اچانک ہی کرنل صاحب کھڑے ہو گئے۔

"تمہیں تمہارے ایک ساتھی سلیم کے ساتھ اس کیمپ میں لانچ کیا جا رہا ہے۔ تمہارا یہ ساتھی جو تھوڑی دیر بعد تمہیں ملنے والا ہے' تمہاری طرح اپنے فن میں طاق اور بہادر ہے۔ طاہر بیٹے! اس کیمپ کو برباد کر کے رکھ دو۔ اسے تہس نہس کر دو۔ یہی ایک طریقہ ہے دشمن کو مثبت جواب دینے کا۔ اسے بتانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنی قومی سلامتی اور سالمیت کے دشمنوں کا آخری حد تک تعاقب کرتے ہیں۔ اس وقت تک جب تک کہ ہماری بربادی کا خواب دیکھنے والوں کو ہم برباد نہ کر کے رکھ دیں۔"

انہوں نے اپنی بات کہہ کر جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تیار ہوں سر۔"

طاہر نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر بڑے مضبوط اور پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ کرنل صاحب نے تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا۔ میں جانتا ہوں یہ تمہیں جہنم میں جھونکنے والی بات ہے' لیکن کسی نہ کسی کو اس آگ کا ایندھن بننا ہی ہے۔ تب ہی یہ آگ ٹھنڈی ہو گی۔ تب ہی یہ آگ بجھ

پائے گی۔"

انہوں نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

ایک مرتبہ پھر وہی سینئر آفیسر اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے مختلف خدشات اور سوالات کے جوابات دے رہا تھا۔

اسی اثنا میں کیپٹن صاحب نے کمرے میں داخل ہو کر شاید کسی نئے مہمان کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

کرنل صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور............

دوسرے ہی لمحے سلیم مسکراتا ہوا کیپٹن صاحب کی معیت میں اندر داخل ہوا۔

طاہر نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا تھا۔

"یہ تو عابد ہے۔"

قریباً ایک سال پہلے دونوں بھارت ہی میں ایک مشن کے دوران ایک دوسرے سے ملے تھے' تب اس کا نام عابد تھا۔

لیکن............

اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

تب اس کا نام بھی عباس تھا۔

یہاں نام تو ہر دوسرے روز بدل جاتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں اپنا اصلی نام بھی اس چکر میں بھول جایا کرتا تھا۔

بہر حال اب انہیں ایک دوسرے کو طاہر اور سلیم کے نام سے ہی شناخت کرنا تھا۔

سلیم نے بڑی گرمجوشی سے اس سے معانقہ کیا اور دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"امید ہے تم دونوں ماضی کی طرح مستقبل میں بھی بہترین دوست ثابت ہو گے۔"

کرنل صاحب نے ان کی مسکراہٹوں میں حصہ ڈالا۔

"کیوں نہیں سر"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ کمرے میں اس وقت تینوں موجود تھے۔ باقی لوگ باہر چلے گئے تھے۔ کرنل صاحب اور ان دونوں کے سامنے چائے کی پیالیاں دھری تھیں اور سلیم اسے بتا رہا تھا کہ وہ طاہر کو کس (Cover) کے ساتھ ایس ایس بی کے اس گڑھ تک لے جانے میں کامیاب ہوگا۔

○ ○ ○

طاہر جانتا تھا جس طرح بھارتی انٹیلی جنس نے اپنے ڈبل ایجنٹوں کا جال یہاں بچھا رکھا ہے اس طرح یہ لوگ بھی دشمن کی چالوں سے باخبر رہنے کے لیے اپنے ایجنٹوں کو بھارتی انٹیلی جنس میں داخل کر دیتے تھے۔

سلیم نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد دشمن کا اتنا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اب اسے اپنے ملک سے رنگروٹ بھرتی کر کے بھارتی کیمپوں تک پہنچانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس نے ایس ایس بی تک "را" کی ذریعے رسائی حاصل کی تھی اور ایک ملک دشمن لسانی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد اس کے سرگرم ممبر کی حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کروایا تھا۔

یہ بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

اس کھیل میں دشمن کو معمولی سا شک گزرنے کا مطلب سوائے موت کے اور کچھ نہ تھا۔

طاہر اس کے سنگینی کا ادراک رکھتا تھا۔

گو کہ ان کا کام ہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی بسر کرنا تھا۔ اور وہ ہر لحہ تلوار کی دھار پر ہی چلا کرتے تھے۔

لیکن............

یہاں کم از کم انہیں دشمن کے باخبر ہونے کی صورت میں بھاگنے کے یکساں مواقع تو حاصل تھے جب کہ "ڈبل ایجنٹ" کے کھیل میں ایسا نہیں تھا۔

وہاں تو وہ ہر لحہ دشمن کی گرفت میں ہوتے تھے۔

معمولی شک گزرنے پر انہیں بے نام موت مل سکتی تھی۔

تخریب کاری کے ان تربیتی مراکز میں جانے والے کسی بھی گروپ کے مکمل نوجوان خوش قسمتی سے ہی لوٹا کرتے تھے۔

عموماً ان میں ایک آدھ کو ضرور مار دیا جاتا تھا۔

اس طرح وہ لوگ دوہرے مقاصد حاصل کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ کسی شک کے بعد محض زرخرید ایجنٹوں پر دباؤ بڑھانے کے لیے ان کے ایک ساتھی کو ان کی نظروں کے سامنے اذیتیں دے دے کر اس لیے ہلاک کر دیا کرتے تھے کہ وہ فرار یا غداری کی صورت میں اپنے انجام سے ڈرتے رہیں اور آنکھیں بند کر کے اپنے آقاؤں کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں۔

جب کہ دوسری طرف مرنے والے کے ساتھی اس لیے مطمئن رہتے تھے کہ ان کے حلقوں میں اب کوئی مخبر باقی نہیں رہا۔

وہ خود اپنے کسی بھی ساتھی پر معمولی سا شک گزرنے پر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے تا کہ باقی سب لوگ محفوظ رہیں۔

چوہے اور بلی کے اس کھیل کو بھارتی انٹیلی جنس بڑی کامیابی سے کھیل رہی تھی۔

سلیم نے ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا تھا کیونکہ ان کے احکامات پر وہ اب تک دو "کامیاب دھماکے" کر چکا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ دھماکے خود ساختہ تھے۔

لیکن............

کمال یہ تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس کے نزدیک وہ اس کی کامیاب ترین کارروائیاں تھیں جن کے نتائج بھی ان کی مرضی کے مطابق ہی برآمد ہوئے تھے۔

اس نے طاہر کا غائبانہ تعارف ایک مفرور اشتہاری سٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے کروایا تھا۔ اپنے آقاؤں کو بتایا تھا کہ اس نے طاہر کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

اور............

اب وہ اس کے حکم پر کنویں میں چھلانگ لگانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

اس نے طاہر کو غائبانہ تعارف انتقام کی آگ میں جھلستے ایک باغی کی حیثیت سے کروایا تھا جو اپنے ملک کی ایڈمنسٹریشن کو تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا اور اپنے انتقام کے چکر میں سب کچھ جلا کر راکھ کر دینے کا عزم رکھتا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو اس نے طاہر کا تعارف اتنا بڑھا چڑھا کر کروایا تھا کہ اس نے فوراً ہی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طاہر کی بھرتی کے لیے اسے اوکے سگنل دے دیا تھا۔

اور.........

سلیم نے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے کرنل بھاٹیہ کی توقع سے زیادہ ایڈوانس کی ڈیمانڈ کر دی تھی جس سے کرنل کا یقین مزید پختہ ہو گیا تھا۔

''پیسوں کی پروا مت کرنا۔ ہمیں ادھر پنجاب میں تین چار کام کے لونڈے چاہئیں۔ میرا مطلب سمجھتے ہونا تم۔''

کرنل نے اس کے سامنے اپنے پستول کا چیمبر لوڈ کرتے ہوئے کہا۔

سلیم اس وارننگ کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں ایک بڑی سی گالی کرنل کو دی اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''سر! میں بڑا محتاط آدمی ہوں۔ ابھی تک میرے بچے رہنے کا راز بھی یہی ہے۔ میں نے آج تک کوئی ایجنٹ بھرتی نہیں کیا۔ اب بھی بہت سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر اس گیم میں ہاتھ ڈالا ہے۔ سر! آپ کو ہیرا دے رہا ہوں۔ آج تک ایسا سورما کسی ماں نے نہیں جنا۔ سالے نے ایک ہی مقابلے میں تین پولیس والے مار دیے تھے۔ بس اس کی ایک ہی کمزوری ہے پیسہ، اسے پیسہ چاہیے، عورت اور شراب سے تو یوں بھاگتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔''

اس نے کرنل بھاٹیہ کو اپنی چرب زبانی سے بلا شبہ اچھی طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ اس فن میں وہ ماہر تھا۔

کرنل بھاٹیہ کا اشتیاق اس نے اتنا بڑھایا کہ اب وہ سلیم سے تقاضا کر رہا تھا کہ وہ جتنی جلد ممکن ہو اسے بھارت لے آئے۔

کرنل بھاٹیہ کو پنجاب میں ایسے تین چار لڑکوں کی اشد ضرورت تھی۔ اگر وہ دو تین کامیاب دھماکے ادھر کروا دیتا تو اس کے کندھوں پر بریگیڈیئر کے ستار لگنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

اگر ملہوترا جیسے گدھے کو ان لوگوں نے بریگیڈیئر بنا دیا ہے تو اسے کیوں نہیں...... وہ بہر حال ملہوترا سے زیادہ اچھی کارکردگی کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ ستم بالائے ستم کہ اب اسے اس کیمپ

میں بھی ملہوترا کے ڈپٹی کی حیثیت سے خدمات انجام دینا تھیں۔

''آل رائیٹ ملہوترا........ دیکھ لوں گا تمہیں بھی''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''اور ہاں This is between me and you (یہ صرف میرے اور تمہارے درمیان ہے۔)''

اچانک ہی وہ سلیم سے سرگوشی میں مخاطب ہوا۔

''سر! آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں بریگیڈیئر صاحب کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دوں گا۔'' اس نے کرنل بھاٹیہ کا عندیہ بھانپ لیا تھا۔

''ویل........ ایسی کوئی بات نہیں ہے' لیکن میں انہیں ''سرپرائز'' دینا چاہتا ہوں۔''

کرنل نے گھنی مونچھوں کے پیچھے سے دانتوں کی نمائش کی۔

وہ کم از کم یہ تو ہر گز نہیں چاہتا تھا کہ اس دو ٹکے کے مسئلے کو بھارتی فوج کے دو افسران کی معاصرانہ چشمک کا احساس بھی ہونے پائے۔

''As you wish سر'' (جیسی آپ کی خواہش جناب۔)

سلیم نے چاپلوسی کے انداز میں دانت نکال دیے۔

کرنل نے اسے اس مرتبہ بطور خاصا بڑا ٹریٹ دیا تھا اور روانگی پر اس کی ڈیمانڈ کردہ کھلی رقم اسے نقدی کی صورت میں تھما دی تھی۔ حالانکہ یہاں اصول یہی تھا کہ آدھی رقم ایڈوانس اور آدھی رقم کام ہونے کے بعد دی جاتی تھی لیکن.........

کرنل بھاٹیہ نے اس سے بے پناہ امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور اب تمام اصول و ضوابط جہنم میں جھونک کر اس کو خوش کرنے پر تلا ہوا تھا۔ یوں بھی ان کے پاس لٹانے کے لئے خاصی رقم موجود تھی۔

○ ○ ○

ویزہ کے لیے طاہر کا نام پہلے ہی سے بھارتی قونصلیٹ میں پہنچ چکا تھا۔

لیکن.........

ان کا ویزہ معمول کے مطابق ہی لگا تھا۔ عام لوگوں کی طرح انہیں بھی قطار میں لگ کر

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دھکے کھانے پڑے تھے۔ دونوں طرف سے یہ ضروری سمجھا گیا تھا۔

جس روز ویزہ لگوا کر طاہر اور سلیم واپس لوٹے اگلے ہی روز سلیم کو "را" کی طرف سے پیغام مل گیا کہ مشتاق نامی نوجوان ان کی ملاقات کو آ رہا ہے۔ جس سے طاہر کو ملانا ضروری ہے کیونکہ اسی نے سفر کا بندوبست کرنا تھا۔

اس طرح مشتاق ان سے آن ملا۔

مشتاق کی ملاقات سے علیحدگی تک اس کی مکمل نگرانی کی جا رہی تھی اور دشمن ایک دہشت گرد کی شناخت ہونے کے باوجود وہ لوگ اسے گرفتار نہیں کر سکتے تھے مگر اس کھیل کے اصول دنیا کے تمام کھیلوں سے نرالے تھے۔

یہاں بادشاہ کو مات دینے کے لیے دو تین مہرے مروا دینا معمول کی بات سمجھی جاتی تھی۔

سلیم کے ذریعے اب تک دشمن کے چھ اہم ایجنٹ اس ملک میں ایکسپوز ہو چکے تھے۔

ان سب پر پاکستان انٹیلی جنس نے کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ ان کے خلاف ضرورت کے مطابق مناسب کارروائی بھی کی گئی تھی۔

لیکن.........

کسی ایک مرحلے پر بھی "را" کو اس بات کا احساس نہیں ہونے پایا تھا کہ ان کی صفوں میں کوئی ڈبل ایجنٹ گھس آیا ہے۔

کوئی ایسا گھر کا بھیدی جو وقت آنے پر ان کی لنکا ڈھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ مشتاق نے اپنی دانست میں طاہر سے متعلق مکمل تفتیش کی تھی۔ وہ شاید یہاں کا مقامی سپائی ماسٹر تھا۔

مشتاق اپنی دانست میں اچانک ہی ان سے ٹکرایا تھا۔

لیکن.........

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس کی توقعات سے بڑھ کر سمارٹ تھے۔ "را" نے اپنے مقامی سپائی ماسٹر اور ایجنٹوں کو پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں سے بچانے کا بظاہر بہت فول پروف نظام بنا رکھا تھا۔

مشتاق نے سلیم سے ملاقات کا کوئی وقت یا مقام طے نہیں کیا تھا۔ صرف اس سے اگلے

دو دن کی مصروفیات اور اس کے ممکنہ مقامات جہاں ملاقات ممکن تھی، دریافت کیے تھے۔

اور.........

سلیم جو اس سارے کھیل کے داؤ پیچ سیکھنے کے بعد میدان میں اترا تھا اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

اس نے ٹیلی فون پر اپنے تین چار ایسے ممکنہ ٹھکانے بتائے تھے جہاں مشتاق اور اس کی ملاقات کی صورت میں دونوں کی مکمل نگرانی آسانی سے کی جا سکے۔

اور.........

یہی ہوا۔

مشتاق کو تو اس بات کی خبر نہ ہو سکی کہ وہ جس فون نمبر پر سلیم سے بات کر رہا تھا وہ نمبر بھی "بگ" تھا۔

سلیم نے اسے پانچ منٹ تک اپنے ساتھ گفتگو میں الجھائے رکھا تھا اور اس دوران اس جگہ کی نشاندہی ہو چکی تھی جہاں سے مشتاق اسے فون کر رہا تھا۔

یہ شہر کی ماڈرن کالونی کا ایک بنگلہ تھا جو ایک ریٹائرڈ افسر کا مسکن تھا۔ اس طرح دشمن کا ایک اہم ٹھکانہ پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکا تھا۔

○ ○ ○

اس روز بھی مشتاق اپنی دانست میں سلیم سے اچانک ہی ٹکرایا تھا لیکن اسے علم نہ ہو سکا کہ اس کے یہاں پہنچنے تک کی مکمل فلم بھی بن چکی تھی اور دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سلیم کے کوٹ کی جیب میں چھپے چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ ہو چکا تھا۔

مشتاق کی ہدایت پر اس نے طاہر کو فون کر کے اسے کیفے پر طلب کر لیا تھا، جسے سلیم نے اپنے ایک دوست کی ملکیت بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ دن کا بیشتر حصہ یہیں گزارتا ہے۔ مشتاق کو علم نہ ہو سکا کہ وہ انٹیلی جنس کا ایک "سیف ہاؤس" تھا، جسے وہ لوگ بطور "آر۔ وی" (دو ایجنٹوں کی ملاقات کی جگہ) استعمال کیا کرتے تھے۔

طاہر فون ملنے کے بعد مناسب وقفے سے وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنے انداز و اطوار سے مشتاق کو ضرورت سے زیادہ ہی متاثر کر دیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

مشتاق نے اس سے متعلق وہی رپورٹ کرنل بھابیہ کو دی تھی جو اس سے پہلے سلیم دے چکا تھا۔

اور..........

کرنل بھابیہ نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے طاہر کو بڑے احترام اور عزت سے بھارت پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

مشتاق کو یہ علم نہیں تھا کہ پاکستان انٹیلی جنس سے متعلق "مائز" (دشمن سے متعلق معلومات حاصل ہو جانا) کر چکی ہے اور مستقبل میں اسے بطور کنفیوژن (دشمن کی صفوں میں غلط اطلاعات پہنچا کر انتشار پیدا کرنے والے ایجنٹ) کے کردار کے لیے بھی منتخب کیا جا چکا ہے۔

یہ کام پاکستان انٹیلی جنس نے مشتاق کو جواب ان کا "ٹیکنیک" بن چکا تھا لاعلم رکھ کر انجام دینا تھا۔

تیسرے روز مشتاق کی طرف سے انہیں تیاری اور روانگی کا سگنل مل گیا۔ ٹکٹ انہوں نے اکٹھے ہی خریدے۔

اور..........

مزید دو روز گزرنے کے بعد وہ تینوں ٹرین کے ذریعے دوسرے سینکڑوں مسافروں کے ساتھ بھارت کی طرف عازم سفر تھے۔

سٹیشن سے ٹرین میں بیٹھنے تک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے تمام معاملات معمول کے مطابق طے کیے تھے۔ قلی سے کسٹم تک ہر جگہ اس طرح رشوت دی تھی۔ جس طرح ٹرین کے باقی مسافر دیتے رہے تھے۔

یہاں سے دہلی کا سفر تھکا دینے والا تھا۔

لیکن..........

وہ اس سے یوں محظوظ رہے کہ امرتسر جہاں سے انہیں دوسری ٹرین پکڑنی تھی' ان کے استقبال کی تیاری ہو چکی تھی اور دوسرے مسافروں کے برعکس وہ فرسٹ کلاس سے سفر کر رہے تھے۔ ان کا ہم سفر کوئی مقامی شخص نہیں تھا۔ بس امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر ایک سردار صاحب مشتاق کے ہاتھ میں تین ٹکٹ تھما کر چل دیئے تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ کہنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔

البتہ مشتاق نے ریلوے سٹیشن سے دہلی کے ایک ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کر کے کچھ معلومات اپنے سفر سے متعلق حاصل کی تھیں اور اپنے مالکان کو اپنی آمد سے بھی مطلع کر دیا تھا۔

○ ○ ○

"یار ابھی سو جاؤ۔ کیوں اپنی نیند کے ساتھ ہماری نیند بھی خراب کر رہے ہو۔"

علی الصبح اسے چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھے دیکھ کر سلیم نے اپنے بستر سے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

ابھی اس نے بمشکل کروٹ ہی بدلی تھی کہ دروازے پر بڑی شریفانہ دستک سنائی دی۔

طاہر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

اور..........

دوسرے ہی لمحے قریباً سن ہو کر رہ گیا۔

یوں جیسے اس پر کسی نے اچانک سحر پھونک دیا ہو۔

دروازے کے سامنے کامنی اگروال کھڑی تھی۔

لیکن..........

اس کے جسم پر کپڑے نہ ہونے کے برابر تھے۔

شارٹس اور بنیان میں شاید وہ ورزش کرتی اس طرف آئی تھی اور یہاں سے پھر سوئمنگ کے لیے جانے والی تھی۔

"آئی ایم سوری! میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ آج سے آپ یہاں کے ڈسپلن کا حصہ بن چکے ہیں۔ ابھی چند منٹ میں بیڈ ٹی آئے گی جس کے پندرہ منٹ بعد آپ کو وہ سامنے والی ڈرل گراؤنڈ میں جانا ہے۔"

اس نے ہاتھ کی انگلی کی سامنے نظر آنے والی ایک گراؤنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔"

طاہر نے تھوک نگل کر کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے لیے کامنی اگروال کا اس طرح اچانک سامنے آنا بوکھلا دینے کے لیے کافی تھا'

لیکن...... اسے خود کو شریف زادہ نہیں بلکہ لپاڑیا لفنگا اور بدمعاش ثابت کرنا تھا۔

ایسا بدمعاش جس نے بظاہر شرافت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور جس کے لیے اس طرح شریفوں کے ساتھ ایسے ماحول میں ملاقات کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی دانست میں خود کو چند سیکنڈ کے بعد نارمل کر لیا تھا۔

لیکن...... کامنی کے اچانک سامنے آنے پر اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے جیسے اچانک بدل گیا تھا۔ وہ کیفیت "را" کی مستعد ایجنٹ ہینڈلر (ایجنٹوں کو بھرتی کرنے اور تربیت دے کر ان سے کام لینے والی) کامنی اگروال کی عقابی نگاہوں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

ایس ایس بی کے اس مرکز میں موجود ہر انسٹرکٹر خصوصی علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ اپنے اپنے کام میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ایجنٹ کی نفسیاتی صورت حال سے بڑے چوکنے اور باخبر رہتے تھے۔

ان کی ایک ایک لمحے کی حرکات و سکنات کو "مانیٹر" کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

یہاں کا ہر انسٹرکٹر اپنے زیر تربیت ایجنٹ سے متعلق اپنی روزانہ کی رپورٹ لکھا کرتا تھا' جس میں بطور خاص یہ بتایا جاتا تھا کہ متعلقہ ایجنٹ کا آج کا رویہ کیسا رہا۔

اس سے متعلق ایجنٹ کے ذہن میں پیدا ہونے والا معمولی سا شک بھی اس ایجنٹ کی موت کا پیامبر بن سکتا تھا۔

ان انسٹرکٹروں کو اس بات کا بھی علم تھا کہ بسا اوقات زیر تربیت ایجنٹوں کے بھیس میں ان کے اپنے افسران بھی شامل ہوتے تھے' اس طرح ان پر "کاؤنٹر چیک" رکھ کر ان کی کارکردگی بھی مانیٹر کی جاتی تھی۔ اس کے لیے وہ بہت محتاط اور چوکنے رہتے تھے۔

کامنی اگروال نے البتہ پہلی ملاقات میں طاہر کے چہرے پر اچانک آنے والی گھبراہٹ کی لہر کو نجانے کیوں نظر انداز کر دیا تھا۔

اس نے جان بوجھ کر اس کا ذکر اپنی روزانہ کی رپورٹ میں نہیں کیا تھا' حالانکہ اس نے ان تینوں ایجنٹوں کو ریسیو کیا تھا اور اب ان کے کورس کے اختتام تک ان کی میزبانی اور نگرانی کے مکمل فرائض اس نے انجام دینے تھے۔

نجانے کیوں اسے پہلی ہی ملاقات کے بعد طاہر باقی دونوں سے الگ تھلگ اور کچھ عجیب سا دکھائی دیا تھا۔

لیکن..........

اسے خود حیرت ہو رہی تھی' اس نے ابھی تک اس سے متعلق اپنے ذہن میں آنے والے ان خیالات کو اپنے ریمارکس کے ساتھ اپنی ڈیلی رپورٹ میں کیوں درج نہیں کیا۔

"ہے اس میں ضرور کوئی خاص بات۔"

کامنی اگروال نے زیر لب کہا اور مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

صبح وہ آدھا گھنٹہ تیراکی کی عادی تھی۔

اس کی فٹ نس کا یہی راز تھا۔

وہ "ہواری کیمپ" سے گزشتہ ڈیڑھ سال سے وابستہ تھی۔ اس دوران درجنوں دہشت گردوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے درندے بنا کر واپس ان کے ممالک کی سرحدوں پر دھکیلا تھا۔ ضرورت پڑنے پر ان زیر تربیت ایجنٹوں کی ہر جائز و ناجائز خواہش پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ بسا اوقات اسے اپنا آپ انہیں پیش کرنا پڑتا تھا' لیکن کامنی حیرت انگیز طور پر دوسروں سے مختلف تھی۔ یہ اس کی ڈیوٹی تھی۔ اس کی مذہبی اور سیاسی تعلیمات یہی تھیں۔ دوسری لڑکیاں اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ ان کے ساتھ ایک رات بسر کرنے والے دہشت گردوں نے یہاں سے واپس جانے پر ممکنہ نتائج فراہم کیے تھے۔ یہ ان کا آرٹ تھا۔ اس طرح ان کے ہم منصبوں میں اس کی توقیر بڑھتی تھی اور "ایجنسی" کی فائلوں میں اس کے نمبر بڑھتے جاتے تھے۔

ایس ایس بی کے اس تباہ کاری مرکز پر یوں تو براہ راست انٹیلی جنس کا کنٹرول تھا لیکن یہاں مختلف ایجنسیوں کے اعلیٰ دماغوں کو ڈیپوٹیشن پر بھیجا جاتا تھا اور بیشتر انسٹرکٹرز "را" کے فراہم کردہ تھے' جن میں کامنی اگروال بھی شامل تھی۔

○ ○ ○

صبح کا آغاز کامنی اگروال کے کہنے کے مطابق پریڈ سے ہوا تھا۔ انہیں جسم کو چوکس رکھنے کی ورزشیں کروائی جا رہی تھیں۔ یہ نیا بیچ تھا جس میں ان جیسے بیس اور نوجوان موجود تھے جن میں سے زیادہ کا تعلق سری لنکا سے تھا۔ طاہر نے وہیں اندازہ کر لیا تھا کہ یہ وہ تامل ہیں جنہیں

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

بھارتی انٹیلی جنس تربیت دے کر ان کے ملک میں دھکیل دیتی ہے۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ بظاہر بھارتی حکومت نے تامل ٹائیگرز سے علیحدگی اختیار کی ہوئی ہے اور ان کے خلاف سری لنکا گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں لیکن اندر خانے کچھ اور معاملات چل رہے تھے۔ پھر اسے خود ہی اپنے سوالات کے جوابات بھی ملتے چلے گئے اور اسے سمجھ آ گئی کہ ان کا واسطہ دنیا کی منافق ترین قوم سے ہے۔ جس کا ایک ہی اصول ہے کہ اس کا کوئی اصول نہیں۔

ابھی تک کرنل بھاٹیہ نے اس سے براہ راست ملاقات نہیں کی تھی، لیکن وہ کامنی اگروال کے ساتھ پریڈ گراؤنڈ کے کونے میں بنی ایک بلڈنگ کی بالکنی میں آنکھوں پر دوربین جمائے طاہر کو فوکس کیے بیٹھا تھا۔ اس کی جہاندیدہ نظروں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ سلیم نے اس سے متعلق جو کچھ بتایا تھا' وہ اس سے کچھ زیادہ ہی ثابت ہو رہا تھا۔ کرنل بھاٹیہ کی ہدایت پر آج انسٹرکٹر نے جان بوجھ کر کچھ سخت قسم کی ورزشیں منتخب کی تھیں اور حیرت انگیز طور پر پندرہ بیس منٹ بعد جب ایک ایک کر کے نئے آنے والے لڑکے تھک کر ایک طرف بیٹھ چکے تھے' طاہر اپنی جگہ موجود تھا۔

انسٹرکٹر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"تم کراٹے کھیلتے ہو؟"

اس نے اچانک ہی سوال کر دیا۔

"یس سر! میں تھرڈ ڈان ہوں۔"

طاہر نے جس کا جسم پسینے سے شرابور تھا' جواب دیا۔

"ہوں اں اں۔"

انسٹرکٹر نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور واپس مڑ گیا۔ لیکن..........

اچانک ہی وہ پلٹا اور اس نے اپنی دانست میں طاہر کو بے خبر پا کر اس پر زبردست ہاتھ گھمایا لیکن.......... اس کی توقعات کے برعکس اس کا ہاتھ صرف ہوا میں گھوم کر رہ گیا اور.......... اس سے پہلے کہ انسٹرکٹر سنبھل کر دوسرا حملہ کرتے طاہر نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور بمشکل تین سیکنڈ میں انسٹرکٹر زمین چاٹ رہا تھا۔ یہ صرف مدافعاتی ایکشن تھا۔

ابھی اس نے حملہ نہیں کیا تھا۔ انسٹرکٹر تلملا کر غصے سے کھولتا ہوا اٹھا اور اس نے ہوا میں

اچھل کر اپنی دونوں ٹانگیں طاہر کے سینے پر مارنے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس مرتبہ پھر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلا قدم اٹھائے' اچانک ہی اسے اپنی پشت پر تالیوں کی آواز سنائی دی۔

"ویل ڈن۔"

ایک بھاری بھر کم آواز نے کہا۔ طاہر بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی پشت پر کامنی اگروال اور کرنل بھاٹیہ کھڑے تھے۔

"ویل ڈن بوائے۔ ویل ڈن۔" کرنل بھاٹیہ نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ انسٹرکٹر اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی مودب ہو گیا تھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے بے تکلفی سے طاہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی تعریف کرتا اسے اپنے دفتر تک لے آیا۔ کامنی اگروال ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ طاہر نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

"تشریف رکھیں۔" کرنل بھاٹیہ نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سامنے آرام دہ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ" کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔

"بھئی واہ کمال کے آدمی ہو۔ واقعی جیسا سلیم نے کہا' ویسا ہی پایا۔"

کرنل بھاٹیہ نے اپنی گھنی مونچھوں کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو سر۔" طاہر نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔ "مس کامنی اگروال سے تو مل چکے ہو گے تم؟"

اس نے اپنے ساتھ مودب کھڑی کامنی کی طرف اشارہ کیا۔ طاہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"گڈ۔ مجھے تم جیسے نوجوانوں ہی کی ضرورت ہے۔ مسٹر طاہر! اگر تم چاہو تو اپنی حکومت کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہو۔ اپنی ایک ایک محرومی کا انتقام لے سکتے ہو۔"

اس نے رٹا رٹایا سبق طاہر کے سامنے دہرا دیا۔

"سر! میں انہیں تباہ کر دوں گا۔ برباد کر دوں گا۔ میں ایک ایک سے بدلہ لوں گا۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس نے بظاہر غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے بریک فاسٹ ہم اکٹھے ہی کریں۔"

کرنل بھالیہ نے کامنی اگروال کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوکے سر۔ کیوں نہیں سر۔"

کامنی نے کہا اور.........

باہر نکل گئی۔ شاید بریک فاسٹ کا بندوبست کرنے گئی تھی۔ کرنل بھالیہ نے اس دوران بڑے معصومانہ انداز میں طاہر کے منہ سے اس کی کہانی سننا چاہی تھی۔ اور...... طاہر نے وہ کور سٹوری اسے لفظ بلفظ دہرادی جو وہ اس سے پہلے سلیم کی زبانی سن چکا تھا۔ اس کے لیے بڑی زبردست کور اسٹوری تیار کی گئی تھی۔ اس کا "بیک سٹاپ" (جاسوس جب خود ساختہ کہانی سناتے ہیں تو واقعتاً موجود کیریکٹر کا مکمل بائیو ڈیٹا لے کر اس کی شکل میں خود کو وہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس میں بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ جوان کا بیک سٹاپ ہو اس سے متعلق کوئی واقعاتی غلطی نہیں ہونی چاہیے ورنہ وہ کسی بھی مرحلے پر پکڑے جا سکتے ہیں کیونکہ مخالف انٹیلی جنس اسے چیک کرتی ہے) شاندار تھا۔

اس نے خود کو پاکستان کی ایک نام نہاد دہشت گرد طلباء تنظیم کے مفرور ممبر کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا جو بظاہر مفرور لیکن اصل میں پاکستانی انٹیلی جنس کے قبضے میں تھا اور وہاں اس بات کے مکمل انتظامات موجود تھے کہ اس سے متعلق انکوائری پر اسے واقعی وہی طاہر خان سمجھا جائے جس کی اتفاق سے ابھی پریس میں کوئی تصویر نہیں چھپی تھی۔ اور اب اس کی تصویر ملنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

"مگر جینٹل مین! یہ سوانگ بہت دیر تک نہیں رچایا جا سکے گا۔ تمہیں بہت جلد، دنوں میں، چند دنوں میں، دس پندرہ دنوں میں اپنا کام کر کے وہاں سے نکل جانا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس تنظیم کا کوئی اور ممبر ایس ایس پی کے ہاتھ لگ جائے اور تم ایکسپوز ہو جاؤ۔"

اسے ساری کور سٹوری بریف کرنے کے بعد کرنل نے کہا تھا۔ "ایسا نہیں ہوگا سر۔ میں انشاءاللہ اس سے پہلے ہی اپنا کام کرلوں گا۔ آج تک اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے مجھے ناکامی کا منہ نہیں دکھایا۔ اس مرتبہ بھی انشاءاللہ ضرور کامیاب ہوں گا۔"

اس نے حسب معمول بڑے یقین سے کہا تھا اور کرنل صاحب کے دل نے گواہی دی تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔

ان کا اور طاہر کا گزشتہ چھ سال کا ساتھ تھا۔ اس دوران اس نے درجنوں اہم مشن کیے تھے اور ہر مشن میں کامیاب لوٹا تھا۔ انہیں امید تھی کہ تاریخ خود کو ضرور دہرائے گی۔ حالانکہ اس مرتبہ اسے پل صراط سے گزرنا تھا۔

ایس ایس پی نے کبھی ایسی غلطی نہیں کی تھی جیسی اس کیس میں کرنل بھالیہ نے بریگیڈیئر ملہوترہ کی ضد میں کردی۔

اس نے جان بوجھ کر طاہر کی فائل کو کانفیڈینشل اور اپنے تک محدود رکھا تھا۔ ایسے اختیارات تو اسے حاصل تھے لیکن...... آج تک اس کے کسی پیشرو نے ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماتحت کی حیثیت میں کوئی خطرہ مول نہیں لیا کرتے تھے اور ہر ایجنٹ کی فائل اپنے کمانڈر کے سامنے ضرور پیش کیا کرتے تھے۔

بریگیڈیئر ملہوترہ کے سامنے نئے گروپ کے نام گئے تو تھے اور باقی ایجنٹوں کے ساتھ ساتھ اس کا بائیو ڈیٹا بھی بھیجا گیا تھا' لیکن............ باقی ایجنٹوں کی طرح اس کی فائل نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کرنل بھالیہ سے کچھ دریافت کرتا' ہیڈ کوارٹر سے "ٹاپ سیکرٹ" کی وارننگ آ گئی تھی۔ بریگیڈیئر ملہوترہ کو طیش تو بہت آیا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اس کا تعلق بھارت کی فرسٹ آرمڈ کور سے تھا اور وہ ڈیرہ دون کا مانا ہوا انسٹرکٹر کہلاتا تھا' جب کہ کرنل بھالیہ ملٹری انٹیلی جنس سے آیا تھا اور فوجی افسران عموماً انٹیلی جنس کے لوگوں سے کنی کترا کر گزر جایا کرتے تھے۔

○ ○ ○

اس نے خود کو یہ سوچ کر تسلی دے لی کہ ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور یہ کرنل بھالیہ کا ذاتی نہیں بلکہ ہیڈ کوارٹر کا فیصلہ تھا۔ بریگیڈیئر ملہوترہ یہاں ایک سال کے لئے ڈیپوٹیشن پر آیا تھا لیکن اس کی کارکردگی کے پیش نظر مزید چھ ماہ کے لیے اس کا قیام بڑھا دیا گیا تھا۔ وہ پروفیشنل سولجر تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ یہی اس کی ترقی کا راز تھا۔

لیکن.............

اگر اسے اس بات کا علم ہوتا کہ اس کی شاندار کارکردگی اس کیمپ میں اس کا قیام بڑھا

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

دے گی تو وہ بھی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرتا کیونکہ اسے یہ ماحول پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے کمانڈوز کو تربیت ضرور دی تھی اور ایس ایس جی ہیڈکوارٹرز میں ایک عرصہ رہا تھا' لیکن......

تخریب کار اور دہشت گرد تیار کرنے کا تجربہ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ بریگیڈیئر ملہوترہ کی ریٹائرمنٹ میں ایک سال باقی رہ گیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ بریگیڈیئر کی کمانڈ سے ہی ریٹائر ہو' لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کے تیس سالہ فوجی کیریئر پر کوئی معمولی سا دھبہ بھی نالائقی یا کام سے جی چرانے کا لگ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو ہمیشہ چوکس رکھا تھا۔

کامنی اس مرتبہ ایک مؤدب ویٹر کے ساتھ آئی تھی جو ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا لا رہا تھا۔ انہوں نے وہیں بیٹھ کر ناشتا کیا۔ کامنی اس سے کچھ متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ کرنل بھاٹیہ کی اس میں بڑھتی ہوئی دلچسپی یا پھر مارشل آرٹس کا شاندار مظاہرہ ہی رہی ہوگی۔ ''مس اگروال مسٹر طاہر ہمارا خاص مہمان ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا۔'' اس نے چائے پیتے ہوئے کامنی کی طرف دیکھ کر ''خاص'' لفظ کو قدرے چباتے ہوئے اور آنکھ مار کر اپنی بات مکمل کی تھی۔

''اوہ۔ یس سر! میں نے مسٹر طاہر کو کل رات ہی بتا دیا تھا' میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اور...... اب تو آپ کا حکم بھی ہے ناں سر۔''

طاہر خوامخواہ مسکرا دیا۔ ناشتے کے دوران اس نے طاہر سے فری ہونے کی ہر ممکن کوشش کر لی تھی تاکہ کرنل بھاٹیہ کو یقین دلا سکے کہ اس نے کرنل کے احکامات کی تعمیل ابھی سے شروع کر دی ہے۔

''آل رائیٹ۔ تمہارا کورس آج سٹارٹ ہونے والا ہے۔ وش یو گڈ لک۔''

''کرنل بھاٹیہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ انہیں اب چلے جانا چاہیے۔''

''تھینک یو سر۔ تھینک یو فار یور کمپلیمنٹ۔''

طاہر نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔

اور......

باہر نکل گیا۔

کامنی اس کے تعاقب میں باہر آ گئی تھی۔ وہ طاہر سے خاصی متاثر دکھائی دے رہی

تھی۔ ''کمال کا مارشل آرٹس جانتے ہیں آپ۔ آپ نے......''

''میں نے اپنے ملک میں ایک جاپانی انسٹرکٹر سے سیکھا ہے۔ یہ میرا شوق تھا جو بعد میں ضرورت بن گیا۔ یہ احساس ہونے پر کہ اب مجھے اپنے سروائیول کے لئے ایک لمبی جنگ لڑنی ہے' میں نے اس میں مہارت حاصل کی' لیکن کمال حاصل نہیں کیا۔ بس میں اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔''

اس نے کامنی کی بات کاٹ کر کہا۔

''اوہ وونڈرفل۔''

کامنی نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ دونوں اپنے کمرے کے نزدیک پہنچ گئے تھے' جہاں مشتاق اور سلیم اسی کے منتظر تھے۔ دونوں کے لیے یہاں کے معمول کے مطابق ناشتہ ان کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ ان کے کمروں کا انچارج پہلے ایک مؤدب بیرے کے ساتھ آ کر ان کی مرضی معلوم کر کے گیا تھا اور اگلے چند منٹ میں ان کی توقعات سے بڑھ کر شاندار اور بڑے ڈھنگ سے بنایا گیا ناشتہ ان کے لیے پہنچ چکا تھا۔ ابھی وہ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے جب کامنی اور طاہر آ گئے۔

سلیم نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اسے اب تک یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں بھاٹیہ کو طاہر پر شک نہ ہو گیا ہو کیونکہ طاہر کو اپنے کمرے میں لے جانا اس کے نزدیک کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ اب اسے سمجھ آنے لگی تھی کہ طاہر اس کی توقعات سے زیادہ ہی کوئی پہنچی ہوئی ہستی تھی۔ اس نے نہ صرف کرنل بھاٹیہ کو مطمئن کیا تھا بلکہ کامنی کو بھی شیشے میں اتار لیا تھا۔ کامنی اس کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی تھی۔

دونوں نے کھڑے ہو کر اسے احترام دیا تھا۔

''بیٹھیں...... بیٹھیں۔ یہاں ہم برابر ہیں۔ بس ذرا ڈسپلن کا معاملہ ہے ناں۔ میں ایسے تکلفات کی قائل نہیں ہوں۔''

اس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ دونوں سحرزدہ سے بیٹھ گئے کیونکہ ان کی نظریں کامنی اگروال کے یہاں داخل ہونے کے بعد سے مسلسل اس کا طواف کر رہی تھیں۔ ٹریک سوٹ نے اس کے سارے جسمانی اسرار نمایاں کر دیئے تھے اور نہ چاہنے کے باوجود

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

سلیم اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔ مشتاق کی بات البتہ اور تھی......

وہ اپنا ضمیر اور ایمان رہن رکھ کر اس دیش میں یہی کچھ لینے تو آیا تھا۔ ان کے معاملات مختلف تھے۔ ''آدھے گھنٹے بعد آپ دوبارہ پریڈ گراؤنڈ پہنچیں گے جہاں سے آپ کا انسٹرکٹر آپ کو اپنے ساتھ اگلی تربیت کے لیے لے جائے گا۔'' کامنی نے ان کو بتایا۔ ''آل رائیٹ میڈم۔'' طاہر نے جواب دیا۔ ''میں اب چلتی ہوں۔ آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔'' کامنی نے طاہر کی طرف دیکھ کر عجیب سا اشارہ کیا جسے وہ دونوں نوٹ نہیں کر سکے اور وہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''واہ استاد۔ بڑا معرکہ مارا ہے۔''

اس کے باہر جاتے ہی سلیم نے کہا۔

''ارے ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

طاہر نے انکساری سے کہا۔

''بات تو ہے۔ یہ معمولی چھوکری نہیں۔ کسی قسمت والے کو ہی لفٹ کرواتی ہے۔ میں تو سالی کو ایک رات حاصل کرنے کے لیے سارے ملک کو آگ لگا دوں۔''

مشتاق نے کہا۔

اور..........

طاہر کا خون کھول اٹھا۔ اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت کو اگلے ہی لمحے سلیم نے نوٹ کر لیا۔ وہ 'کچھ گڑبڑ ہو گیا' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مشتاق جو کامنی کے جانے کے بعد سے مسلسل اپنے ملک کے خلاف لاف گزاف بک رہا ہے وہ ضرور کوئی چال ہے۔ بسا اوقات ان لوگوں پر ''چیک'' لگا دیا جاتا تھا اور عین ممکن تھا کہ مشتاق کو ان پر نظر رکھنے کے لیے ہی ان کے درمیان چھوڑا گیا ہو۔

اس نے جان بوجھ کر بہانے سے اپنی پشت اس طرح مشتاق کی طرف کی تھی کہ وہ طاہر اور اس کے درمیان حائل ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے طاہر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں وارننگ دے کر نارمل رہنے کی تلقین کی۔ شاید طاہر نے بھی فوراً ہی غلطی کا احساس کر لیا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو چکا تھا۔

اب وہ سلیم کی توقعات کے برعکس بڑی گرم جوشی سے مشتاق کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں مشتاق کو مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی اور دونوں کو امید تھی

کہ وہ کامیاب رہے ہیں۔ ''اچھا یار اب باتھ روم ہو آؤ۔ وقت کم ہے۔ سنا ہے وقت کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔'' سلیم نے طاہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اوہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ یار زندگی میں کبھی اس سالے وقت کو ہم نے اہمیت نہیں دی۔''

اس نے غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ مشتاق دوسرے باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے یہاں سے ہٹتے ہی طاہر نے لمبا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ اور..........

اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ مصیبت ان کے گلے کا ہار یونہی نہیں بن گئی۔ مشتاق واقعی ان کا پرانا نمک خوار لگتا تھا اور شاید اس کا استعمال ہی یہی تھا کہ اسے ''ہٹواری کیمپ'' میں آنے والے نئے بیروں کے درمیان چھوڑ کر ان کی مکمل چیکنگ کی جائے۔

بھارتی کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ خصوصاً اس کیمپ میں جہاں دہشت گردی کی تعلیم بڑے اعلیٰ اور جدید ترین پیمانے پر دی جاتی تھی۔ آدھا گھنٹہ گزرتے ہی ان کے کمرے کے ایک کونے میں لگی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ فوراً پریڈ گراؤنڈ میں پہنچیں۔ پریڈ گراؤنڈ میں تینوں اکٹھے ہی پہنچے تھے۔ کیپٹن پوسوال ان کا منتظر تھا' جس کے ساتھ کامنی اگروال بھی کھڑی تھی۔ یہ کیپٹن پوسوال وہی انسٹرکٹر تھا جس نے صبح طاہر کے ہاتھوں سبکی اٹھائی تھی۔

طاہر کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا ابھی اس کے جسم میں ڈیٹونیٹر فٹ کرے اور اسے دھماکے سے اڑا کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرے' لیکن......وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں کا ڈسپلن ہی ایسا تھا۔ خصوصاً ایس ایس بی کے اس کیمپ میں آنے والے دہشت گرد بھارتی ایجنٹوں کے نزدیک وی آئی پی دہشت گردوں کا درجہ رکھتے تھے۔

○ ○ ○

پوسوال کا شمار اپنی بٹالین کے بدمعاش اور کرپٹ افسروں میں ہوتا تھا لیکن وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک بھی تھا۔ اس نے ''روسی سپیٹناز'' کے ساتھ تربیت حاصل کی تھی اور ان کا شمار بھارتی فوج کے جانے مانے کمانڈوز میں ہوتا تھا۔ اس نے روسی کمانڈوز کے ساتھ دنیا کے بدترین دہشت گردوں کی تربیت حاصل کی تھی اور اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اپنی حس درندگی کو تسکین

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

دینے کے لیے جانوروں کا خون پی جاتا تھا۔

اس کی ان خصوصیات کی وجہ سے اسے اس کیمپ میں بھیجا گیا تھا۔ وہ یہاں آنے والے گمراہ نوجوانوں کو آستین کے سانپ بنا کر ان کے گھروں کو واپس بھیجتا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس ایجنٹوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ "ہنواری کیمپ" میں کیپٹن پوسوال کے ساتھ پندرہ روزہ کورس کرنے کے بعد کسی بھی ایجنٹ میں انسانیت یا مذہب نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

جانوروں کی طرح انسانوں کی چیر پھاڑ اس کا شوق تھا۔ اس پر تین مرتبہ گینگ ریپ ثابت ہو چکا تھا' لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس کے خلاف کورٹ مارشل نہیں لگایا گیا تھا۔ وہ بلا کا شراب نوش اور عورتوں کے حوالے سے خاصا بدنام تھا۔ لیکن...... عجیب بات تھی کہ ان حرکات پر کبھی سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا گیا تھا۔

اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کا علم اور کسی کو ہو نہ ہو' خود کیپٹن پوسوال کو ضرور تھا۔ اسے آرمی کے اصولوں کے خلاف ورزی کرتے ہوئے متعدد مرتبہ ہمسایہ ممالک میں قتل و غارت گری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ہمسایہ ممالک کی متعدد شخصیات کو اپنے آقاؤں کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ بریگیڈیئر ملہوترہ کے اس سے متعلق سٹینڈنگ آرڈر موجود تھے کہ اس کی تمام غیر اخلاقی حرکتوں کو آخر تک برداشت کیا جائے۔ کامنی اگروال اور پوسوال کی دوستی چند روز پہلے ہی قائم ہوئی تھی جب دونوں کی ڈیوٹی اتفاق سے نئے بیچ کو تربیت دینے پر لگی تھی۔ ملاقات کے پانچویں روز ہی اس نے کامنی کی طرف معمول کا ہاتھ بڑھایا۔ جسے بری طرح جھٹک دیا گیا۔ یہ اس کے لیے شدید دھچکا تھا۔ یہاں ایسا ناممکن تھا۔ کہ کوئی انسٹرکٹر لڑکی اسے انکار کرے۔

وہ تلملا کر رہ گیا۔

کامنی جانتی تھی کہ جلد یا بدیر اسے پوسوال کی ہوس کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی ہوں گے۔ یوں بھی اس کی ڈیوٹی اور کیا تھی؟ "را" نے اسے اپنی اداؤں سے ایجنٹوں کا دل لبھانے اور وقت آنے پر انہیں اپنی جسمانی ہوس کے جال میں پھانسنے ہی کے لیے تو یہاں بھیجا تھا۔

اسے یہی تربیت تو دی گئی تھی۔ پوسوال اس کا ہم مذہب تھا جب کہ اس جیسوں کو تو بطور چارہ کسی بھی رنگ و نسل کے آدمی کے سامنے پھینک دیا جاتا تھا۔ اس کی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسی فن میں کمال حاصل کرے۔ جتنا وہ خود کو بہتر ثابت کرتی' اتنا ہی اپنے افسران اعلیٰ کے نزدیک وہ مقبول ٹھہرتی۔ ایسا اس کے ساتھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے خود پر شک ہونے لگتا تھا کہیں اس کی کایا تو نہیں پلٹ رہی۔

اسے تو اب ان کے نام اور شکلیں بھی یاد نہیں رہی تھیں جن لوگوں کے ساتھ اس نے گزشتہ پانچ برسوں میں تعلقات پیدا کیے تھے۔ لیکن...... نجانے کیوں اسے پوسوال پسند نہیں آیا۔ پوسوال کے جارحانہ انداز نے اس کے اندر اپنے کام کے خلاف پہلی مرتبہ بغاوت پیدا کی۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے آپ پر' اپنے پیشے پر غصہ آیا۔ اس سے تو بہتر تھا وہ کوئی ویشیا ہوتی۔ وہ جانتی تھی کہ اب تک اس کے نوکری کا جواز اس کے بے پناہ ذہانت اور خدمات تھیں جو وہ ایجنسی کے لئے انجام دے رہی تھی۔ وہ اکثر اپنے ساتھیوں کے متعلق سوچتی کہ کسی بازار میں جسم فروشی کرتے ہوئے وہ اپنی موجودہ تنخواہ سے کہیں زیادہ پیسے کما سکتی تھیں۔ کام تو ذرا سے فرق کے ساتھ یہاں بھی وہی تھا۔ ان میں اور پیشہ ور رنڈی میں فرق ہی کیا تھا؟ صرف یہی کہ وہ سرکاری مراعات یافتہ رنڈیاں تھیں جنہیں ہر مرتبہ اپنا جسم پیش کرنے پر ایک نئے اعزاز کے ساتھ نوازا جاتا تھا...... یہ ملکی خدمت کا کون سا انداز تھا؟ یہ کیسی نوکری تھی جو اس سے لی جا رہی تھی؟ کون سی دیش سیوا تھی جو وہ کرنے جا رہی تھی؟ اس نے اب تک متعدد مرتبہ سوچا اور کڑھنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکی اور کچھ کرنا اس کے اختیار میں تھا بھی نہیں۔

پہلے ہی روز جب طاہر نئے بیچ کے ساتھ یہاں تو اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ طاہر سے متعلق اس کے دل میں شک نے تب ہی جگہ پکڑ لی تھی جب اس نے کامنی اگروال سے پہلی ملاقات پر اس کے سراپے کا مکمل جائزہ لینے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ ایسا ناممکن تھا۔ جو شخص اپنے وطن کا غدار ہو' جس نے اپنا ضمیر گروی رکھ دیا ہو وہ بھی با کردار نہیں ہو سکتا۔

وہاں تو وہ لوگ آتے تھے جن کا بس نہیں چلتا تھا کہ نظروں ہی نظروں میں اسے کھا جائیں۔ اسے بطور خاص یہ تربیت دی گئی تھی کہ بھڑکیلے اور چست لباس کے ساتھ ان کے درمیان گھوما کرے۔ وقت آنے پر اسے باری باری ان کو خوش کر کے اپنا مطیع بنانا ہوتا تھا تاکہ جنسی ہوس کے جال میں پھنس کر وہ پھر کبھی اس کے چنگل سے نکل ہی نہ پائیں۔ اسے اپنے زیر کمان گروپ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ہر تخریب کار کے متعلق روزانہ رپورٹ فائل کرنا ہوتی تھی۔

اس کو معمولی سی نفسیاتی تبدیلی سے متعلق بھی اپنے ماسٹرز کو آگاہی دینی ہوتی تھی۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ طاہر کو اپنی رپورٹ میں مشکوک یا "غیر معمولی" لکھتی لیکن ...... اس نے "نارمل" ہی لکھا۔ کیوں؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کیوں کا جواب اسے ابھی تک نہیں مل سکا تھا۔

پہلے ہی روز جب دوران تربیت طاہر نے کیپٹن پوسوال کی درگت بنائی تو کسی نادیدہ طاقت نے کامنی اگروال کے کانوں میں چیختے ہوئے کہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یہ نوجوان اپنے آپ کو جو کچھ ظاہر کرتا ہے، وہ ہے نہیں۔ اس نے جان بوجھ کر یہاں "اینگری مین" کا روپ دھارا ہوا تھا جب کہ وہ کچھ اور تھا۔ وہ ضرور یہاں کسی اور مشن پر آیا تھا۔ کیا کامنی اگروال اپنے شک کا اظہار کرنل بھاٹیہ کے سامنے کر دے؟ لیکن......

اس بات کا بھی کیا ثبوت تھا کہ کرنل بھاٹیہ اس کی بات، پر یقین کرے گا۔ اس روز وہ کتنا متاثر دکھائی دے رہا تھا طاہر سے! کامنی اگروال نے آج تک کوئی ایسا ایجنٹ نہیں دیکھا جو کرنل بھاٹیہ کے ساتھ پہلے ہی روز ناشتہ کرنے کا اعزاز حاصل کر پایا ہو۔ یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

اس نے فی الوقت خاموشی اختیار کر کے انتظار کرنے کو ہی غنیمت جانا تھا۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق غلط اندازہ قائم کر رہی ہو اور اس طرح کوئی نئی مصیبت گلے پڑ جائے۔ کامنی نے اس کے زیادہ نزدیک رہ کر اس کی حرکات و سکنات کو قریب سے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

پوسوال نے انہیں کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ اس گروپ میں سات نوجوان تھے جن میں سے کسی کا تعلق بھی ان کے ملک سے نہیں تھا۔

"ہنواری کیمپ" تک پہنچنے والے تخریب کاروں کے متعلق یہ رائے پہلے ہی قائم کر لی جاتی تھی کہ ان میں سے ہر تخریب کار نے اس سے پہلے ضرور بھارتی انٹیلی جنس کے کسی کیمپ میں دہشت گردی کی ابتدائی تربیت حاصل کر رکھی ہو گی۔ انہیں یہاں دراصل ایڈوانس کورس کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

○ ○ ○

سب ایک قطار میں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر اپنے ہاتھ پیچھے باندھے کھڑے تھے۔ پوسوال ایک ایک کے پاس جا کر اس کے سامنے چند سیکنڈ ٹھہر کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا اور پھر مطمئن ہو کر سر ہلاتا آگے بڑھ جاتا۔ طاہر کے سامنے اس نے کچھ زیادہ ہی وقت گزارا تھا۔

"ویل ڈن" اس نے طاہر کے بازوؤں کی مچھلیوں کو تھپتھپاتے ہوئے زہریلی مسکراہٹ سے کہا۔ پوسوال سے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑی کامنی اگروال نے بطور خاص پوسوال کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ جانتی تھی کہ پوسوال کیسا کینہ پرور اور درندہ صفت ہے۔ اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ اس نے طاہر کو معاف کر دیا ہو اور اس حرکت کے بعد تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ طاہر کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اس کیمپ میں پوسوال کے ہاتھوں دوران تربیت کسی ایجنٹ کا مارے جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جس کا کوئی نوٹس لیتا۔ نوجوانوں کو اس نے ڈیرہ دون کے پہاڑی علاقوں میں گھنے اور خطرناک جنگلوں میں تربیت دینی تھی اور ایسے خطرناک راستوں کی بھول بھلیوں میں کسی بھی ایجنٹ کی موت کے لیے کوئی بھی بہانہ تراشا جا سکتا تھا۔

کامنی اگروال ایسے واقعات کی عینی شاہد تھی جب سری لنکا کے ایک تامل نوجوان تخریب کار کی کسی بات سے ناراض ہو کر پوسوال نے اس کے ہاتھوں میں ایسا بم تھما دیا جو وقت سے دو منٹ پہلے ہی اس کے ہاتھوں میں پھٹا اور اس کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ اس پر ایک

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

معمولی سی رپورٹ فائل کی گئی کہ نوجوان نے غلطی سے ٹائمنگ صحیح نہیں رکھی تھی۔

وہ انسانوں کو مارنے کے درجنوں معصومانہ طریقے جانتا تھا۔ اپنے زیر تربیت جوانوں کو وہ بھی تو بتایا کرتا تھا کہ وہ اپنے ٹارگٹ کو کس طرح لاعلم رکھ کر آسانی سے کوئی خطرہ مول لیے بغیر موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ وہ زہر خورانی کا ماہر تھا۔ روسیوں نے اسے زہر کا علم سکھایا تھا وہ انسانی جسم میں زہر منتقل کرنے کے ایسے ایسے طریقے جانتا تھا جن کا عام حالت میں شاید کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کامنی سہم کر رہ گئی۔ وہ نجانے کیوں نہیں چاہتی تھی کہ طاہر اس طرح بے موت مارا جائے۔ کامنی اگروال کی معاونت سے پوسوال نے انہیں ابتدائی سبق دیا اور ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کلاس کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

کامنی کو اس وقت اپنی تربیت کے مطابق ان نوجوانوں کے ساتھ ان کے کمروں تک جانا تھا اور بڑے نامحسوس انداز میں اس صورت حال سے متعلق ان کے خیالات جاننے کے بعد اپنی آج کی رپورٹ لکھنی تھی' لیکن .... حیرت انگیز طور پر اچانک ہی پوسوال اسے اپنی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ ''کم آن ڈارلنگ۔'' اس نے بڑی بے تکلفی سے کامنی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

کامنی کے لیے یہ کوئی غیر معیوب حرکت نہ تھی' لیکن پوسوال نے بڑے غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر..... ان نوجوانوں کے سامنے پہلی مرتبہ اسے اپنی ذلت کا احساس ہوا۔

''مسٹر پوسوال پلیز' ابھی نہیں۔ مجھے اپنی ''آبزرویشن رپورٹ'' دینی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔'' اس نے کسمسا کر پوسوال سے الگ ہوتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا کیونکہ ابھی ان کے اور نوجوانوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں بڑھا تھا۔

''وٹ ....؟'' پوسوال نے اچانک اسے جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا اور اس کو بے بس کر دینے کی حد تک قابو کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ کامنی کو اس کی آنکھوں میں خون اترتا دکھائی دے رہا تھا۔

''مسٹر پوسوال' پرا مجھے.......''

اس نے دوبارہ گھبرا کر اپنی بات دہرانی چاہی۔

''میں جانتا ہوں۔ تجھے کیا کرنا ہے۔ اپنے یار سے ملنا ہوگا۔ سالی! ہمارے ہوتے ہوئے ان مسلوں سے۔''

اس نے جانے کس کس کو گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ کامنی کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ وہ جانتی تھی کہ پوسوال کی بدباطنی نے طاہر کو خیالی دشمن بنا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا ہے کیونکہ اس نے کامنی اگروال کا رویہ اس کے تئیں کچھ بہتر دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی اور اب دنیا کی کوئی طاقت اس کی رائے نہیں بدل سکتی تھی۔

''آل رائیٹ۔ مجھے اپنی ڈیوٹی کرنی ہے۔''

کامنی نے ڈرتے ڈرتے اور خوف کی ملی جلی کیفیات کے تحت خود کو اس سے الگ کرنا چاہا۔ عین ان لمحات میں جب ان کے درمیان کشمکش جاری تھی' پوسوال کی جہاندیدہ اور مکار نگاہوں نے کرنل بھاٹیہ کو کمرے سے برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ان حالات میں اس نے کامنی اگروال کو چھوڑ دینا ہی مناسب جانا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کرنل بھاٹیہ کامنی اگروال کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے اور اس کا شمار بریگیڈیئر ملہوترہ کے مخالف گروپ میں ہوتا ہے۔ پوسوال بریگیڈیئر ملہوترہ کا خاص آدمی سمجھا جاتا تھا۔

○ ○ ○

اس نے خون کے گھونٹ پی کر کامنی کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا' لیکن ...... اس طرح ہاتھ آئے شکار کا اس کے پنجے سے نکل جانا اس کی آتش انتقام کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کے اندر موجود درندہ بیدار ہو چکا تھا۔ جانوروں کا خون پینے والا کیپٹن پوسوال اس وقت ڈریکولا بن چکا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ کامنی اگروال کے خون سے اپنی ہوس کی پیاس بجھائے۔ اس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں تھا۔ اسے تو ایسے شکار کا زیادہ مزا آتا تھا۔

''ڈونٹ وری بے بی۔ (بے بی فکر نہ کرو۔)'' اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

اور..........

تیزی سے مڑ کر اپنے آفس کی طرف چل دیا۔

خوف اور غصے سے بھی کامنی اگروال نوجوانوں کے تعاقب میں چل دی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

زندگی میں طویل عرصے کے بعد اس کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔ آج تک ایسا ہوا نہیں تھا۔ شاید بچپن یا دوران تعلیم وہ کبھی ایسی جذباتی کیفیت کی شکار رہی ہو۔ آج اسے پہلی بار شدت سے اپنی بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ اسے یاد آ گیا جب وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے اپنے والدین کو "را" میں اپنی سلیکشن کی خبر دے رہی تھی تو پولیس انسپکٹر سورج اگروال کچھ بے چین سا دکھائی دینے لگا تھا۔

سورج اگروال اس کا باپ تھا' لیکن...... دونوں کے درمیان باپ بیٹی سے زیادہ دوستی کا رشتہ تھا۔ جب اس نے اپنے باپ کو پہلی مرتبہ بتایا کہ وہ "را" کے لیے درخواست دینے جا رہی ہے تو سورج اگروال نے اس کے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ "پتا جی! آپ تو خود پولیس افسر ہیں پھر بھی......" اس نے حیرانی سے دریافت کیا تھا۔

"بیٹی میں پولیس افسر ہوں اسی لیے تمہارے اس فیصلے سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ تم پولیس میں کیوں اپلائی نہیں کرتی؟" انہوں نے قدرے تشویش سے کہا۔

"پتا جی! آپ جانتے ہیں مجھے ایڈونچرس لائف گزارنے کا شوق ہے۔ میں ایک انٹیلی جنس آفیسر بن کر زیادہ خوشی محسوس کروں گی۔" اس نے اپنے باپ کو بظاہر یہ بات کہہ کر مطمئن تو کر دیا تھا لیکن...... سورج اگروال کبھی مطمئن نہیں ہوا۔

اس نے بادل نخواستہ ہی اپنی بیٹی کے فیصلے پر صاد کیا تھا۔

نوکری پر جانے کے پہلے ہی روز اس سے رازداری کا جو حلف لیا گیا تھا' اس نے قانونی طور پر کامنی کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس مسئلے پر زیادہ بات نہ کرے۔ اس کے باپ کو بھی اس بات کا علم تھا۔ جب کبھی اس کی کامنی سے ملاقات ہوتی' ایک فقرہ معمول کے مطابق ضرور کہا کرتا:

"کیسی جا رہی ہے تمہاری سیکرٹ سروس؟"

"ایک دم شاندار پتا جی۔" کامنی کی طرف سے رٹا رٹایا جواب ملتا۔ کامنی اگروال نے ایک دو مرتبہ سوچا کہ اگر وہ اپنے گھر والوں کو یہ بتائے کہ وہ انٹیلی جنس آفیسر کی حیثیت سے سوائے ایک دیشیا کے اور کوئی کام نہیں کر رہی تو شاید شرم سے اس کے وضع دار والدین مر ہی نہ جائیں۔

اس نے کبھی انہیں اپنے کام کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ البتہ مختلف شہروں میں

اپنے تبادلے کی خبر ضرور دے دیا کرتی تھی' لیکن.......... وہ بھی افسران کی اجازت سے۔

آج اسے زندگی میں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس نے باپ کی بات نہ مان کر سخت غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی جس کا خمیازہ اب اسے مرتے دم تک بھگتنا ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ "را" میں آنے والوں کے لیے واپسی کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔

اور.......... وہ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی "را" کی نظروں میں رہتے ہیں۔

طاہر کے کمرے کے دروازے پر پہنچنے تک وہ قدرے نارمل ہو چکی تھی۔

لیکن.......... نجانے کیوں طاہر کو وہ نارمل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ کامنی کے لیے اپنے دل میں کچھ ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے تخریب کاروں کے برعکس اس نے کن انکھیوں سے پوسوال کی بدتمیزی کا جائزہ لیا تھا اور اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ سب کچھ اس کا کیا دھرا ہے۔

○ ○ ○

یہاں کی روایات کے مطابق یہاں کوئی بھی زیر تربیت تخریب کار کسی بھی واقعۂ حادثہ کارروائی پر نہ تو تبصرہ کر سکتا تھا' نہ ہی تجسس ظاہر کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی بھی طرح اس میں دخل اندازی کر سکتا تھا۔ تخریب کاروں کی وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اچانک ہی ان کی صفوں میں سے کسی ایک تخریب کار کو انسٹرکٹرز باہر نکالتا اور ان سب کے سامنے وحشیانہ انداز میں بغیر کوئی وجہ بتائے تشدد شروع کر دیتا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ اس تشدد کی تاب نہ لا کر تختۂ مشق بننے والے کی موت واقع ہو جاتی۔

لیکن..........

کیا مجال جو اس کے کسی ساتھی کے کان پر جوں بھی رینگتی۔ وہاں موجود انسٹرکٹرز حیلوں بہانوں سے ان کی جذباتی' جسمانی اور نفسیاتی حرکات کا جائزہ لیتے رہتے۔ کسی بھی ایجنٹ کو اگر ابنارمل پاتے تو اس کو ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا جاتا جو اس کا طویل انٹرویو لینے کے بعد اس کی قسمت کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔

اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح طاہر کے ذہن پر لپکا۔ کیوں نہ کامنی سے اظہار ہمدردی کر کے وہ اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرے' کیونکہ اپنے منصوبے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

کے اگلے حصے میں انہیں کامنی اگروال کی ہمدردی بہت کام دے سکتی تھی۔

کامنی جواب بظاہر بالکل نارمل تھی‘ ان سے ضرورت سے زیادہ مسکراتے ہوئے شاید اس لیے باتیں کررہی تھی کہ کسی کو اس پر شک نہ گزرے‘ لیکن .... اس کے دلی جذبات کو طاہر اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ”آج شام کے بعد آپ کی ”ریکی“ کلاس ہوگی۔ تم تینوں میرے ساتھ ”ریکی“ کروگے۔“ اس نے طاہر اور اس کے دونوں ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”او۔کے میڈم۔“ طاہر کی بجائے سلیم نے جواب دیا جو شاید طاہر کے منصوبے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ مشتاق جو بظاہر صورت حال سے لاتعلق نظر آرہا تھا۔

”شام تک آپ لوگ ریلیکس (آرام) کریں۔“

یہ کہہ کر کامنی نے کمرے میں رکھے ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول تھام لیا اور تین چار اسٹیشن بدلنے کے بعد ایک ایسا اسٹیشن لگا دیا جہاں ان کے تن بدن میں آگ لگانے والی فلم چل رہی تھی۔

”انجوائے یور سیلف۔“

اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر کہا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

باہر نکلتے ہی وہ دوبارہ اسی کیفیت کا شکار دکھائی دینے لگی‘ جس سے کچھ دیر پہلے تک گزر رہی تھی۔ پوسوال اپنی تمام حرام کاریوں سمیت اس کے دل و دماغ میں جیسے کسی بدروح کی طرح سما چکا تھا۔

باربار اس کا تصور ذہن سے جھٹکنے کے باوجود پوسوال کے آسیب سے نجات حاصل نہ کرسکی تھی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح وہ اپنے کمرے تک پہنچی اور اسے اندر سے تالا لگا کر بستر پر ڈھیر ہوگئی۔ لنچ اس نے کمرے ہی میں منگوایا تھا اور تھوڑا بہت زہر مار کرکے بستر پر لیٹ گئی۔

کروٹیں بدلتے اسے تھوڑی سی اونگھ آگئی۔ کامنی کی آنکھ فون کی گھنٹی بجنے کی آواز پر کھلی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر فون اٹھایا۔

”گیٹ اپ لیڈی۔“ دوسری طرف کرنل بھاٹیہ موجود تھا۔

”اوہ سوری۔ سر۔“

اس نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ یہ تو چائے کا وقفہ تھا۔ اسے ان لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینی تھی۔

”ایکسکیوزمی سر۔ ابھی جاتی ہوں۔“ اس نے فون پر کہا اور فون رکھ کر باتھ روم کا رخ کیا۔

بمشکل پانچ منٹ بعد وہ طاہر کے کمرے کے سامنے موجود تھی‘ جس کے باہر ایک ویٹر ٹرالی میں چائے کے برتن لگائے کھڑا تھا۔ کم آن“ اس نے کمرے کے دروازے پر لگا بیل بٹن دبا کر اندر والوں کو خبردار کیا اور ویٹر سمیت کمرے میں داخل ہوگئی۔

”ویل کم میڈم۔“ طاہر نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دانت نکال دیئے۔

”کیسے ہو بھئی آپ لوگ...... تھک تو نہیں گئے؟ ابھی ”ریکی“ پر جانا ہے۔ یہ پندرہ کلومیٹر پہاڑی راستہ ہے۔ اچھی طرح اپنے معدے بھر لینا۔“

اس نے ویٹر کو اشارہ کیا جس نے چائے اور سنیکس کمرے کے ایک کونے میں دھرے میز پر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں چائے پی رہے تھے۔ اس دوران یہاں کے معمول کے مطابق کامنی اگروال نے ان سے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کردیئے تھے۔

وہ بڑے نامحسوس انداز میں ان کی اندرونی کیفیات نوٹ کررہی تھی۔ اس وقت وہ مکمل پروفیشنل تھی۔

چائے سے فراغت کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”او۔کے گائیز۔ دس منٹ بعد ہم چل رہے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

اس کی دوسری ساتھی ریکھا ساتھ والے کمرے کے نوجوانوں کے ساتھ مصروف تھی۔ وہ بھی باہر آگئی اور دونوں برآمدے کے ایک کونے میں کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ دونوں کا تعلق چونکہ ایک ہی ایجنسی سے تھا اور اکثر و بیشتر انہیں اکٹھے ہی فرائض انجام دینے پڑتے تھے اس لیے ان میں گاڑھی چھنتی تھی۔

ریکھا نے آج پہلی مرتبہ اپنی سہیلی اور عزیز از جان دوست کامنی کو پریشان دیکھا تھا‘ لیکن کیا مجال جو اس نے ریکھا کے کسی بھی ایسے سوال کو جواب دیا جو بعد میں اس کے لیے پشیمانی کا

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

باعث بنے۔

ریکھا سمجھتی تھی کہ کامنی کبھی اسے حقیقت حال سے باخبر نہیں کرے گی۔ یہ ان کی تربیت تھی۔ انہیں ایک دوسرے سے بھی اپنے دل کا حال چھپانا تھا۔ بصورت دیگر دونوں میں سے جو بھی پہلے دوسری کے خلاف رپورٹ فائل کرتی' وہ بچ جاتی اور دوسری کی کم بختی آ جاتی۔

بہر حال ریکھا کو یہ سمجھ تو آ گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ دس منٹ ہو گئے تھے اور اب وہ دوبارہ دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ طاہر مشتاق اور سلیم تیار تھے۔ تینوں اس کے تعاقب میں چلتے باہر آ گئے۔

گیٹ تک کا سفر انہوں نے پیدل طے کیا تھا اور گیٹ کے باہر پارکنگ ایریا میں موجود جیپوں میں سے ایک پر اب وہ سوار ہو رہے تھے۔ اس جیپ کو کامنی اگروال چلا رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کی طوفانی ڈرائیونگ کے بعد وہ مسوری کی طرف جانے والی ایک شاہراہ سے نیچے اتر رہے تھے۔ یہاں رک کر کامنی نے جیپ کے ڈیش بورڈ سے ایک نقشہ نکالا اور اسے باہر نکل کر جیپ کے بونٹ پر پھیلا دیا۔ اس نے تینوں کو اس نقشے کی مدد سے جنگل کے اندر موجود تنصیبات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انہیں یہ دس کلومیٹر کا فاصلہ اندر موجود "واچ ٹاورز" سے بچ کر طے کرنا ہے اور کس مقام پر اکٹھے ہونا ہے۔

دم رخصت اس نے تینوں کو ایک ایک واکی ٹاکی دیا تھا۔

"اس کی رینج دس کلومیٹر تک ہے' اور فریکوئنسی سیٹ ہے۔ لیکن اسے تم میں سے کوئی استعمال نہیں کرے گا۔ اسے صرف اس وقت استعمال کرنا ہے جب آپ میں سے کسی کو "مے ڈے" پیغام دینا ہو۔ اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ مل رہا ہو۔ یہ سرخ بٹن دبانے پر تمہاری ڈائریکشن مین سیٹ پر آ جائے گی۔ ناؤ گڈ لک۔ سٹارٹ۔" اس نے اچانک ہی مشتاق اور سلیم کو الگ الگ سمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

طاہر نے چاہا کہ تیسری سمت بڑھے لیکن...... اچانک زمین نے اس کے قدم تھام لیے۔ "تم ٹھہرو۔" اس نے آخر میں روانگی سے چند لمحے پہلے طاہر سے کہا اور وہ رک گیا۔ "یس میم۔" اس کے لیے تو گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن صرف آج۔ کیونکہ تم پہلی مرتبہ کسی کیمپ میں آئے ہو۔ وہ

دونوں تربیت یافتہ ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور اس نے طاہر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں تقریباً پانچ منٹ تک خاموشی سے چلتے رہے۔ نجانے کیوں شدید خواہش کے باوجود کامنی اسے ابھی تک کریدنے کے لیے کوئی ڈھنگ کے الفاظ نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی۔

"تم کمال کے کھلاڑی ہو مارشل آرٹس کے۔"

اس نے تمہید باندھنے کے لیے یہی فقرہ کہنا چاہا لیکن...... طاہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے آپ سے عرض کیا ناں کہ میں نے یہ سب کچھ لگن اور جذبہ انتقام سے سیکھا ہے۔"

"لیکن کیوں؟ تمہیں کس سے انتقام لینا ہے؟"

کامنی نے اچانک ہی رک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ لمحہ تھا طاہر کے لیے کہ اس کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر جانے کا۔ اسے اب اپنی بہترین اداکارانہ صلاحیتوں کا امتحان دینا تھا۔

"میڈم مجھے اپنی محرومیوں کا انتقام سارے زمانے سے لینا ہے۔"

اس نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کا یہ طریقہ کیا تمہارے نزدیک صحیح ہے؟"

اچانک ہی کامنی نے پوچھ لیا۔

"ہاں۔" طاہر نے اعتماد سے جواب دیا۔

کامنی اچانک ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ کسی الجھن کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔ اس لمحے طاہر نے اس پر نفسیاتی حملہ کر دیا۔

"میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو میری وجہ سے بہت زحمت ہوئی۔"

اس نے اچانک کامنی اگروال کے بہت نزدیک ہو کر یہ بات کہہ دی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

کامنی کچھ گھبرا سی گئی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"دیکھئے میڈم میں کوئی بہت اچھا انسان نہیں ہوں' لیکن شاید آپ کو یقین نہ آئے میں اشد ضرورت کے تحت بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور آپ کے سامنے تو بول ہی نہیں سکتا۔ میں نے آج تک زندگی کا ایک ہی روپ دیکھا تھا۔ نفرت کا روپ۔ یا تو سماج نے مجھ سے نفرت کی یا پھر میں نے سماج سے۔ میں نے نفرت کی کوکھ سے جنم لیا۔ اسی ماحول میں پلا بڑھا' جوان ہوا اور شاید اسی میں مر جاؤں۔ میری زندگی میں درجنوں عورتیں آئیں اور گئیں۔ میں نے انٹرنیشنل ڈرگ سمگلنگ کی ہے۔ بہت خوبصورت عورتوں سے میرا تعلق رہا ہے لیکن صرف جسمانی تعلقات کی حد تک۔ میڈم مجھے علم نہیں کہ اس بات کا نتیجہ کیا نکلے گا' ممکن ہے مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں لیکن مجھے آپ سے یہ بات کہنی ہے کہ پہلے ہی روز آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد سے میری اپنی کیفیت بدلنے لگی ہے۔ میں اپنے آپ میں بے بس سا ہو گیا ہوں۔ اگر آج میں آپ سے یہ بات نہ کہتا تو شاید اس گھٹن کے ہاتھوں مر جاتا۔ میڈم! آج جب انسٹرکٹر صاحب آپ کے ساتھ بدتمیزی کر رہے تھے تو میں نے خود پر بہت جبر کیا۔ بہت جبر کیا۔ میرا جی چاہتا تھا......"

اس کی آواز باقاعدہ بھرا گئی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"مم...... مجھے معاف کر دیں۔" اس نے بے بسی کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ کامنی کے سامنے بلند کر دیئے۔

تیر عین نشانے پر لگا تھا۔ گو کہ اس نے اندھیرے ہی میں چلایا تھا۔ کامنی پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ جیسے کسی نے جادو پڑھ کر اسے زمین میں گاڑ دیا ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے اسے اس نظر سے' اس انداز سے دیکھا تھا۔ طاہر نے جو کچھ بڑی سادگی سے کہہ دیا تھا' اس نے کامنی کے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔

"فار گاڈ سیک۔" اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں طاہر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر انہیں الگ کیا۔

"بھگوان کے لئے تم جو کوئی بھی ہو' دوبارہ یہ بات کبھی نہ کہنا۔ تم جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہو گا؟ تم جانتے ہو......؟" کامنی نے اسے قریباً جھنجھوڑ دیا۔

"ہاں مس کامنی اگروال۔ جانتا ہوں۔ تم ہی مجھے کوئی مار دو گی۔ لو مار ڈالو لیکن تم اپنے اوپر قتل کا الزام بھی کیوں لو۔ مجھے کہو میں ابھی اس چٹان سے نیچے کود جاتا ہوں۔ اگر میری کسی بات

سے آپ کو دکھ ہوا ہے تو پھر میں شاید خود بھی جی نہ پاؤں۔ میں نے کہا ناں۔ اس جذبے نے مجھے مار ڈالا ہے۔ وہ ہی راتوں میں' مجھے......"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پھر آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ کامنی اگروال کو یوں لگا جیسے کیوپڈ مہاراج نے تاک کر نشانہ لگاتے ہوئے محبت کا بھالا اس کے کلیجے میں اتار دیا ہو۔

"طاہر! بھگوان کے لئے نارمل ہو جاؤ۔ ہم پھر کبھی بات کریں گے' لیکن اگر تم میرے متعلق کوئی بھی ہمدردی رکھتے ہو تو یاد رکھنا' اگر کبھی اس بات کی بھنک بھی کسی کے کانوں میں پڑ گئی۔ اگر تمہاری کسی بھی حرکت سے بھی کوئی غیر معمولی پن دکھائی پڑا تو تمہارے ساتھ مجھے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

اس کی آواز واقعی بھرا گئی۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا مس کامنی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ایسا مت کہیں۔ مت سوچیں ایسا۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو خدا کی قسم میں سارے جہان کو آگ لگا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بظاہر بے اختیار ہو کر قدیم عاشقوں کے سے انداز میں گھٹنا زمین پر ٹکا کر کامنی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اوہ۔ طاہر بس کرو۔ میں مر جاؤں گی۔ او۔ کے۔ آؤ چلتے ہیں۔"

اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ الگ کرتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ طاہر کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اسے شاندار اور ناقابل یقین کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ دل ہی دل میں اپنی شاندار اداکاری پر اس نے خود ہی اپنے آپ کو داد دی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

دونوں نے ساتھ آٹھ منٹ تک یہ مشکل راستہ خاموشی سے اور بات کیے بغیر طے کیا۔ کامنی کو یوں لگ رہا تھا جیسے اب مرتے دم تک اس کے دل کی دھڑکنیں کبھی نارمل نہیں ہوں گی۔

یہ دشوار گزار راستہ تھا لیکن .... اس کا دیکھا بھالا۔ اس سے پہلے دو گروپ اس کے ہاتھوں تربیت مکمل کر کے جا چکے تھے۔ معمول کے مطابق وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہی تھی جب اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا اور اس سے پہلے کہ وہ سر کے بل نیچے سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں جا گرے' بجلی کی سی پھرتی سے آگے بڑھ کر طاہر نے اسے پکڑ لیا۔ کامنی اس کے بازوؤں میں جھول

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

گئی۔

○ ○ ○

اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے سینے کا پنجرہ توڑ کر سن کا پنچھی اڑ جائے گا۔ کامنی گڑبڑا کر رہ گئی۔

ابھی تک اس کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے' لیکن...... اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی اور اس نے سب سے پہلے "تھینک یو" کہہ کر آہستگی سے خود کو طاہر سے الگ کیا اور وہیں ایک پتھر پر بیٹھ کر اپنے سانس اور دھڑکنیں نارمل کرنے لگی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔" طاہر نے بے ساختہ پوچھا۔ اس اچانک حادثے کا اس نے بھی گہرا اثر قبول کیا تھا۔

"تم...... تم کیا ہو؟" کامنی اگروال نے اس کے سوال کا جواب الجھے ہوئے لہجے میں سوال ہی کی صورت میں دیا تھا۔

"اس پر پھر کبھی بات کریں گے۔ ابھی آپ چلیں۔ ہم اپنا راؤنڈ مکمل کر لیں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

کامنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بڑی الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے آخر کیا ہو گیا ہے۔ زندگی میں اس نے خود کو کبھی اتنا کمزور محسوس نہیں کیا تھا۔ اس لڑکے نے نجانے اس پر کون سا جادو پڑھ کر پھونک دیا تھا۔

دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ تربیت کے مطابق یہاں انہیں مختلف رکاوٹیں عبور کر کے اپنے "ٹارگٹ ایریا" میں پہنچنا اور پھر واپس آنا تھا اور یہ معمول کی پریکٹس تھی۔ اس درمیان بطور انسٹرکٹر کامنی نے ان کی غلطیاں نوٹ کر کے انہیں بچ نکلنے کی تراکیب بتانی تھیں۔

لیکن...... ابھی تک وہ خود غلطیاں کرتے چلی جا رہی تھی۔ طاہر نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں طاہر۔"

اس نے اچانک ہی ایک جگہ رک کر طاہر کی آنکھوں میں جھانکا' جہاں سوائے معصومیت کے اور کچھ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا' کیونکہ طاہر نے اس دوران اپنا چہرہ مستقل مانگنے والوں جیسا

بنا رکھا تھا۔

"پوچھیں۔ اس میں اجازت لینے والی کیا بات ہے۔"

طاہر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟"

اچانک ہی کامنی اگروال اس کی طرف گھوم گئی۔

"میں...... کاش کامنی جی مجھے علم ہوتا کہ میں کون ہوں۔ آپ یقین جانیں مجھے آج تک اپنے آپ سے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔"

اس نے سنبھل کر فلسفیانہ انداز اختیار کیا۔ حالانکہ کامنی کے اس سوال پر ایک بار تو اس کا دل بھی دھک سے رہ گیا تھا۔

"گویا تم بتانا نہیں چاہتے۔"

کامنی نے کھڑے کھڑے کہا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

طاہر نے جواب دیا۔

"طاہر کیا تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔"

کامنی نے براہ راست سوال کر کے اسے بظاہر بوکھلا دینا چاہا۔

"ہاں۔ میں ایمانداری سے کہہ رہا ہوں۔"

طاہر نے بڑا محتاط لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تم جانتے ہو...... میں کون ہوں اور تم کون ہو۔"

کامنی نے اب چلنا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں۔ مجھے علم ہے' لیکن اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ جس دیش سے آپ کی وفاداری ہے' میں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔ اسی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

طاہر نے اپنی دانست میں اسے مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"طاہر تمہیں یقین ہے کہ تم سچ بول رہے ہو۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

کامنی نے یہ بات اس کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی' لیکن طاہر کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

''کامنی جی۔ میں سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ۔ اس کا فیصلہ شاید ابھی نہ ہو سکے لیکن جلدی ہو جائے گا۔ مجھے آپ سے صرف یہ کہنا ہے کہ جان بوجھ کر مرنے کا شوق کسی کو نہیں ہوتا۔ کم از کم میں اتنی جلدی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے کئی قرض لوٹانے ہیں۔ مجھے علم ہے آپ اگر چاہیں تو مجھے ابھی گولی سے اڑا سکتی ہیں۔ آپ کو اس کا اختیار حاصل ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ میری بات مانیں تو میں شاید اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کر پاؤں گا۔ نہ مانیں تو بھی دونوں صورتوں میں میری موت ہے۔ لیکن میں نے کہا ناں کہ میں اس جذبے کے ہاتھوں بے بس ہو کر آپ کے سامنے اقرار کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اب میں اطمینان سے مر سکوں گا۔ اگر اس سے پہلے مر جاتا تو مرنے کے بعد بھی پچھتاوا لگا رہتا۔''

وہ چلتے چلتے اس طرح کامنی اگروال کے سامنے آ چکا تھا کہ وہ آگے نہیں جا سکتی تھی۔

''اوہ بھگوان۔''

کامنی نے بے ساختہ کہا اور طاہر کے روئیں روئیں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ کامنی کو ورغلانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

''آؤ چلیں۔''

کامنی نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ دونوں نے اپنی ''ریکی'' مکمل کرنے تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب وہ ''فنشنگ پوائنٹ'' کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔

''طاہر ایک درخواست کر رہی ہوں۔ اپنا اور میرا خیال رکھنا۔ اگر تمہاری غلطی سے تمہیں کچھ ہو گیا تو شاید میں خود کو زندگی بھر معاف نہ کر پاؤں۔''

اچانک ہی کامنی رک گئی تھی۔

''تم اب دوسری طرف سے چکر کاٹ کر پہنچو۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ ہم دونوں اکٹھے تھے۔ بہت احتیاط کرنا۔ یہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔''

اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے طاہر کو راستہ دکھایا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''تم جانتے ہو ایسے سوالوں کے جواب نہیں ہوا کرتے۔''

یہ کہہ کر کامنی اگروال اس کی اگلی بات سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

○ ○ ○

طاہر نے سکھ کا لمبا سانس لیا۔ ابھی تک وہ کامیاب جا رہا تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ اب کامنی اگروال بچ کر نہیں جا سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ مشرق کی ہر عورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے اور...... آج اسے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا تھا۔

اگلے پندرہ منٹ کے بعد جب وہ مقررہ ہدف پر پہنچا تو کامنی سلیم اور مشتاق کے ساتھ وہاں موجود تھی۔

''تم تین منٹ لیٹ ہو مسٹر۔'' اس نے جان بوجھ کر قدرے سخت لہجے میں طاہر سے کہا۔

''آئی ایم سوری میڈم۔''

طاہر نے بھی سعادت مند شاگردوں کی طرح جواب دیا۔

''سوری سے کام نہیں چلے گا۔ اس بزنس میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ ایک ایک لمحہ...... تم جانتے ہو ایک منٹ کی غفلت سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ عین ممکن ہے وہ بم جو تم کسی اور کے لیے لگا رہے ہو' تمہارے ہاتھ میں پھٹ جائے۔ عین ممکن ہے ٹائمنگ کی معمولی سی غلطی تمہارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔'' کامنی نے جان بوجھ کر قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''معافی چاہتا ہوں میڈم۔'' طاہر نے معذرت کی۔

''او۔ کے۔ آؤ چلیں۔ باقی باتیں کیمپ میں جا کر ہوں گی۔''

اس نے تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کیمپ پہنچنے تک طاہر جان بوجھ کر منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔ اسے مشتاق کے متعلق کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ سلیم نے اس کے رویے کا نوٹس لیا' لیکن طاہر نے اسے آنکھ کے مخصوص اشارے سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

شام ڈھل رہی تھی جب وہ اپنے کیمپ میں پہنچے۔ کامنی ان کے کمرے میں ہی آ گئی تھی جہاں اس نے تینوں کے لئے چائے طلب کی تھی اور اب باری باری ان سے ریکی سے متعلق سوالات کر رہی تھی۔

قریباً آدھ گھنٹہ ان کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ انہیں اگلے روز تک کے لیے الوداع کہہ کر چلی گئی۔

رات ڈھل رہی تھی۔

تینوں اپنے اپنے بستر میں آرام کی نیند سو رہے تھے جب اچانک طاہر کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ مشتاق اپنے بستر پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔ شاید وہ ان دونوں سے متعلق مطمئن ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ طاہر نے کروٹ لینا بھی مناسب نہ جانا اور اسی ایکشن میں لیٹا رہا۔

مشتاق اس اطمینان کے بعد کہ وہ دونوں گہری نیند سو چکے ہیں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ پنجوں کے بل بلی کی طرح بغیر آواز پیدا کئے چلتا ہوا دروازے کی طرف جا رہا تھا' پھر طاہر کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے آواز پیدا کئے بغیر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

طاہر نے ایک لمحہ توقف کے بغیر اپنے ساتھ ہی دوسرے پلنگ پر لیٹے ہوئے سلیم کو بیدار کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے منہ سے کوئی بات کہے۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش

رہنے کا اشارہ کرنے کے بعد اس کے کان کے نزدیک اپنا منہ لے جا کر سرگوشی کے انداز میں اس سے کہا کہ وہ مشتاق کے تعاقب میں باہر جا رہا ہے۔

سلیم یہ نہیں چاہتا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اور وہ جان گیا تھا کہ واقعی مشتاق کو ان کی جاسوسی کے لیے ان کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ عین ممکن ہے وہ کوئی خفیہ رپورٹ ہی ان سے متعلق دینے گیا ہو۔ سلیم کو اس بات کا اطمینان تھا کہ ابھی تک ان کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی ایسی غلطی سرزد نہیں ہوئی جس کو بنیاد بنا کر ان پر شک کا اظہار کیا جا سکے اور مشتاق کے پاس کہنے کے لیے اور کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن......

طاہر کی سوچ مختلف تھی۔ نجانے کیوں اسے اس بات کا شک ہو رہا تھا کہ اس نے جو رشتہ زبردستی اپنی انسٹرکٹر کامنی اگروال سے طے کر دیا ہے' وہ اس موذی کے علم میں آ چکا ہے یا پھر اسے کوئی شک پیدا ہو چکا ہے۔

اگر اس نے اپنا شک اپنے مالکان کی طرف منتقل کر دیا تو شاید کامنی اگروال سے وہ کام نہ لے پائیں جس کے لیے اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ سلیم اور طاہر دونوں نے یہاں آنے کے فوراً بعد ہی یہ رائے قائم کر لی تھی کہ انہیں اگر کوئی مقامی مدد میسر آ جائے تو کام آسان ہو سکتا ہے۔

کام تو انہیں بہرحال کرنا ہی تھا' خواہ اس کے لیے ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی کیونکہ ایک مرتبہ اپنے ملک و قوم کی بربادی کا سامان کرنے والوں کو دیکھنے کے بعد ان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں رہا تھا کہ انہیں چھوڑ دیں۔

انہیں ہنواری کیمپ تباہ کرنا تھا' خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔ اور...... نجانے مشتاق کیا گل کھلا دے۔

اس کے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے ہی طاہر نے اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا تھا اور اب وہ بھی اسی طرح پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

مشتاق کے کمرے سے نکلنے کے بمشکل دو منٹ بعد ہی اس نے دروازہ اس طرح بغیر آواز نکالے کھولا اور گردن باہر نکال دی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طاہر کو علم تھا کہ یہاں رہائشی بلاکوں میں رات کو پہرے دار نہیں ہوتے' البتہ مین گیٹ اور دیواروں کے ساتھ ضرور بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔ باہر کچھ فاصلے پر جلنے والے بلب کی ہلکی روشنی میں اس نے مشتاق کی آخری جھلک اس وقت دیکھی جب وہ بائیں ہاتھ ان کے ساتھ والے کمرے کے دوسری طرف گھوم رہا تھا۔ طاہر نے اپنی پشت پر کھڑے سلیم کی طرف دیکھا جو اس اثنا میں اٹھ کر وہاں آ گیا تھا۔

اس نے سلیم کو اشارے سے اپنا پلان بتایا اور اس کی طرف سے اثبات میں جواب ملنے پر آگے بڑھ گیا۔

مشتاق سے دگنی رفتار کے ساتھ وہ بلاک کے کاریڈور والے اس کمرے تک پہنچ چکا تھا جس کے بعد مشتاق اس بلاک کی پشت پر پہنچ گیا جہاں قدرے اندھیرا تھا' کیونکہ اس سے آگے گھنے درختوں اور سرکنڈوں کا سلسلہ تھا جہاں انہیں تربیت دی جاتی تھی۔

مشتاق درختوں کے اس جھنڈ کے پاس پہنچ کر رک گیا اور اب وہ شاید کسی کا منتظر تھا۔ طاہر کے لیے بڑی عجیب پچوایشن بن گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے ابھی یہاں ایک پلر کے ساتھ چپک کر ہی صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔

اچانک وہ چونکا جب اسے درختوں کے جھنڈ سے کوئی اس طرف آتا دکھائی دیا۔ آنے والے کے نقوش واضح نہیں تھے' لیکن .... اس کی چال ڈھال سے طاہر کو یقین تھا کہ وہ انسٹرکٹر پوسوال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب وہ صورت حال کو اچھی طرح جاننے لگا تھا لیکن اس کی خواہش ضرور تھی کہ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن سکے۔

پوسوال نے اس کی نظروں کے سامنے مشتاق سے مصافحہ کیا اور دونوں وہیں ایک پتھر کی بنچ پر بیٹھ گئے۔ ان کی پوزیشن اب ایسی تھی کہ ان کے اور طاہر کے درمیان ایک پلر' جس کے پیچھے طاہر چھپا ہوا تھا' اور اس کے بعد ایک بڑے درخت کا تنا حائل تھا اور اس کے بعد وہ پتھر کا بنچ تھا جس پر دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

طاہر نے چند سیکنڈ بعد ہی خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے لیے جاننا ضروری تھا کہ مشتاق پوسوال تک کیا اطلاع منتقل کر رہا ہے' کیونکہ ان کے مستقبل کی ساری منصوبہ بندی کا انحصار اسی پر تھا۔

انتہائی احتیاط کے ساتھ اور دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے وہ کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر آخر درخت کے پیچھے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب اس نے اپنے کان دونوں کی طرف لگا رکھے تھے۔ یہاں گفتگو واضح تو سنائی نہیں دے رہی تھی' لیکن کسی حد تک ان کی بات سمجھ آ جاتی تھی۔ مشتاق کی آواز آ رہی تھی جو پوسوال سے کہہ رہا تھا۔

"سر دونوں کے درمیان کوئی چکر ہے ضرور' لیکن ...... دونوں بڑے چالاک ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کوئی ثبوت نہیں دیا۔"

"الو کے پٹھے' مجھے ثبوت چاہیے۔ ثبوت۔ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھو۔ تمہیں ان دونوں کے درمیان اس لیے نہیں چھوڑا گیا کہ تم صرف شک کرتے پھرو۔" پوسوال کی ڈانٹ قدرے واضح تھی۔

"سر میں بالکل چوکنا ہوں۔ ان کی کوئی حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں نے دونوں کی گفتگو سے اندازہ قائم کیا ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میری نظروں سے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو سکتے۔"

مشتاق نے چاپلوسی کا مظاہرہ کیا۔

"دیکھو تم کسی بھی طرح ان دونوں میں سے کسی ایک کو اعتماد میں لے کر یہ جاننے کی کوشش کرو کہ کاشی اور اس لونڈے کے درمیان کیا تعلق ہے' اور وہ دونوں کس حد تک جا چکے ہیں ......"

پوسوال نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا سر۔ میں ایسا ہی سوچ رہا تھا۔ میں آپ کو پھر یقین دلاتا ہوں سر کہ دونوں کی کوئی حرکت مجھ سے چھپ نہیں سکتی۔ میں نے پاکستان سے یہاں تک ان کی کسی حرکت کو نظر انداز نہیں کیا۔" مشتاق نے پھر اپنی بات دہرائی۔

O O O

طاہر کے لیے یہاں مزید رکنا بے کار تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی اس موذی نے صرف شک ہی ظاہر کیا تھا اور کوئی بات نہیں کی۔ وہ چاہتا تو اپنی طرف سے کوئی بھی من گھڑت کہانی سنا دیتا اور پوسوال اس پر یقین کر لیتا جس کے بعد ممکن ہے ان کے لیے لاینحل مسائل پیدا ہو

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

جائے۔

اس سے پہلے کہ مشتاق کی باتوں کا سلسلہ ختم ہوا اس نے کمرے میں واپس پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مشتاق اس سے پہلے کمرے میں پہنچ جائے۔ پہلے کی طرح اپنے سانس کی آواز سے بھی ہوشیار طاہر اپنے پنجوں پر چلتا دوبارہ اس بلر تک پہنچا جس کے پیچھے وہ کچھ دیر پہلے تک موجود تھا۔

یہاں آ کر اس نے خود کو نارمل کیا۔ اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا اور دوبارہ جس طرح دبے پاؤں آیا تھا واپس اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

سلیم شاہد دروازے سے لگا ابھی تک اس کا منتظر تھا۔ اس نے بلب کی ہلکی سی روشنی میں اپنے ساتھی کا ہیولا پہچانتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھول دیا اور دونوں دوسرے ہی لمحے اپنے اپنے بستر میں منتقل ہو گئے۔

سلیم نے کسی بھی ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ جس میں موقعہ پڑنے پر یہاں سے فرار بھی شامل تھا۔ لیکن .... طاہر کی طرف سے مطمئن رہنے کا اشارہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ دروازہ انہوں نے اسی پوزیشن میں چھوڑ دیا تھا جس میں مشتاق اسے چھوڑ کر گیا تھا۔

طاہر نے چارپائی پر بیٹھنے کے بعد اسے سرگوشی میں بتایا کہ مشتاق کیپٹن پوسوال کو رپورٹ کرنے گیا تھا لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ باقی باتیں انہوں نے صبح کے لیے چھوڑ دی تھیں اور اب وہ پہلے کی طرح "گہری نیند" کے مزے لوٹ رہے تھے۔

چند منٹ بعد مشتاق بھی آ گیا۔ اس کی دانست میں یہاں "سب اچھا" ہی تھا۔ اپنی دانست میں اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور پہلے کی طرح اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

○ ○ ○

پوسوال کے لیے یہ اطلاع ایک دھماکے سے کم نہیں تھی۔ گو کہ اس کے مخبر نے کوئی حتمی بات نہیں کی لیکن پوسوال جنونی تھا۔ اس نے خود ہی ایک مفروضہ قائم کر کے طاہر کو اپنے دشمن کی حیثیت دے دی تھی۔ اس کے لیے یہ سوچ ہی ناقابل برداشت تھی کہ کامنی اگروال کسی دہشت گرد میں دلچسپی لے رہی ہے۔ یہ کامنی کا "معمولی" جرم نہیں تھا۔ پوسوال کے نزدیک یہ ناقابل معافی گناہ

تھا جس کی کم از کم سزا موت تھی ...... موت!

اور ......

اس نے کامنی اور طاہر دونوں کے لیے اس سزا کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے ان دونوں کو باری باری ختم کرنا تھا۔

پوسوال کے لیے طاہر کو مار دینا کچھ مسئلہ نہیں تھا۔ اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی لمحے بغیر کوئی وجہ بتائے اسے سب کے سامنے گولی مار دے۔ اس کے لیے وہ کسی کو جوابدہ بھی نہ تھا۔ البتہ کامنی اگروال کی موت اتفاقیہ ہونی چاہیے تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کرنل اور بریگیڈیئر دونوں ہی اس کے عاشق تھے۔ دونوں ہی کے منہ لگی تھی وہ ...... اور پوسوال ان دونوں میں سے کسی کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

یوں تو اس کی حیثیت ہزاری کیمپ میں غیر معمولی تھی اور ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے اس کے "باس" اس کی کارروائیوں سے بڑے خوش تھے۔ اس کے ہاتھوں تیار کردہ دہشت گردان کی توقعات سے بڑھ کر بہترین نتائج حاصل کر رہے تھے۔

○ ○ ○

پوسوال خود انسانی بھیس میں ایک درندہ تھا۔

وہ اپنے زیر تربیت تمام تخریب کاروں کو درندے بنا کر ان کے ملکوں میں بھیجا کرتا تھا اور اس کے تیار کردہ تخریب کاروں کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی سودا سمایا رہتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تباہی پھیلا کر اپنی عیاشی کا سامان پیدا کرتے رہیں۔

وہ انسانیت کے دائرے سے نکل کر وحشی بن جایا کرتے تھے۔ یہ پوسوال تھا جس نے پاکستان ہتھوڑا گروپ' کلہاڑا گروپ قسم کی متعارف کروائی تھیں۔ کسی انسان کا سر آہنی ہتھوڑے سے کچل کر مار ڈالنا انسانوں کے بس کی بات ہرگز نہیں تھی۔ جہاں ایک ایسی واردات ہو جاتی سارا شہر ہراساں ہو جاتا۔ ہر طرف خوف پھیل جاتا اور اس خوف کی کوکھ سے جنم لینے والی افواہیں اور خدشات مقامی آبادی کے اذہان کو اس طرح جکڑ لیتے کہ انہیں اپنے سائے سے بھی ڈر لگنے لگتا۔

اس سہمی ہوئی فضا میں پوسوال ہی کے زیر تربیت ایجنٹ خطرناک افواہیں پھیلاتے۔ مقامی آبادی کے منہ میں ایک بات ڈال کر وہ اسے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

پہنچا دیتے۔ وہ لوگوں کو غیر محفوظ ہونے کا احساس دلاتے اور ان کے دلوں میں اپنی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اخبارات میں سوال اٹھتا کہ آخر حکومتی ادارے اتنے بے بس کیوں ہیں۔

○ ○ ○

پوسوال کا کام اور آسان ہو جاتا جب اس کے ٹارگٹ ایریا کی پولیس عوام کو مطمئن کرنے کے لیے جعلی "ہتھوڑا گروپ" گرفتار کر لیتی جس کے ساتھ ہی اخبارات ایک ہلچل مچا دیتے' کیونکہ گرفتار شدگان بے گناہ ہوتے تھے اور کوئی نہ کوئی صحافی ان کی اصلیت جان لیتا جس کے بعد اخبارات حکومت پر چڑھائی کر دیتے کہ وہ اپنی نااہلیوں پر پردہ ڈالنے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لیے بے گناہوں کو گرفتار کر رہی ہے۔

اس کے بعد ایک نیا تماشا شروع ہو جاتا۔ لوگ اس خوف و ہراس کی فضا میں اپنی دشمنیاں بھی چکا دیتے۔

وہ اپنے دشمنوں کو اس طرح ہلاک کرتے جیسے پوسوں کے سدھائے ہوئے وحشی درندے ہلاک کرتے تھے۔ جس کے بعد یہ کارنامے بھی خواہ مخواہ اس کے نام لگتے چلے جاتے۔

روسی سٹیپز کے ساتھ تربیت حاصل کرنے والے پوسوال نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ وہ اپنے رینک کے حساب سے کیپٹن ضرور تھا' لیکن اسے کسی بھی کرنل سے زیادہ مراعات حاصل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دوران تربیت اس کے ہاتھوں مرنے والے کسی بھی تخریب کار سے متعلق انکوائری نہیں کی جاتی تھی۔

اس کے افسران جانتے تھے کہ بسا اوقات نفسیاتی دھاک بٹھانے کے لیے اور ان زرخرید غلاموں کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ وہ اب بھی ان کی قید سے آزادی کا تصور بھی نہ کریں اس طرح کے نفسیاتی حربے آزمائے جاتے تھے اور پوسوال یا کوئی اور انسٹرکٹر بلاوجہ بھی کسی زیر تربیت تخریب کار کو جس پر انہیں یہ شک ہو جاتا تھا کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ہے یا اپنے ملک میں جا کر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں گے ان کے ساتھیوں کے سامنے اچانک قتل کر دیا جاتا تھا۔

صبح جب معمول کے مطابق وہ لوگ اپنے تربیتی کیمپ میں پہنچے تو پوسوال یہاں کامنی اگروال کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے طاہر اور سلیم کو اس طرف آتے دیکھ کر جان بوجھ کر کامنی کے

ساتھ زبردستی ایک بے ہودہ حرکت کی تھی' جس کا جواب کامنی اگروال نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک کر دیا تھا۔

لیکن............

پوسوال جان بوجھ کر بے شرموں کی طرح دانت نکالتا رہا۔

○ ○ ○

اپنی دانست میں وہ سب کچھ طاہر کو طیش دلانے کے لیے کر رہا تھا لیکن طاہر اس صورت حال سے قطعی لاتعلق دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے نفسیاتی حربے کیوں اور کب اپنائے جاتے ہیں؟ کیا پوسوال کو اس کے اور کامنی اگروال کے درمیان پیدا ہونے والے ایک روزہ تعلق کا علم ہو گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو وہ کیوں یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ شاید اپنے کسی شک کی تصدیق کرنے کے لیے؟

اگر پہلی بات ٹھیک ہے تو پوسوال کو یہ شک کیسے ہوا؟ کیا اسے مخبری کی گئی ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو ایسا صرف مشتاق ہی کر سکتا ہے کیونکہ مشتاق ہی ان کے گروپ میں مشکوک تھا اور دونوں پہلے ہی سے یہ بات جانتے تھے کہ مشتاق کو ان کے درمیان چھوڑا گیا ہے۔ پھر اس نے سوچا' یہ مفروضہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے کیونکہ پوسوال کا پہلے روز بھی کامنی کے ساتھ یہی سلوک تھا۔ وہ شاید ہزاری کیمپ کا سرکاری سانڈ تھا جسے مکمل اختیارات کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا۔ بات کچھ بھی رہی ہو' اسے خود کو نارمل رکھنا تھا۔

اور............

اس نے ایسا ہی کیا۔ دو گھنٹے کی اس کارروائی میں مسلسل اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے بعد پوسوال کچھ گڑبڑا سا گیا تھا۔ عین ممکن تھا مشتاق کی اطلاع غلط ہی ہو۔

لیکن............

کامنی کی یہ جرأت؟ اس نے پوسوال کا کسی بھی طرح حکم ماننے سے انکار کیوں کیا؟

کامنی جیسی درجنوں لڑکیاں اس کے بستر کی زینت بننے کے لیے تیار رہتی تھیں' پھر کامنی نے یہ گستاخی کیوں کی؟ کچھ بھی ہو اسے سزا ملنی چاہیے۔ پوسوال کی درندگی نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔ اب اسے صرف مشتاق کے مفروضے کی تصدیق کرنا تھی۔ جس کے لیے اس کے خود ہی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ایک پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔

معمول کی کلاس سے فارغ ہو کر تینوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے جہاں تھوڑی دیر بعد کامنی بھی آ گئی۔ کامنی نے اپنے جذبات چھپانے کے لیے گو کہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ جما رکھی تھی اور معمول کے مطابق اپنے فرائض انجام دے رہی تھی۔

لیکن...........

طاہر نے ایک ہی نظر میں اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بہت کنفیوژ ہے اور پوسوال کے پریشر سے ابھی تک نجات حاصل نہیں کر سکی۔ یہ اس کے لیے تو آئیڈیل پوزیشن تھی۔

اسے ان لمحات سے ہی بھرپور فائدہ اٹھانا تھا' لیکن مشتاق کی موجودگی نے اسے قدرے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کامنی سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہتا تھا لیکن...... مشتاق کی موجودگی میں نہیں کیونکہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تھا کہ وہ پوسوال کا مخبر ہے۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا ناشتہ خود ہی کچن میں تیار کر لوں۔ دراصل مجھے آملیٹ صرف اپنے ہی ہاتھ کا بنا ہوا پسند آتا ہے۔"

عین ان لمحات میں جب معمول کے مطابق ویٹران کے لیے ناشتہ لے کر کمرے میں داخل ہو رہا تھا' طاہر نے کامنی سے معمول کے لہجے میں پوچھا۔

کامنی جان گئی تھی۔ شاید وہ بھی یہی چاہتی تھی۔

"اوہ کیوں نہیں۔"

اس نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار میرے لیے بھی بنا لینا۔ اصل میں صبح کا ناشتہ اچھا نہ ہو تو دن اچھا نہیں گزرتا۔"

سلیم نے اسے ہلاشیری دی۔

مشتاق البتہ ہونقوں کی طرح ان کے منہ کی طرف دیکھ رہا جس کے سامنے ویٹر ناشتہ سجا رہا تھا۔

"او۔ کے تم صاحب لوگوں کو سرو (Serve) کرو۔ میں ان کے ساتھ کچن میں جاتی ہوں۔"

کامنی نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب جانا۔

طاہر کے متعلق وہ شدید الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ اگر اگلے روز وہ اس کا ہاتھ نہ تھام لیتا تو کامنی آج یہاں موجود نہ ہوتی۔ سینکڑوں فٹ اونچائی سے گرنے کے بعد اس کے جسم کا کیا حال ہوتا؟ اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

○ ○ ○

"را" میں اپنی زندگی کے تین سال بتانے کے بعد بھی شاید ابھی تک وہ اپنے اندر کی عورت کو قتل نہیں کر پائی تھی۔ یوں تو اس دوران اس کی زندگی میں درجنوں مرد آئے اور چلے گئے لیکن وہ سب کچھ اس کے پروفیشن کا حصہ تھا۔ اس کی ذمہ داری تھی۔ کرنل بھاٹیہ کے حکم پر اسے اب بھی یہاں زیر تربیت کسی بھی تخریب کار کے لیے اپنی خدمات انجام دینے کا حکم مل سکتا تھا۔ اس میں اب ضمیر نام کی کوئی شے کا وجود ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

"ویلش سیوا" کے نام پر "را" نے اس جیسی نجانے کتنی لڑکیوں کے جسم کی دلالی کا دھندا اپنا رکھا تھا۔ کالج لائف میں وہ خاصی آئیڈیل لڑکی تھی' لیکن ایڈونچر پسند!!

اس کی یہی ایڈونچر پسندی اسے "را" میں لے آئی تھی اور اس نے خود کو اپنے افسران کی نظروں میں نمایاں کرنے کے لیے ان کے ہر اشارہ ابرو پر اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی اس کی بے پناہ قربانیوں کے صلے میں Abroad Posting مل جائے گی۔ اسے کسی بھی یورپی ملک میں موجود بھارتی سفارت خانے میں "را" کی نمائندگی کے لیے بھیج دیا جائے گا۔

بس یہی دھن تھی جو اس پر سوار تھی۔

یہی سودا اس کے دماغ میں سمایا ہوا تھا۔

البتہ ایک حسرت کبھی کبھی دل کے کسی کونے سے شعلۂ آتش فشاں کی طرح سر اٹھاتی کہ اس کی زندگی میں آج تک کوئی مرد اس کی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ وہ تو کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ شاید یہی وہ بے نام سا پچھتاوا تھا جس نے اسے زندگی میں اپنی سروس کے دوران پہلی مرتبہ پوسوال کے ناجائز احکامات کی تعمیل سے روک دیا تھا۔ شاید اس کے اندر کی عورت جاگنے لگی تھی۔

اور...........

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب جب ایک باہر کے مرد نے گو کہ وہ بھی اس دھندے کا حصہ تھا' لیکن نجانے کیوں اس نے اچانک کامنی اگروال سے اظہار محبت کر دیا۔ کامنی گڑ بڑا کر رہ گئی۔

اس محبت کو تسلیم کرنا جرم تھا۔ اس جرم کی کم از کم سزا ایک دردناک اور بے نام موت تھی۔ وہ "را" کے حکم پر طاہر جیسے درجنوں تخریب کاروں کے بستر گرما سکتی تھی لیکن اسے اپنی مرضی سے کسی میں معمولی دلچسپی لینے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ یہی یہاں کا پروٹوکول تھا۔ اس "کوڈ آف کنڈکٹ" کی پابندی اس پر لازم تھی۔

یہ ایک خفیہ اور ان لکھا معاہدہ تھا جو اس کے اور ایجنسی کے درمیان پہلے ہی روز طے پا گیا تھا۔ اگر وہ ایسے کسی بھی جرم میں ملوث پائی جاتی تو یہاں اس کے لیے کوئی عدالت نہیں لگنی تھی' کوئی کورٹ مارشل نہیں ہونا تھا۔ ایسا کوئی بھی شک ہونے پر کرنل بھاٹیہ یا بریگیڈیئر ملہوترہ کے معمولی سے اشارے پر ہی اسے بے نام موت مل جاتی۔ اسے کبھی کبھی اپنے آج تک زندہ رہنے پر حیرت ہونے لگتی تھی۔

○ ○ ○

اسے یاد آ گیا کہ دو سال پہلے جب اس کی ایک کورس میٹ بینا کشی نے ایک سولین نوجوان سے محبت کی پینگیں بڑھائی تھیں اور ایجنسی کی طرف سے وارننگ کے باوجود ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا تھا تو اس کا انجام کیا ہوا تھا۔ بے چاری بینا کشی آنکھوں میں ہزاروں سپنے سجائے اپنے محبوب سے ملنے کے لیے اپنی موٹر سائیکل پر اس کے ہوسٹل کی طرف جا رہی تھی تو ہوسٹل کے بالکل نزدیک ایک ٹرک نے اسے کچل ڈالا تھا۔ ٹرک ڈرائیور گرفتار ہو گیا تھا۔

لیکن......

بمشکل بارہ روز جیل میں گزارنے پر اس کی ضمانت ہو گئی تھی اور بعد میں ایجنسی کے دباؤ ڈالنے پر بینا کشی کے والدین کو اس سے صلح کرنا پڑی۔ اس صلح کی قیمت انہیں البتہ ضرور مل گئی تھی لیکن بیٹی تو ہاتھ سے نکل گئی۔ اب وہ اس ہندو سماج میں رہتے ہوئے ساٹھ ستر ہزار روپے کی رقم کیوں ہاتھ سے جانے دیتے۔ بے چاروں کے لیے کوئی دوسرا راستہ بچا ہی کب تھا۔

یوں بھی انہیں یقین دلا دیا گیا تھا کہ یہ حادثہ اتفاقیہ تھا۔ بدقسمتی سے بینا کشی کے بوڑھے والدین نے اسے تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا۔

وہ یہ بات تو جانتے تھے کہ اگر اس میں ٹرک ڈرائیور کا قصور ہوتا تو ایجنسی کے لوگ اس کی تکا بوٹی کر دیتے کیونکہ وہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ ان کی بیٹی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

وہ تو اسے بھی دیوی ماں کی کرپا سمجھ رہے تھے کہ کم از کم ایجنسی نے دھونس دباؤ سے ٹرک مالکان سے انہیں اتنی رقم لے دی ورنہ حکومت کی طرف سے ان کے بمشکل پندرہ بیس ہزار روپے ہی نکلنے تھے کیونکہ ان کی بیٹی نے ابھی نوکری کا آغاز ہی کیا تھا۔ ابھی تو اس نے ابتدائی ملازمت بھی پوری نہیں کی تھی۔ نہ وہ سرکاری سہولیات کی مستحق قرار پائی تھی۔

بے چارے بوڑھوں نے اس رقم سے بینا کشی کی بڑی بہن کے ہاتھ پیلے کر دیئے جو گزشتہ ڈیڑھ سال سے مطلوبہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی رخصتی کی منتظر بیٹھی تھی۔

شاید دوسری لڑکیوں کی طرح کامنی اگروال بھی اسے ایکسیڈنٹ سمجھتی لیکن دو سال بعد ایک روز جب راجستھان کے ایک تخریب کاری کے کیمپ میں اس نے اسی ٹرک ڈرائیور کو کیمپ کمانڈر کی جیپ چلاتے دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ بینا کشی کے مقدمے کے سلسلے میں تین چار مرتبہ تھانے اور عدالت میں اسی ٹرک ڈرائیور کو دیکھ چکی تھی۔ کیا اس کی آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا۔

"نہیں۔" اسے اپنے سوال کا جواب ملا۔

اس نے بالکل صحیح پہچانا تھا۔ یہ وہی ٹرک ڈرائیور تھا اور اب اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کا اپنا طریق کار ہوتا ہے' جس کے مطابق انہوں نے یہ کام کر دیا۔

یہاں کسی کو کوئی بھی ڈیوٹی سونپی جا سکتی تھی۔

اور......

کسی کی مجال نہیں تھی کہ ایجنسی کے حکم کی سرتابی کرتا۔ ممکن ہے اس بے چارے کا دل بینا کشی کی موت پر رضامند نہ ہوتا۔

لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ یہاں دل کی نہیں' دماغ کی نہیں صرف اپنے "باس" کی آواز پر کان دھرنے کا حکم تھا۔

اس روز کامنی سہم کر رہ گئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اس انفارمیشن میں اپنی کسی اور دوست کو شریک کرے لیکن...... وہ اب ایسی بے وقوف بھی نہیں رہی تھی۔ جانتی تھی کہ اسے جان بوجھ کر

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

اسی ڈرائیور کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ شاید وہ لوگ اس کی وفاداری اور پروفیشنل ازم کا امتحان لینا چاہتے ہوں۔ شاید وہ اسے کسی بڑے کام کے لیے تیار کر رہے ہوں۔ کچھ بھی ممکن تھا۔ کچھ بھی۔

کامنی نے خاموشی اختیار کر لی۔

اس نے اپنے دل و دماغ کو سمجھا لیا کہ اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اسے دھوکہ ہوا ہوگا۔ اس نے کبھی بھول کر بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس طرح اس نے دراصل اپنی ترقی کا ایک اور امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔ اس کا اندازہ چند ماہ بعد ہی ہو گیا جب کسی اور طریقے سے اس کے "باس" نے اس کی حسن رازداری کو سراہتے ہوئے اس کو اگلے گریڈ میں ترقی کا مژدہ سنایا۔

آج نجانے کیوں اسے دو سال قبل قتل ہونے والی مینا کشی اچانک ہی یاد آ گئی۔ اور ...... کیا اب وہ بھی اگلی مینا کشی بننے جا رہی ہے۔ یا اس کے دل کو کیا ہو گیا۔

کہیں دیوی ماں کا شراپ تو نہیں پڑ گیا اس پر؟ گزشتہ دو سال سے اس نے کبھی مندر کا دروازہ بھی نہیں دیکھا تھا' جب کہ اس کے گھر میں صدیوں سے روزانہ "کالی ماں" کی پوجا ہوتی آ رہی تھی۔ اتنے ایڈوانس ہونے کے باوجود ابھی تک اس کی ماتا جی روزانہ صبح کو اپنے گھر میں خود "پوجا" کا اہتمام کرتی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے ماہ کسی نہ کسی بہانے ان کے ہاں کوئی نہ کوئی "ہون" ہوتا رہتا تھا۔ کیسے کیسے برہمچاری' کیسے کیسے گرو اور پنڈت ان کے ہاں آیا کرتے تھے۔

لیکن ....

گزشتہ دو سال سے وہ ایسی کسی "پوجا" میں شرکت ہی نہیں کیا کرتی تھی بلکہ اب تو اسے اس پوجا پاٹھ کے پکھنڈ سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی کی تو بات ہے جب موسی کوشلیا نے اسے سمجھا بجھا کر پجاری جی کے سامنے "سیس نوانے" کو کہا تو اس نے اپنی بوڑھی موسی کو قریباً ڈانٹ کر خاموش کروا دیا تھا۔ تب ان کے گھر کی پرانی ملازمہ نے کہا تھا۔

"بھگوان نہ کرے کامنی بیٹی پر کہیں دیوی ماں کا شراپ نہ پڑ جائے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

آج نہ جانے کیوں اسے یہ ساری بھولی بسری باتیں بچپن میں سنائی اپنی نانی ماں کی کہانیوں کی طرح یاد آنے لگی تھیں۔

طاہر کے ساتھ ہی وہ کمروں کے ایک کونے میں موجود کچن تک آ گئی تھی۔ راستے میں دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ طاہر نے کچن میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ اب تک کامنی اپنا رول مل تھی اور اس نے بڑی محنت سے اپنے خوشگوار موڈ کا سوانگ رچایا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ کچن میں پہنچے سارے جہاں کا حزن و یاس جیسے کامنی اگروال کے چہرے پر ست آیا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ طاہر کو کسی عورت کا چہرہ دیکھ کر عجیب طرح کے جذبات کا احساس ہوا جسے وہ فی الوقت ہمدردی کے جذبات ہی کہہ سکتا تھا۔

○ ○ ○

"مجھے کچھ تیار نہیں کرنا۔"

اس نے ایک بڑے سے فریج کی طرف بڑھتی کامنی کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے علم ہے۔"

کامنی نے اس کی طرف دیکھے بغیر فریج کا دروازہ کھول کر دو تین انڈے باہر نکال لیے۔

"پھر بھی آپ........"

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن کامنی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں پھر بھی مجھے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ تو بھرنا ہے۔ کوئی تو جواز پیدا کرنا ہے۔ کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔"

کامنی نے عجیب سے کھوئے کھوئے لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کامنی جی میں جانتا ہوں یہ۔ کچھ غلط ہے' لیکن میں بے بس ہوں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اف میرے خدا! میں کبھی اتنا بے بس نہیں تھا۔ آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آج میں نے سب کچھ کیسے برداشت کیا۔ مجھ سے آپ کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی۔ میں جانتا ہوں یہ سب کچھ بے سود ہے۔ میں آپ کے لئے مر بھی جاؤں تو کوئی اہمیت نہیں ہوگی اس موت کی۔ کون جانے گا کہ میں کون تھا۔ کس کے لیے مر گیا اور آپ جان بوجھ کر خاموش رہیں گی کیونکہ یہ آپ کی ڈیوٹی ہے۔ میں سب کچھ سمجھتا ہوں کامنی جی' لیکن میں کچھ کر نہیں سکتا۔ میرے اختیار میں کچھ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اور............

کامنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

دوسری طرف طاہر کو بھی اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا تھا۔

"کہیں اداکاری میں حقیقت کا رنگ تو نہیں بھرنے لگا۔"

اس کے ضمیر نے جیسے ایک زوردار کوڑا اس کی پیٹھ پر رسید کر دیا اور طاہر سہم گیا۔ یہ اسے اچانک کیا ہونے لگا تھا۔ وہ تو اداکاری کر رہا تھا۔ وہ تو کامنی اگروال کا دل جیت کر اسے ڈھال بنا کر' اسے سیڑھی بنا کر بٹواری کیمپ کو تباہ کرنا اور یہاں سے زندہ بچ کر اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ اس نے تو یہ سارا ڈھونگ سلیم کے ساتھ پلاننگ کے بعد رچایا تھا۔ دونوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد تین چار منصوبے تیار کئے تھے جن میں سے بالآخر ایک پر صاد کیا تھا اور وہ یہ سب کچھ اس منصوبے کے مطابق کر رہا تھا۔ یہ اداکاری اس منصوبے کا حصہ تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس کی جگہ یہ پارٹ سلیم ادا کرتا۔

لیکن............

اس نے طاہر سے معذرت کر لی تھی کیونکہ ماضی میں اسے طاہر کے ساتھ اور دو تین مہمات کا تجربہ ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اداکاری کے میدان میں کم از کم اس کے ساتھیوں میں سے کوئی اس کا ثانی نہیں۔

اپنی چرب زبانی' تر دماغی اور شاندار اداکارانہ صلاحیتوں کی بدولت جو شاید اسے قدرتی طور پر ودیعت ہوئی تھیں' طاہر نے بڑے ناممکن اور مشکل ترین حالات میں بھی حیرت انگیز نتائج حاصل کئے تھے اور یہاں بھی اسے اپنی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بہترین نتائج حاصل کرنے تھے۔

"بٹواری کیمپ" کوئی عام سا تخریب کاری کا مرکز نہیں تھا۔ ایس ایس بی بھارت کی عام سی ایجنسی نہیں تھی۔

اس کیمپ کے تربیت یافتہ تخریب کاروں نے اس کے ملک میں تباہی مچا دی تھی۔ اسے بادل نخواستہ اپنی اس تباہ کاری کے مرکز کو تباہ کرنے کے مشن پر روانہ کیا گیا تھا۔

یہ ایک طرح سے **Impossible Mission** تھا اور انہیں اسے مکمل کرنا تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

لیکن............ یہ کیا؟ یہ اسے اچانک کیا ہو گیا تھا؟ وہ کامنی اگروال سے متعلق ایسے عجیب و غریب سے جذبات کا مظاہرہ کیوں کرنے لگا تھا۔

"سنبھلو صاحب زادے' سنبھلو۔ کس چکر میں پڑنے لگے ہو۔ اپنے ساتھ سلیم کو بھی مرواؤ گے۔ کیا؟ اور تمہارے مشن کا کیا بنے گا؟" ایک زوردار ذہنی جھٹکے سے وہ قدرے سنبھل گیا۔

کامنی خاموشی سے انڈے توڑ کر انہیں ایک پلیٹ میں ڈال کر پھینٹ رہی تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہیں؟ کچھ بولتی کیوں نہیں؟"

اس نے کامنی کے دائیں ہاتھ پر اچانک اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ طاہر کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کا یہ عمل بے ساختہ ہے اور اس نے کسی پلاننگ کے بغیر یہ سب کچھ کیا ہے۔ بالکل ان اداکاروں کی طرح جو کبھی کبھی رونے کی اداکاری کرتے ہوئے جذباتی ہو کر خود بھی رو پڑتے ہیں۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

''کیا یہ اس سین کی ڈیمانڈ تھی؟''

اس نے اپنے دل کو ایک اور جھوٹی تسلی دے کر بہلانا چاہا۔

لیکن............

ادھر سے نفی میں جواب ملنے پر وہ جیسے ڈر گیا۔

کامنی نے اچانک ہی اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دی تھیں۔ کامنی کی آنکھوں میں چھلک جانے کو بے قرار ہوتے ہوئے آنسوؤں کا سیلاب اسے صاف دکھائی پڑ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھیں جو شاید اس کے سارے وجود کا سب سے خوبصورت حصہ تھیں' اس کی آنکھوں کے راستے براہ راست اس کے دل میں اتر رہی ہوں۔

''دیکھو تمہیں خوش رکھنا میری ڈیوٹی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری ہر طرح سے سیوا کر سکتی ہوں' پھر اس سب کی کیا ضرورت ہے؟ تم مجھے اس کے بغیر بھی......''

کامنی کی نامکمل بات اس نے کاٹ دی۔

''نہیں۔ خدارا ایسے نہ کہیں۔ میں یہ کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے علم ہے میری زندگی ہی ان کاموں میں بسر ہوئی ہے۔ میرے لیے یہ کچھ نیا نہیں ہو گا۔ میں تو......''

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

''تم جانتے ہو اس کا انجام؟ کبھی تم نے اپنی اور میری حیثیت پر غور کیا ہے۔ ہم دونوں دو الگ انتہاؤں پر رہنے والے ہیں۔ اور تم............''

کامنی نے اب آملیٹ بنانا شروع کر دیا تھا۔

''میں سب کچھ جانتا ہوں کامنی جی۔ میرا دماغ وہی کہتا ہے جو آپ کہہ رہی ہیں لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا نہیں بتا سکتا۔'' اس نے بے بسی کے انداز میں گردن جھکا لی۔ کامنی نے آملیٹ بناتے ہوئے نظریں طاہر پر گاڑ دیں جس نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی۔ بالکل ان ملزموں کی طرح جو اپنی سزا کے فیصلے کے منتظر ہوں۔

''بھگوان کے لئے مجھے اتنا بے بس نہ کرو۔ تم کیوں مجھے اور اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔'' کامنی نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں آپ کو نہیں۔ ایسا کبھی دوبارہ مت کہیں۔ صرف اپنے آپ کو۔ جس روز مجھے یہ

شک بھی ہوا کہ میری وجہ سے آپ کو کچھ ہونے والا ہے تو شاید میں خود کو گولی مار دوں۔ میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گا کامنی جی' لیکن آپ پر ایسا وقت نہیں آنے دوں گا۔''

اس نے بڑے جذباتی پن کا مکمل اور بھرپور مظاہرہ کیا۔

کامنی اگروال کو شاید اس سے زیادہ صورت حال کی سنگینی کا احساس تھا۔ وہ قدرے چونکی دکھائی دے رہی تھی۔

''طاہر احتیاط کرو۔ یہاں کچھ بھی ممکن ہے' کچھ بھی۔ اگر تمہارے جذبات سے متعلق کوئی شک بھی ان لوگوں کو ہو گیا تو وہ مجھے ہی نہیں تمہیں بھی مار ڈالیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی۔''

کامنی اگروال نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کامنی جی۔ میں آپ کو بھی بتانے والا تھا۔ ہمارا تیسرا ساتھی مشتاق پوسوال کا مخبر ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کل رات کی ساری کہانی سنا دی۔

کامنی خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔

''او کے میں کوئی صورت نکال لوں گی لیکن پلیز تم نارمل رہنا۔ خاص طور سے پوسوال کے سامنے' خواہ وہ کچھ ہی کرے۔ خواہ مجھے جان سے مار ڈالے لیکن تم خاموش رہنا۔ اور اپنی کسی بھی حرکت سے انہیں شک میں مبتلا نہ ہونے دینا۔ کسی بھی حرکت سے۔ وہ درندہ ہے' وحشی درندہ۔ وہ اب جنونی حرکت کرے گا اور کچھ بھی کر گزرے گا۔ اسے یہاں بے پناہ اختیارات حاصل ہیں۔ اسے سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ اور ہاں اس لڑکے مشتاق سے تو بہت محتاط رہنا۔ خبردار اس کے سامنے کبھی بھولے سے بھی کوئی بات نہ کرنا۔ تمہارے دوسرے ساتھی کو تو شک نہیں ہوا ناں۔''

اس نے جان بوجھ کر تم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔

اس مرتبہ کامنی اگروال مکمل عورت بن گئی۔ اس کے لیے اپنے آنسو ضبط کرنا مشکل تھا۔ آنسو بہاتے ہوئے وہ طاہر کے کندھے سے لگ گئی۔

لیکن............ یہ صورت حال چند منٹ سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔ کامنی کو احساس تھا کہ انہیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

''چلو اب تمہارے کمرے میں چلتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ اس نے حیرت انگیز طور پر خود کو نارمل کر لیا تھا اور اب سنک سے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

آملیٹ کی دو پلیٹیں اس نے تیار کی تھیں اور وہاں دونوں نے بمشکل آٹھ دس منٹ گزارے تھے۔ ابھی وہ لوگ ناشتے میں مصروف ہی تھے جب دونوں وہاں پہنچ گئے۔ سلیم نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ مزید چند منٹ کی دیری کوئی بھی قیامت ڈھا سکتی تھی۔ اس نے فوراً ہی اس پلیٹ پر ہاتھ صاف کرنے شروع کر دیے جو بظاہر کچن سے طاہر بنا کر لایا تھا لیکن اصل میں کامنی نے تیار کی تھی۔ دوسری پلیٹ طاہر نے سنبھال لی۔ وہ مشتاق کو کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے۔

"میڈم آپ بھی آج ہمارے ساتھ ہی کھا لیں ناں۔" سلیم کو نجانے کیوں اچانک کامنی کا خیال آ گیا۔

"تھینک یو۔ میں صبح کا ناشتہ نہیں کرتی۔ جو کرتی ہوں وہ کر چکی۔ البتہ تمہارے ساتھ چائے ضرور شیئر کروں گی۔ میرے کپ میں چینی اور دودھ نہیں ڈالنا۔"

کامنی اگروال کی گفتگو سے یوں لگ رہا تھا جیسے چند منٹ پہلے اس کے دل و دماغ پر جو منوں بوجھ پڑ رہا تھا' وہ اب اتر گیا ہو۔ وہ پہلے کی طرح بہت نارمل اور قدرے شوخ لہجے میں بات کر رہی تھی۔ مشتاق نے اب تک تین مرتبہ اس کی طرف چور نظروں سے دیکھا تھا اور کامنی ہی نے نہیں' طاہر نے بھی اس کی چوری پکڑ لی تھی۔

نے جان بوجھ کر مشتاق سے دو باتیں کی تھیں۔ گو کہ وہ یہ سب کچھ بادل نخواستہ کر رہی تھی لیکن ایسا کرنا اس کے لیے ناگزیر تھا۔ ابھی تک مشتاق نے یوسوال کے سامنے اپنا شک ہی ظاہر کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات یقینی دکھائی دے۔ حالانکہ اس نے طاہر کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس کے دل نے عقل پر فتح پائی تھی اور محبت فاتح عالم کی سچائی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی لیکن وہ محتاط تھی۔ چوکنی ہرنی کی طرح۔ جیسے کسی بھی لمحے' کسی بھی سمت سے' کسی بھی درندے کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو رہا ہو۔ اس نے معمول کے مطابق ان کے ساتھ تقریباً آدھا گھنٹہ گزارا تھا اور اب اگلی کلاس کا وقت شروع ہونے کی وجہ سے باہر آ گئی تھی۔

○ ○ ○

اسے روزانہ ان تینوں کا نفسیاتی مطالعہ کرنا ہوتا تھا' جس میں ان کی معمولی سے معمولی حرکتوں کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ آج اس نے طاہر کی طرف سے اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرنے کی

خواہش اور باقی کی ساری کارروائی بھی اپنے حساب سے لکھ دی تھی تا کہ کوئی بھی چیز آف دی ریکارڈ نہ رہے۔ دوپہر کے بعد وہ معمول کے مطابق کرنل بھاٹیہ کے آفس کی طرف اپنی رپورٹ فائل کرنے جا رہی تھی۔ انہیں ہفتے میں ایک روز اپنے زیر تربیت گروپ کو کرنل بھاٹیہ کے سامنے "ڈسکس" کرنا ہوتا تھا۔

اور...... آج اس کی باری تھی۔ آج کامنی نے کرنل بھاٹیہ کو پیش کرنے کے لیے رپورٹ کے ساتھ ایک تجویز بھی تیار کر لی تھی۔ اسے عشق نے یہ راہ سجھائی تھی۔ یہ عقل کا کام نہیں تھا۔ اس نے اگلے ہی روز کرنل بھاٹیہ کو طاہر سے متاثر ہوتے دیکھ لیا تھا اور اب کرنل بھاٹیہ کے دل میں طاہر کے لیے موجود "سافٹ کارنر" کا فائدہ اس نے اٹھانا تھا۔

"سر یہ لڑکا بہت کام کا ثابت ہو گا اگر اس پر تھوڑی محنت ہو جائے۔" کرنل بھاٹیہ کے ایک طرف فائل رکھنے کے بعد اس نے طاہر سے متعلق ریمارکس دیے۔

"ہوں ں......" کرنل نے سگار کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ بظاہر تو یہی لگتا ہے لیکن ابھی کچھ کہنا قبل از وقت نہیں ہو گا؟"

کرنل بھاٹیہ نے اس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"یہی بات میں آپ سے کہنے والی تھی۔ اسے ذرا اور دیکھنا ہو گا۔ سر اس سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ بہت دم ہے اس لڑکے میں" اس نے بڑے پروفیشنل انداز سے کہا۔

"ہوں۔ کامنی ایک تجویز ہے۔" کرنل بھاٹیہ شاید اس سے پہلے ہی ذہن بنا کر بیٹھا تھا۔ واقعی اس نے پہلے ہی روز طاہر کے تیور دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ سلیم نے اس مرتبہ اسے بڑا زبردست لڑکا دیا ہے اور اس سے اب بریگیڈیئر ملہوترہ پر فتح حاصل کرنے کے لیے کوئی بڑا کارنامہ بھی تو کروانا تھا۔

"یس سر" کرنل بھاٹیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے مودب لہجے میں کامنی نے کہا۔

"میک اٹ یور سپیشل کیس۔" (اسے اپنا خاص کیس بناؤ۔)

کرنل بھاٹیہ نے یہاں خاص اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"مائی پلیژر سر۔ اپنے دیش کے لیے کوئی بھی سیوا کرنا میرا دھرم اور ڈیوٹی ہے سر۔ آپ تو جانتے ہیں سر کہ آج تک کامنی اگروال کا کوئی "سپیشل کیس" ناکام نہیں رہا۔ ہمیشہ ہم نے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

''بہترین رزلٹ'' دیا ہے سر۔ اور آپ کو علم ہے کہ ابراڈ پوسٹنگ (بیرون ملک تعیناتی) کے لیے میرا کیس ہیڈ کوارٹرز پہنچ گیا ہے۔ اگر یہ لڑکا بھی میرا کیس بنا تو میرے لیے ''پلس پوائنٹ'' ہو گا سر۔ اب ایک آدھ پلس پوائنٹ کے بعد مجھے یہ چانس مل سکتا ہے۔ میں آپ کی بہت دھنوادی ہوں سر۔ یو آر ریئلی گریٹ سر۔''

اس نے کرنل بھاٹیہ کی شان میں قصیدہ پڑھ دیا۔

کرنل بھاٹیہ سمجھ گیا کہ کامنی اگر خود بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہی ہے تو کسی خاص مقصد سے اور اب اسے اس خاص مقصد کا پتہ بھی لگ گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ کامنی اگروال اپنی غیر ملکی تعیناتی کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھی۔ وہ بڑی پروفیشنل لڑکی تھی۔ اسے شروع ہی سے کامنی پر بہت اعتماد تھا۔ اس کی صلاحیتوں کا وہ ہمیشہ معترف رہا تھا۔

اب دونوں اپنی اپنی مار پر تھے۔ اگر کامنی کو غیر ملکی پوسٹنگ کے لیے کسی کارنامے کی ضرورت تھی تو کرنل بھاٹیہ کو اپنی کمانڈ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ملہوترہ سے زیادہ اس کا اہل تھا اور وہی ایک ایسی ہستی ہے جو ایس بی کے ہواری کیمپ کو کمانڈ کر سکتی ہے۔ اسے یہ ثابت کرنا تھا۔ دونوں کی نگاہیں اس کام کے لیے طاہر پر لگی ہوئی تھیں۔

''گو اہیڈ بے بی۔ میک اٹ سپیشل۔'' اس نے کامنی اگروال کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

کامنی کو امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے یہ مہم سر کر لے گی۔ اس نے محض اس مفروضے کو بنیاد بنا کر کہ کرنل بھاٹیہ طاہر سے پرامید ہے اندھیرے میں تیر چلایا تھا جو اس کی خوش قسمتی سے نشانے پر لگا تھا۔ اسے طاہر سے متعلق گرین سگنل مل چکا تھا۔ اب پوسوال اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

○ ○ ○

بریگیڈیئر ملہوترہ کچھ دنوں کے لیے رخصت پر تھا اور ہواری کیمپ کی کمانڈ عملاً اب کرنل بھاٹیہ کے ہاتھ میں تھی۔ پوسوال کو اس کیمپ میں جو ''گستاپو'' والی حیثیت حاصل تھی' وہ بھی بریگیڈیئر ملہوترہ کی وجہ سے تھی۔ اب کم از کم وہ ''آن دی ریکارڈ'' اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ''آف دی ریکارڈ'' اگر وہ کچھ کرنا چاہتا تو دونوں مل کر اس کا سامنا کر سکتے تھے۔ اب

مشتاق کی مخبری بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی بلکہ اب اسے تفویض کردہ ڈیوٹی کے مطابق اس کیس پر زیادہ محنت کرنا تھی اور طاہر کو یہ تاثر دینا تھی کہ وہ اس پر مرمٹی ہے۔ اسے اپنے جسم کا عادی بنانا تھا۔ اسے ذہنی اور نفسیاتی کے ساتھ ساتھ بالآخر جسمانی احتیاج بھی دینا تھی تاکہ وہ پھر ہمیشہ کے لیے اس کا دم بھرتا رہے اور اس کے اشارہ ابرو پر کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہے۔ کچھ بھی۔

کرنل بھاٹیہ کے آفس سے باہر آتے ہوئے کامنی سوچ رہی تھی کہ واقعی اس نے کرنل کے سامنے سچ بولا ہے۔ اگر اسے گرین سگنل مل بھی گیا تھا تو وہ دونوں کتنا عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ پائیں گے۔ یہاں تربیت دو ماہ میں مکمل ہو جائے گی جس کے بعد کیا وہ لوگ اسے طاہر سے رابطہ رکھنے کی اجازت دیں گے؟

''اے بھگوان میں کس گورکھ دھندے میں پھنسنے جا رہی ہوں؟ یہ کیا شراپ ہے دیوی ماں؟'' اس نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

اور نجانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ آج زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ ایک ہی دن میں دو مرتبہ روئی تھی۔ وہاں کچن میں تو اس نے کمال ضبط سے اپنے آپ پر قابو پالیا تھا۔

لیکن...... یہاں اپنے کمرے میں اس نے خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا۔ زندگی میں اس سے پہلے وہ کبھی سسکیاں لے کر نہیں روئی تھی۔ آج وہ بچوں کی طرح روری۔ اسے اپنے آپ پر ترس آ رہا تھا۔ اپنی بے بسی پر اس کا دل ماتم کرنے کو چاہتا تھا۔ جانے اس نے کب سے اپنے اندر آنسوؤں کا یہ سمندر جمع کر رکھا تھا جو اب ریت کی ساری دیواریں توڑ کر بہتا چلا آ رہا تھا اور وہ اکیلی اپنے کمرے میں روتی رہی۔

روتے روتے اسے نیند آ گئی۔

اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ معمول کے مطابق آپریٹر نے ٹیلی فون کی گھنٹی بجا کر اسے پانچ بجے پر بیدار کیا۔ یہ یہاں کی پریکٹس تھی۔ تمام انسٹرکٹرز دوپہر کے بعد اپنے کمروں میں کچھ دیر آرام کیا کرتے تھے اور پانچ بجے پر انہیں دوسری کلاس کی تیاری کے لیے بیدار کیا جاتا تھا۔

باتھ روم کے شیشے میں اپنی شکل پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا دی۔ خلاف معمول آج اس نے سہ پہر کو باتھ لیا اور جب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو اسے اپنا بدن پھول کی طرح ہلکا پھلکا ہونے کا احساس ہوا۔ جیسے اس نے اپنے سر پر موجود وزن آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی صورت بہا دیا

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ہو۔اس نے معمول کے مطابق کپڑے پہنے تھے جو جین اور جیکٹ پر مشتمل تھے' کیونکہ اب وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ تربیت پر جا رہی تھی۔

کامنی نے ان تربیتی کیمپوں میں آنے کے بعد خود کو عورت سمجھنا ہی چھوڑ دیا تھا لیکن آج ایک طویل عرصے بعد اس کے اندر کی عورت کو جیسے طاہر نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ اس نے کبھی میک اپ نہیں کیا تھا۔ معمول کی فیس کریم ضرور استعمال کیا کرتی تھی لیکن آج نجانے کیوں اس نے لپ سٹک بھی لگائی تھی۔ عموماً وہ اپنے گھر رخصت کے وقت جاتے ہوئے یا پھر جتنے دن اپنے گھر میں رہتی اس عرصے میں لپ سٹک لگایا کرتی تھی یا پھر کیمپ کے باہر کبھی یا ڈیرہ دون میں شہر میں کسی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے۔ اس طرح کیمپ میں ہونٹوں کو سرخی لگانے کا یہ اس کا پہلا موقع تھا۔

جب وہ طاہر کے کمرے میں پہنچی تو تینوں ہی حیران رہ گئے۔ طاہر کے لیے حیرانگی کی بات اس کا لاپرواہ ہونا تھا کیونکہ آج صبح ہی اس نے طاہر کو خوشامد کرنے کے لیے کہا تھا اور اب خود تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی سے اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اسے باہر لے جا رہی تھی۔

اور......

سلیم اور مشتاق ہونقوں کی طرح دونوں کے پیچھے آ رہے تھے۔

"یا اللہ خیر"

سلیم نے دل ہی دل میں کہا۔ "کہیں الٹی آنتیں گلے کو نہ آ جائیں۔ یوں لگتا ہے طاہر نے کچھ زیادہ ہی جذباتی اداکاری کر دی ہے۔"

لیکن............

یہ بے احتیاطی......!

طاہر خود بھی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

روانگی پر اس نے طاہر کو اپنے ساتھ بٹھایا تھا اور ان دونوں کو پیچھے۔ سلیم پر گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب مشتاق کے لیے کوئی مزید ثبوت تلاش کرنا مشکل نہیں ہوگا اور وہ کسی بھی لمحے مارے جائیں گے۔

○ ○ ○

اسے اپنے فیصلے پر خود ہی پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے طاہر کو کس کام پر لگا دیا لیکن ....طاہر بھی اتنا بے وقوف تو نہیں۔ اس نے سوچا اور تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ رہا۔ تمام راستے وہ تینوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی آئی تھی۔ اس دوران اس نے پہاڑی راستوں پر ڈرائیونگ کرتے ہوئے دو تین مرتبہ کسی بات پر قہقہہ بھی لگایا اور ایک مرتبہ تو سٹیرنگ پر اس کا ہاتھ ذرا سا بہکا اور تینوں سہم کر رہ گئے۔

"ارے اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے؟"

اس نے گاڑی کو سیدھے کرتے ہوئے کہا اور تینوں خواہ مخواہ مسکرا دیے۔

تربیت گاہ پر پہنچ کر وہ رک گئے۔

گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اس نے نقشہ نکال کر بونٹ پر بچھا دیا اور انہیں ہاتھ کے اشاروں سے سمجھانے لگی کہ کون کون سا ٹارگٹ کہاں کہاں ممکن ہے' جس کے بعد اس نے سلیم اور مشتاق کو ڈمی بم دے کر جنگل اور پہاڑی راستوں روانہ کر دیا۔

سب نے اپنی اپنی گھڑیاں آپس میں ملائی تھیں۔ انہیں اپنا اپنا کام مکمل کر کے اس جگہ واپس پہنچنا تھا۔

دونوں............ طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

دونوں نے کچھ راستہ اکٹھے کرنا تھا جس کے بعد انہیں الگ ہونا تھا۔

"میڈم طاہر پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو گئیں کیا؟"

اچانک ہی مشتاق نے سلیم سے کہا۔

سلیم کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا تھا۔ وہ قطعاً یہ تاثر دینے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ اور طاہر ایک ہی ہیں۔ البتہ ایک بات کی اسے اب تک سمجھ آ گئی تھی کہ اگر واقعی طاہر نے کامنی کو شیشے میں اتار لیا تھا تو ہرگز بے احتیاطی نہ خود کر سکتا تھا اور نہ ہی کامنی ایسا کرنے کا خطرہ مول لے سکتی تھی۔ اگر کامنی طاہر میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی ظاہر کر رہی تھی تو ضرور یہ کسی پلان کا حصہ ہوگا۔

اس سوچ کے بعد اب وہ اطمینان سے اس کی ہاں میں ہاں ملا سکتا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہاں بھئی اپنے اپنے نصیب ہیں۔ پچھلی مرتبہ وہاں راجستھان میں ہمارا ابھی دل لگ گیا تھا اس مرتبہ ہم یونہی رہ گئے۔ بہر حال ابھی تو کافی عرصہ باقی ہے۔ ہمیں بھی محروم تو نہیں رکھا جائے گا۔ ویسے بے سالی پتا نہ..........."

اس نے مشتاق کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

مشتاق کے لیے اس کا جواب بالکل غیر متوقع تھا۔

لیکن..........

وہ نارمل رہا۔

اب وہ کم از کم پوسوال کو ضرور یقین کے ساتھ سب کچھ بتا سکتا تھا اور.......... پوسوال کی طرف سے نقدی اور شراب و شباب کی صورت میں اسے خاصا انعام مل سکتا تھا۔

"ہاں ہاں واقعی اپنی اپنی قسمت ہے۔"

مشتاق نے بظاہر ٹھنڈی آہ بھری۔

اور..........

دونوں الگ ہو گئے۔

اب انہیں ایک گھنٹہ الگ گزارنا اور اپنے اپنے ٹارگٹ ہٹ کرنے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے واکی ٹاکی چیک کیے اور کامنی کو روانگی کا سگنل دے کر اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔

"گھبرا گئے کیا؟"

کامنی نے ان کے وہاں سے ہٹتے ہی طاہر سے کہا۔

"نہیں، لیکن......"

طاہر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے، کیا نہ کہے۔

"پھر بھی میں نے سوچا جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ تم سے ملنے کے بعد میرے.......... اچانک ہی خیالات بدل گئے۔ جب تم میرے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کر رہے تو میں کیوں کروں۔ بھاڑ میں گئیں تمام احتیاطیں اور وہ...... پوسوال اور یہ تمہارا جاسوس۔"

کامنی کی مسکراہٹ کسی اور بات کی چغلی کھا رہی تھی۔

طاہر ابھی تک الجھن کا شکار تھا۔

"کامنی خدا کے لیے سسپنس ختم کرو۔ تم جانتی ہو مجھے تمہاری زیادہ فکر ہے۔" اس نے کہہ ہی دیا۔

اور..........

کامنی پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

ہنستے ہنستے وہ طاہر سے بغل گیر ہو گئی اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی جیپ کے نزدیک ہی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئی۔

○ ○ ○

"طاہر مجھے تمہارے سامنے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے۔ یقین جانو میں نے زندگی میں کبھی اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ میں اپنے کالج کی زندگی میں بہترین اتھلیٹ تھی۔ محبت آئیڈیل تھی لیکن محبت کرنے کا شاید وقت ہی مجھے نہیں ملا یا پھر کوئی مجھے متاثر ہی نہ کر سکا۔ کالج کی زندگی ختم ہوئی تو اپنی ایڈونچر پسند طبیعت کے ساتھ میں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ یہاں اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد مجھے فیلڈ میں بمشکل ایک سال کام کرنے کا موقع ملا جس کے بعد مجھے اس کام پر لگا دیا گیا۔ تب سے اب تک مختلف تخریب کاری کیمپوں میں میری ڈیوٹی لگتی رہی ہے۔ میرے کام سے خوش ہو کر مجھے "بنواری کیمپ" میں بھیج دیا گیا۔ یہ کسی بھی لڑکی کے لیے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ میں شاید واحد لڑکی ہوں جسے تین سال کے اندر ہی اس کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اس دوران میں نے درجنوں تخریب کاروں کو ٹرینڈ کیا ہے۔ یہ میری ڈیوٹی ہے۔ مجھے وقت آنے پر دیش سیوا کے لیے کسی کی بھی سیوا کرنی پڑتی ہے۔ طاہر! یہ اچھی بات ہے یا بری۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ میرے انسٹرکٹروں نے مجھے بتایا تھا کہ اپنے شاستروں کے مطابق ہمیں اپنی جنم بھومی کو بچانے کے لیے اپنا شریر (جسم) بھی "تیاگنا" پڑے تو یہ ہمارا کرتوے (فرض) ہے۔ میرے لیے یہ سب کچھ بڑے "گربھ" (فخر) کی بات رہی ہے۔ میرے باس نے مجھے بتایا تھا کہ ہیڈ کوارٹر میرے کام سے بہت خوش ہے اور اب وہ میری اپ گریڈ پوسٹنگ کے متعلق سوچ رہے ہیں۔

جیسی تیسی بھی زندگی تھی میں اس سے مطمئن تھی۔ میں کبھی دھارمک (مذہبی) نہیں رہی لیکن میرا سارا پریوار بہت دھارمک ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میری کسی بات سے ناراض ہو کر میری

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

موسیٰ نے کہا تھا' مجھ پر دیوی ماں کا شراپ پڑے گا۔ تب میں نے اس بات کو اہم نہیں جانا تھا۔ اسے معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا' لیکن اب مجھے لگتا ہے مجھ پر دیوی ماں کا شراپ پڑ گیا ہے۔ تمہارے ساتھ ملاقات کے بعد مجھے یقین نہیں تھا کہ تم میری زندگی میں بھی یہ مقام حاصل کر لو گے جو آج سے ساتھ آٹھ سال پہلے کسی ہندو نوجوان کو حاصل کرنا چاہیے تھا۔ تم نے مجھے لاچار کر دیا ہے طاہر۔ بے بس کر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بے ساختہ رو دی۔

طاہر کو یوں لگا جیسے کسی نے پورے زور سے اس کے دل پر گھونسہ رسید کر دیا ہو۔ جیسے کسی نے اسے اچانک اس طرح سے جھنجھوڑا ہو کہ اس کے بدن کا رواں رواں کانپنے لگا۔

اس کا دل نجانے کیوں بھر آیا۔

"یہ اداکاری کبھی اس طرح حقیقت کا روپ بھی دھارے گی۔"

یہ سوچ کر وہ لرز اٹھا۔

اسے یوں لگا جیسے اس نے کامنی سے جو کچھ بھی کہا تھا' وہ سچ تھا جیسے اس نے سلیم کی مشاورت سے اداکاری نہیں کی۔ دراصل اپنے دل کی آواز کامنی تک پہنچا دی تھی۔ زندگی کے دس سال اسی پیشے میں گزارنے کے بعد'

درجنوں خطرناک اور جان لیوا مہمات سر کرنے کے بعد'

اپنے ملک وملت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد'

ایک روز

اس طرح بلا آخر وہ "را" کی تربیت یافتہ کسی فاحشہ کی زلفوں کا اسیر ہو جائے گا۔ یہ پچھتاوا اس کی جان کو آ گیا تھا۔

"نہیں..........نہیں۔"

اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

یہ تو ہمدردی کے جذبات ہیں۔ شاید اسے کامنی اگروال کی بے بسی پر رحم آ گیا ہے۔ شاید اسے ہمدردی ہے اس سے یہ محبت نہیں...... اس نے سوائے اپنے عظیم مشن کے' اپنے ملک و ملت کے' اپنے کاز کے اور کسی سے محبت کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ تو وطن سے اس کا عشق تھا جو اس

نے خود کو رضا کارانہ طور پر اس خطرناک فیلڈ میں دھکیلا تھا۔ ورنہ وہ تو آرمی آفیسر تھا۔ فوج کا باقاعدہ آفیسر جس کے کریڈٹ میں کئی کارنامے تھے۔ جب بھی وہ اپنی وردی پہنتا۔ اس کا سارا سینہ ان اعزازات سے بھر جاتا جو اس نے یکے بعد دیگرے حاصل کیے تھے۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

نیا باب

وہ اپنی یونٹ کا مایہ ناز کمانڈو تھا۔

محیر العقول کارنامے اس سے وابستہ تھے۔

اور.........

آج.........آج یہاں ایک لڑکی کے سامنے وہ ہتھیار ڈال رہا تھا۔

یہ لڑکی اسکی منزل نہیں تھی۔

یہ تو راستے کا کوئی سنگ میل ہو سکتا تھا۔ وہ عشق کرنے نہیں ہنواری کیمپ کو تباہ کرنے آیا تھا۔

میں اتنا کمزور نہیں ہوں کامنی اگروال۔ مجھے اپنا مشن پورا کرنا ہے۔ میں تمہارے ساتھ وہ تمام تخریب کاری کیمپ ایک ایک کر کے تباہ کر دوں گا۔ جن سے تربیت حاصل کرنے والے میرے ملک کے آستین کے سانپ میرے ملک میں تباہی و بربادی پھیلا رہے ہیں۔ نفرت کی فصل بو رہے ہیں۔ سلامتی کے لیے چیلنج بن گئے ہیں۔"

اس نے اپنے عزم کو دہرایا اور بڑے مضبوط قدموں پر کھڑے ہو کر کامنی کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

"کامنی اگر میرے کسی عمل سے تمہیں دکھ ہوا ہے تو مجھے معاف کر دینا۔ یہ میرا غیر

اختیاری عمل تھا۔ تمہیں دکھ دینا میرا مقصد نہیں تھا۔ میں تو اپنے دل کے ہاتھوں بے بس تھا۔"

اس کا دل نجانے کیوں بھر آیا' لیکن...... بڑی مردانگی سے اس نے اپنے آنسو ضبط کر لیے۔

دونوں نے بھیگی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں مسکرا دیے۔ اس لمحے کامنی کی آنسوؤں سے بھیگی مسکراہٹ نے اسے ایک نئی زندگی کا احساس دلایا۔ کامنی اب نارمل ہو چکی تھی۔ اس نے طاہر کو سب کچھ بتا دیا تھا اور اسے کہا تھا کہ "اب وہ ایک "سپیشل کیس" کی حیثیت سے اس کے مکمل اختیار میں آ چکا ہے۔ کم از کم ہماری دوران تربیت وہ کامنی سے الگ نہیں ہو سکتا۔"

"اور اس کے بعد.........؟"

نجانے کس طاقت نے یہ فقرہ نہ چاہتے ہوئے بھی طاہر کے منہ سے کہلوا دیا۔

"طاہر بھگوان کے لیے یہ بات دوبارہ کبھی نہ کہنا۔ کبھی نہ کہنا۔ مجھے آج میں ہی لینے دو صرف آج میں۔ کل کیا ہوگا؟ مجھے یہ سوچ ہی مار ڈالے گی۔"

اس کی آواز طاہر کو کہیں دور افق کے پار سے سنائی دے رہی تھی۔ اس لمحے وہ بالکل بدلی ہوئی کامنی تھی۔ جب وہ طاہر سے بات کر رہی تھی اس کے چہرے کی کرختگی اور چالاکی کی جگہ ایک عامی معصومیت سمٹ آئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ سب کچھ خود نہیں کہہ رہی کوئی اور طاقت اس سے کہلوا رہی ہے۔

دونوں خاموشی سے سامنے پہاڑ پر سورج کی روشنی سے سرخ ہوتے سبز درختوں کو دیکھتے رہے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ دونوں کے پاس کہنے کو تو بہت کچھ تھا لیکن دونوں کچھ نہیں کہہ پا رہے تھے۔

"آؤ تمہارا "ٹاسک" مکمل کر لیں۔"

اس نے شرٹ کی آستین سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" بوجھل دل سے طاہر نے کہا اور دونوں پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گئے۔ طاہر کی بجائے اس کا سارا کام وہ خود ہی کرتی جا رہی تھی۔ شاید وہ پوسوال کے لئے کوئی بہانہ باقی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنے تجربے کی بنیاد پر اس نے ایک گھنٹہ کا یہ کام بمشکل آدھ گھنٹہ میں مکمل کر لیا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

پھر طاہر کی جانب متوجہ ہوئی جو سحر زدہ معمول کی طرح اس سے بندھا چلا آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے' پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" اس نے بے تکلفی سے طاہر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ سوچتا ہوں کہ مجھ سے کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی۔ خدا جانے یہ سب کچھ......"

اسے اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے مناسب الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

"میں نے تو زیادتی کی شکایت نہیں کی مہاراج۔ اور اس کھیل کا آغاز بھی آپ ہی نے کیا ہے۔ اب خود ہی بھاگ جانے کے چکر میں ہو۔ طاہر اب تم بھاگ نہیں پاؤ گے۔ یاد رکھنا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جیپ کی طرف واپس چل دی۔ دونوں جیپ کے پاس کافی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود ان کے پاس مناسب الفاظ ہی نہیں رہے تھے۔ طاہر سوچ رہا تھا کہ اپنا کام مکمل کر کے جب وہ چلا جائے گا تو کامنی پر کیا گزرے گی۔ اور...... اس کے ساتھ طاہر کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا' اس کا تصور ہی بڑا لرزہ خیز تھا۔ طاہر نے پہلی مرتبہ خود کو عجیب سے مخمصے کا شکار پایا تھا۔ دونوں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

کامنی نے اس دوران آئندہ کے لائحہ عمل سے آگاہ کر دیا تھا اور خصوصاً اسے سمجھا دیا تھا کہ اسے پوسوال سے بچ کر رہنا ہے۔ اس نے پوسوال کے متعلق طاہر کو بہت کچھ بتایا تھا۔ کچھ اندازہ اسے پہلے ہی سے تھا اور باقی معلومات اسے کامنی اگروال نے بہم پہنچا دی تھیں۔

اس کی گفتگو کے خاتمے پر اس کے دل و دماغ نے پوسوال کے لیے کم از کم سزا موت تجویز کی تھی۔ کامنی اگروال کی زبانی اسے علم ہوا تھا کہ اس کے ملک میں ہتھوڑا گروپ اور دہشت پھیلانے والے دوسرے واقعات کا بانی بھی پوسوال ہے' جس نے روسی کمانڈوز کے ساتھ کے جی بی کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی۔ جہاں اسے زندہ جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے مار کر اس کا خون پینے کی تربیت دی گئی تھی۔

جہاں اسے دو دو ماہ تک گھنے جنگلات میں جنگلی پتے' درختوں کی چھال اور جانوروں سے پیٹ کی آگ بجھانے کی تربیت دی گئی تھی اور وہاں سے اپنے اندر سرائت کرنے والی ساری

درندگی وہ اب پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

کامنی نے اسے بتایا کہ دہشت پھیلانے کے نت نئے طریقے نکالنا کیپٹن پوسوال کا کام ہے اور ایس ایس پی کے کسی بھی کرنل سے زیادہ مراعات اور اختیارات کا مالک ہے۔ اس کیمپ میں موجود "را" کی جتنی بھی لڑکیاں ہیں' ان میں سے کسی کی بھی یہ مجال نہیں کہ اس کے حکم کی سرتابی کر سکے۔ اس نے طاہر سے صاف کہہ دیا تھا کہ پوسوال کو اگر واقعی یہ شک ہے کہ وہ کامنی میں دلچسپی لے رہا ہے یا کامنی اس میں دلچسپی لے رہی ہے تو وہ کسی مغالطے کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ ڈسپلن کی پابندی کے نام پر بظاہر کچھ بھی کرے گا لیکن اپنی شیطانی فطرت کی وجہ سے وہ ان دونوں کے لیے بے پناہ مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ انہیں اپنے انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر مار بھی سکتا ہے۔

کامنی نے اسے بتایا تھا کہ "آف دی ریکارڈ" کسی بھی کارروائی پر پوسوال سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو گی۔

طاہر جانتا تھا کہ کامنی اسے خوف زدہ نہیں کر رہی ہے بلکہ اسے ہوشیار کر رہی ہے اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب سانپ کے بل میں ہاتھ دے دیا ہے تو پھر ڈر کس بات کا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مشتاق اور سلیم اپنے مقررہ وقت پر وہاں پہنچ چکے تھے اور ایک مرتبہ پھر کامنی اگروال اپنے خود ساختہ روپ میں واپس آ گئی تھی۔ جیپ کو بھگاتی ہوئی وہ انہیں کیمپ میں واپس لے آئی۔

O O O

"مائی فٹ۔"

پوسوال نے اپنے سامنے دھرے کرنل بھاٹیہ کے تازہ ترین آرڈرز پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کاغذ کو اس طرح زمین پر دے مارا جیسے اپنی دانست میں وہ طاہر یا کامنی اگروال کو زمین پر پٹخ رہا ہو۔

"سالی نے اپنا یارانہ نبھانے کے لئے اب یہ بہانہ تراشا ہے۔"

اس نے کامنی کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ جو کچھ بھی مشتاق نے کہا تھا' وہ سچ ہی تھا۔ اب اس نے اپنی اگلی حکمت عملی طے کرلی تھی۔ اس بات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ وہ کامنی یا طاہر کو معاف کر دے۔ اس کے نزدیک اس جرم کی کم از کم سزا موت تھی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور............

اس نے دونوں کو سزائے موت دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اسے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار تھا۔ اگلے دس بارہ روز اس نے معمول کی ٹریننگ میں گزار دیے۔ اس دوران اس نے بھی طاہر کو اہمیت نہیں دی تھی البتہ وہ اس کے سامنے کامنی اگروال کے ساتھ بیہودہ مذاق ضرور کرتا رہا تھا۔

ایک دو مرتبہ تو طاہر کا خون بھی کھولا کیونکہ وہ اب کامنی سے متعلق کچھ عجیب و غریب جذبات کا شکار رہنے لگا تھا۔ لیکن............ کامنی اور پھر سلیم کی سختی سے دی گئی ہدایات کے تحت اس نے خود کو نارمل رکھا۔ سلیم کو اس نے ایک ایک لمحے کی مصروفیات سے آگاہ رکھا تھا۔

اس دوران کامنی اسے قریباً ہر دوسرے تیسرے روز اکیلے اپنے ساتھ "لانگ ڈرائیو" پر لے جاتی تھی اور گزشتہ تین چار روز سے طاہر کیمپ کے ایریا سے باہر نکلتے ہی خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر کسی غلط پہاڑی راستے پر مڑ جاتا اور کامنی اسے روک دیتی۔

طاہر اس دوران اس سے غلط راستے کی تفصیلات اس طرح جان لیتا تھا جیسے یہ سب معمول کی باتیں ہوں۔ قدرت اس کے لیے خود ہی آسانیاں فراہم کر رہی تھی۔

تین چار مرتبہ کیمپ سے باہر ڈیرہ دون کے پہاڑوں اور جنگلوں میں سے گزرتے راستوں پر سفر کرنے کے بعد اسے کم از کم کیمپ کے چاروں طرف فرار کے راستوں کا علم ہو گیا تھا۔ اب وہ بڑے اعتماد سے یہاں سے باہر نکل سکتے تھے اور کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی طاہر کا ضمیر اسے ملامت بھی کرنے لگتا تھا کہ وہ کہیں اپنے مقصد کی بجا آوری کے لیے کامنی اگروال پر ظلم تو نہیں کر رہا ہے۔

وہ جانتا تھا اس فرار کے بعد "را" کامنی کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اسے کامنی پر بہت رحم آتا تھا۔ لیکن............ اپنے مشن کی مقصدیت کے سامنے اسے یہ تمام جذبے ہیچ دکھائی دیتے۔ کامنی کو شاید باتیں کرنے کا جنون تھا یا پھر یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی نے پہلی مرتبہ سب کچھ کہہ دینے کا موقع دیا تھا اور اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے بچپن سے را تک ساری کہانی طاہر کو سنا دی تھی۔

○ ○ ○

طاہر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کامنی را کے تربیتی مراکز تک پہنچنا سوائے ایک جذباتی حادثے کے اور کچھ نہیں۔ وہ اندر سے مکمل عورت تھی۔ ایک بھرپور مشرقی عورت جو زندگی کے بیشتر فیصلے عقل کی بجائے دل سے کیا کرتی ہے۔

اس نے یہ فیصلہ بھی دل ہی دل میں کیا تھا جس کا خمیازہ آج تک بھگت رہی تھی۔ طاہر نے اندازہ لگایا کہ ان تخریبی کیمپوں میں وہ جو بھی خدمات سرانجام دے رہی تھی اس میں "ویش سیوا" کا جذبہ کم اور خوف کا عنصر زیادہ شامل اور نمایاں تھا۔ شاید اسے علم تھا کہ ایک مرتبہ را کی اکیڈمی سے سند ملنے کا مطلب ہے گرداب میں پھنس جانا۔ اب اسے ساری زندگی اسی گرداب ہی میں چکر کاٹتے بسر کرنی تھی۔ اس نے چونکہ اپنی مرضی سے اس دلدل کا انتخاب کیا تھا اب جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہی تھی اس میں اور زیادہ دھنستی چلی جا رہی تھی۔

طاہر سے متعلق کچھ یہی خیالات کامنی اگروال کے بھی تھے۔ اس نے بھی اندازہ لگایا تھا کہ وقتی جذباتیت اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والے انتقام کے اندھے جذبے نے اسے اس جہنم کی طرف دھکیل دیا ہے۔ جہاں اس کے لیے سوائے ذلت اور موت کے کچھ نہیں ہے۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ طاہر کو یہاں سے بھاگ جانے کے لیے کہہ دے۔ اس انکشاف کے بعد کہ اسے طاہر سے محبت ہو گئی ہے اسے اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی کا احساس ہوا تھا جیسے کسی نے ٹرانسپلانٹ کر کے اس کے اندر نیا دل رکھ دیا ہو۔ اپنے دھرم کے متعلق اس کے جذبات اور نظریات اس سے یا اس کے گھر والوں سے بھی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ بچپن ہی سے حیرت انگیز طور پر وہ اندر جانے سے ہچکچاتی تھی۔ البتہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر "بابا جی سرکار" کے مزار پر قوالی سننے ضرور چلی جایا کرتی تھی۔ گھر والے تب یہی سمجھتے تھے اور خود کامنی کا بھی یہی خیال تھا کہ اسے میوزک سے دلچسپی کی وجہ سے قوالی پسند ہے۔ اور یہی شوق اسے "بابا جی سرکار" کے پاس لے جایا کرتا تھا۔

گزشتہ چھ سال سے اسے بابا جی سرکار کے پاس بھی بمشکل چار پانچ مرتبہ ہی جانے کا موقع ملا تھا۔

○ ○ ○

اس روز جب دونوں اپنی معمول کی تربیت مکمل کرنے کے بعد شام ڈھلے مشاق اور

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

سلیم کو کیمپ میں چھوڑ کر اپنے معمول کے مطابق دوبارہ واپس جا رہے تھے اور پہاڑی سلسلے کے ایک قدرے محفوظ گوشہ عافیت میں قدرتی گھاس کے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھے باتوں میں مشغول تھے تو اچانک ہی طاہر کے الجھے ہوئے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کامنی نے ایسی بات کہہ دی کہ طاہر بے اختیار سن کر سیدھا ہو گیا۔

"طاہر کبھی کبھی میرا دل کہتا ہے کہ تم یہ سب کچھ غلط کر رہے ہو۔ یا شاید تم وہ نہیں ہو جو تم بظاہر دکھائی دیتے ہو۔ ان دونوں میں سے ایک بات سچ ہے پہلی یا دوسری۔ اگر تم نہ بھی بتانا چاہو تو بھی یہ بات صحیح ہے کیونکہ کبھی کبھی میری چھٹی حس مجھے بالکل صحیح بات کہہ دیتی ہے۔" اس نے اچانک ہی کہا۔

طاہر کو تو ایک دفعہ زوردار جھٹکا لگا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔ "ہاں کامنی تم صحیح کہتی ہو۔ میں بھی کبھی کبھی تمہارے متعلق یہی گمان کرتا ہوں کہ تم جو کچھ دکھائی دے رہی ہو' اصل میں وہ نہیں ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے تم نے زبردستی اپنی شخصیت پر کوئی خول چڑھا رکھا ہے۔ تم جیسی لڑکی کا انتخاب ایسے کاموں کے لیے میرے خیال سے تو مناسب نہیں۔ کہاں یہ مار دھاڑ' قتل و غارت گری اور کہاں تم......"

اس نے اپنی دانست میں سنبھل کر جوابی حملہ کیا تھا' لیکن .... اس روز نجانے کامنی کو کیا ہوا۔ وہ موضوع بدلنے پر تیار نہیں تھی۔

"طاہر میں جانتی ہوں کہ تم یہ بات برائے بات کر رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم کبھی سچ نہیں بتاؤ گے لیکن مجھے سچ کا علم ہے۔ میں دھرم پر کچھ ایسا اشواش تو نہیں رکھتی' لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے دیوی ماں نے مجھے کوئی ایسی شکتی دے دی ہے جو مجھے ان باتوں سے آگاہ رکھتی ہے۔ طاہر تم گھبراؤ نہیں۔ اگر کبھی وہ کچھ سچ بھی نکلا جو میرا وجدان کہہ رہا ہے تو بھی میں شاید دل کے ہاتھوں اتنی مجبور ہوں کہ وہ کچھ نہیں کر پاؤں گی جس کے لیے مجھے تنخواہ ملتی ہے۔ اور جو میرا "کرتوّے" (فرض) ہے مجھے علم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔

طاہر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے' کامنی کھڑی ہو گئی۔ "آؤ کہیں اور چلیں۔" اس نے زبردستی اپنی آنکھوں میں آئے آنسو روکے ہوئے تھے۔

"کامنی تم ...." طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن کامنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ کر خاموش کر دیا۔

"باقی باتیں پھر کبھی۔"

یہ کہہ کر وہ طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریباً کھینچتی ہوئی جیپ تک لے گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود بیٹھی تھی۔

جیپ کا رخ اب ڈیرہ دون شہر کی طرف تھا۔ طاہر سمجھ گیا تھا کہ کامنی اسی ہوٹل کی طرف لے جا رہی ہے جہاں وہ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ جا چکے تھے۔ یہاں وہ اسے ہمیشہ خصوصی "ٹریٹ" دینے کے لئے لے جایا کرتی تھی۔

"کامنی تم میری وجہ سے پریشان ہو گئی ہو کیا؟"

قریباً دس منٹ کی مسلسل خاموشی کے بعد طاہر نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کرتے ہوئے کامنی سے پوچھا' جس کو کامنی نے شاید گفتگو سے بچنے یا اپنے جذبات چھپانے کے لئے جیپ میں بیٹھتے ہی سٹارٹ کر دیا تھا اور جس کی آواز اب طاہر کو تکلیف دہ لگنے لگی تھی۔

"طاہر زندگی جتنی بھی ہے جتنا بھی ہمارا ساتھ ہے۔ یہ بات دوبارہ کبھی مت کہنا۔ مجھے اس سے بہت دکھ ہو گا۔ میں اپنی نہیں تمہاری وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔ تم' تم ...... میں کیا کروں۔ میں تمہیں کیا کہوں۔ طاہر تم اس دنیا سے نکل جاؤ۔ تم دھوکے کا شکار ہو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو غلط ہے۔ ایک دم غلط۔ کیا معاشرے سے انتقام لینے کے لیے کوئی اپنے گھر کو آگ لگا دیا کرتا ہے۔ وہ یہ کیسا انتقام ہے طاہر؟ تم اپنے دیش کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو گے۔"

اس نے اچانک ہی جیپ سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے روک دی تھی اور طاہر بھونچکاں اس کے منہ کی طرف ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے کان جو کچھ سن رہے ہیں' وہ واقعی کامنی اگروال کے منہ سے برآمد ہو رہا ہے۔

"طاہر حیران نہ ہونا' میں اپنے دیش سے غداری کر رہی ہوں۔ مجھے ایجنسی کی طرف سے تمہیں نصیحت کرنے کی نہیں' تمہیں ورغلا کر تمہارے ہاتھوں تمہارے ہی بھائی بندوں کے خلاف تباہی پھیلانے کی تنخواہ دی جاتی ہے' لیکن بھگوان جانے مجھ میں کہاں سے میرا ضمیر زندہ ہو

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جناح لائبریری و جلد ساز 0333 2116359

کیا ہے ... مجھے یہ اچھا نہیں لگتا ہے۔ تمہارے ہاتھوں یہ سب کروانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"
... کر وہ باقاعدہ اس کے کندھے سے سر لگا کر رو دی۔ طاہر چکرا کر رہ گیا۔ کہیں یہ فریب تو نہیں۔ کہیں اس کی اصلیت جاننے کے لیے "را" نے کامنی اگروال کو اس کے ساتھ تو نہیں چپکا دیا۔ اس کا دل یہ بات تسلیم نہیں کر رہا تھا' لیکن .... اسے دل کی نہیں عقل کی ہدایت پر عمل کرنا تھا۔

"کامنی پلیز نارمل ہو جاؤ پلیز۔ یہ ہم دونوں کے لیے خطرناک ہوگا۔ یہاں کوئی بھی آ سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

اس نے کامنی کی پیٹھ تھپکا کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

شاید کامنی نے بھی اس صورت حال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا کیونکہ وہ شہر کے نزدیک آ رہے تھے اور اب سڑک پر ٹریفک کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

"آئی ایم سوری۔"

کامنی نے اپنی آستین کے پلو سے اپنا چہرہ صاف کیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ آنسوؤں سے بھیگی اس کی یہ مسکراہٹ کسی تیزے کی انی کی طرح طاہر کو اپنے کلیجے میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

○ ○ ○

اس مرتبہ اس نے ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا تھا اور اپنی سیٹ پر بدن ڈھیلا چھوڑ کر آرام سے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ بیٹھا رہا۔ کامنی کی باتیں تکرار بن کے اس کے دل و دماغ میں گونج پیدا کر رہی تھیں اور وہ مسلسل ایک ہی گرداب میں پھنس کر رہ گیا تھا کہ کیا یہ کامنی کے دل کی آواز تھی؟ یا پھر وہ اسے "ٹریپ" کر رہی تھی۔

گو کہ بار بار سوچنے اور غور کرنے پر بھی اسے پہلی بات سچ دکھائی دیتی تھی' لیکن اس نے ابھی تک اس سچائی کو عقل سے تسلیم نہیں کیا تھا اور اپنے آپ سے سختی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دل کی باتوں پر فی الوقت کان نہیں دھرے گا۔

ڈیرہ دون آ گیا تھا۔

کینٹ ایریا کے خوبصورت ہوٹل "آکاش" کی پارکنگ میں کامنی نے جیپ کھڑی کر دی۔ اپنے وینٹی بیگ سے شیشہ نکال کر اس نے نظر اپنے چہرے پر ڈالی اور اپنی بے بسی پر شاید خود ہی مسکراتے ہوئے ٹشو پیپر سے چہرے کو ٹھیک کیا' پھر بظاہر حیرت انگیز طور پر نارمل ہوتے ہوئے طاہر کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتر آئی جو جیپ سے نیچے اتر کر اس کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

○ ○ ○

دونوں ابھی ہوٹل کے مین گیٹ پر ہی پہنچے تھے جب مین گیٹ کے سامنے تین کاریں یکے بعد دیگرے آ کر رکیں اور کسی نے "جے شری راکیش مہاراج کی" کا نعرہ لگایا۔ اس آواز پر اچانک ہی رک کر کامنی نے اس کی طرف گردن گھمائی۔

ایک مرسیڈیز کار سے "راکیش مہاراج" برآمد ہو رہے تھے اور ان کے چندہ میں چیلے چانٹے ان کے گرد حلقہ باندھے شاید انہیں ہوٹل کے دروازے تک اپنے جلو میں لے جانے کی تیار کر رہے تھے۔

"او مائی گاڈ۔ یہ کم بخت کہاں سے آ گیا۔ چلو واپس چلیں۔" کامنی نے طاہر سے کہا اور دونوں انہی قدموں پر واپس گھوم گئے۔

ضرور دال میں کچھ کالا تھا لیکن طاہر نے یہاں کچھ پوچھنا مناسب نہ جانا اور اس کے پیچھے پارکنگ تک آ گیا۔

کامنی نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا اور جیپ کا رخ شاید کسی دوسرے ہوٹل کی طرف کر دیا۔

طاہر چپ چاپ اس کے ساتھ بیٹھا اس کے افعال کا جائزہ لے رہا تھا۔

○○○

جناح لائبریری و جلد ساز 0333 2116358 پرویز روڈ اڈہ ذاہب چکوال

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامنی کے چونک جانے کا انداز اتنا فطری اور اچانک تھا کہ طاہر کو کچھ دیر کے لئے سیریس ہونا پڑا۔ اس نے ابھی تک سوامی کی ایک جھلک دور ہی سے دیکھی تھی لیکن اس کا سراپا ایک نظر دیکھنے پر بھی طاہر کے دل و دماغ پر نقش ہو گیا تھا۔

''کون ہے یہ؟''

اس نے حیران و پریشان کامنی سے دریافت کیا۔

''لعنت بھیجو۔ آؤ چلیں۔''

کامنی نے اپنی دانست میں یہ کہہ کر جان چھڑائی تھی۔

''لیکن......''

طاہر کا تجسس قائم تھا۔

وہ کامنی کے تعاقب میں کار پارکنگ ایریا کی طرف جا رہا تھا جہاں انہوں نے جیپ پارک کی تھی لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک وہیں جمی تھیں۔

سوامی اب ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا اور اس کے تعاقب میں آنے والی بھیڑ بھی اندر ہی چلی گئی تھی۔

دونوں ایک مرتبہ پھر جیپ میں بیٹھ گئے تھے۔

''شاید یہ موسم محبت کے لیے سازگار ہی نہیں۔''

کامنی نے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے کہا کیونکہ اس نے نوٹ کیا تھا کہ طاہر گزشتہ

تین چار منٹ سے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

''ہاں شاید۔''

اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر بظاہر کامنی کو یہ بتانا چاہا کہ اسے بھی افسوس ہو رہا تھا اور شاید وہ بھی آج کامنی سے بہت کچھ کہنا سننا چاہتا تھا۔

''کم بخت نے ساری شام برباد کر دی۔''

کامنی نے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''یہ سوامی جی مہاراج ہے کون؟ اور کوئی بھی ہو آخر......''

طاہر کی بات نامکمل ہی رہی۔ کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھو میں ابھی شاید تمہارے ہر سوال کا جواب نہ دے پاؤں۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا اس کے سامنے نہ جانا ہی دونوں کے لیے بہتر تھا۔ دیکھو طاہر میرا من کہتا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر ہو۔ یہ میں نہیں کہتی اپنے دیش کی طرف سے یا بھگوان کی طرف سے۔ بہر حال لگتا ہے کہ تم ایک دن اس سب کچھ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ کیونکہ تم اس سیٹ اپ میں ان فٹ ہو۔ شاید تم محض اپنے اشتعالی جذبے کی تسکین کے لیے یہاں تک آ گئے ہو۔ شاید تمہیں پرماتما کسی خاص مشن کے لیے تیار کر رہا ہے کیونکہ یہ سارا گورکھ دھندہ جو یہاں پھیلایا گیا ہے اس کا مقصد سوائے انسانیت کی تباہی کے اور کچھ نہیں۔ یہاں انسانوں کو حیوان بنایا جاتا ہے۔ انہیں درندے بنا کر اپنے ہی لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے اور تم ابھی تک انسانیت کی سطح سے گرے نہیں۔ ابھی مجھے تمہارے اندر وہ درندگی دکھائی نہیں دی جو یہاں آنے والوں میں نظر آتی ہے۔ یا تو تم بڑے اداکار ہو اور میرے ساتھ محبت کا جھوٹا کھیل رچا رہے ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر تمہیں ایک روز یہاں سے بھاگنا ہو گا' کیونکہ محبت کرنے والے اپنے بچوں کو بم دھماکوں سے نہیں اڑایا کرتے۔ اپنے ہنستے بستے گھروں' کھیتوں اور کھلیانوں کو اجاڑا نہیں کرتے۔ تم میری باتیں سن رہے ہو نا؟''

اس نے اچانک ہی جیپ سڑک کے کنارے گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑی کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

طاہر سہم کر رہ گیا۔

یہ بڑا بھرپور نفسیاتی حملہ تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اسے سنبھل کر جوابی وار کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا کامنی سچ کہہ رہی ہے۔ وہ بہر حال عورت تھی' جس کے دل میں اس نے اپنے جھوٹے سچے جذبے سے محبت کی جوت جگا کر اسے اس کی اصلیت کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔

وہ جانتا تھا کامنی سچ کہہ رہی ہے۔

لیکن.........

کیا یہ سچ اس کی اصلیت اگلوانے کے لیے بولا جارہا ہے؟ یا پھر کامنی اسے احساس دلا رہی ہے کہ وہ واپس چلا جائے گا کیونکہ اس کی زندگی کا جہاز کسی غلط سیارے پر لینڈ کر گیا ہے۔

یہ اس کی منزل نہیں۔

یہ تو سراب ہے......سراب......

کامنی اسے اس دھوکہ کی دنیا سے نکال دینا چاہتی تھی۔

اگر یہ سچ تھا تو کامنی اسی لمحے دنیا کی عظیم ترین عورت بن کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ اپنی زندگی کا ایسا جوا کھیل رہی تھی جس میں سوائے ہار کے اور کچھ نہیں تھا۔ جس کا انجام سوائے ایک اذیت ناک موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

طاہر کو ہالی وڈ کی وہ فلمیں یاد آ گئیں جو اس نے ویت نام کی جنگ پر دیکھی تھیں جہاں کسی جوا خانے میں بھرے ہوئے پستول کے ساتھ ہارنے والے کی کنپٹی پر یہ کہہ کر فائر کیا جاتا تھا۔ کہ میگزین میں ایک گھر خالی ہے اور دوسرا بھرا ہوا ہے اور ہر دفعہ پستول کا ٹریگر دبنے سے تماشائیوں کے دلوں کی دھڑکن کس طرح رک جایا کرتی تھی۔

آج حالات نے اس کے ہاتھ میں خالی میگزین والا پستول دے کر کامنی کو اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اب اسے کامنی اگروال کی کنپٹی پر گولی چلانی تھی۔

اور......

اس کا انجام کیا ہوتا؟

وہ بخوبی جانتا تھا۔

اس کے دل نے اسے گمراہ نہیں ہونے دیا تھا' لیکن آج نجانے کیوں طاہر کو لگا جیسے اس کا دل اس کا ساتھ چھوڑ رہا ہے کیونکہ وہاں سے کامنی کے متعلق کیے گئے سوال کا ایک ہی جواب آ رہا تھا۔

کامنی سچی ہے۔

وہ اس کی طرح اداکاری نہیں کر رہی۔

کسی کمزور ترین لمحے میں اس نے کامنی کی طرف کیوپڈ مہاراج کا جو تیر چلایا تھا' وہ سیدھا اس کے دل میں ترازو ہو گیا تھا۔

اور......

اسے احساس ہو گیا ہے کہ دیش بھگتی کے نام پر اس کی زندگی تماشا بن چکی ہے۔ یہ نوکری تو دلی اور بھارت کے دوسرے بڑے شہروں کے ہوٹلوں میں کرنے والی پیشہ ور کال گرلز سے بھی زیادہ بری تھی۔

وہاں تو ہر کال گرل کو اس بات کا علم ہوتا تھا کہ وہ جسم فروشی کی قیمت اپنی مرضی سے وصول کر رہی ہے۔

اور.........یہاں

یہاں اس کا جسم ہی نہیں' دل و دماغ بھی گروی رکھ کر ان کے آقا اپنی مرضی سے اپنی قیمت پر فروخت کر رہے تھے اور بکنے والی کے ہاتھ سوائے ایک بدنام پچھتاوے کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔

اپنی دوسری بہت سی دوستوں کی طرح آج کامنی اگروال کے ضمیر نے بھی اس سے دریافت کیا کہ ایک طرف تو ان کا دھرم مسلمانوں کو ملیچھ سمجھتا ہے اور دوسری طرف.........

بھارت ماتا کی اکھنڈتا کے نام پر ان کے جیون کا بلیدان (قربانی) کیا جا رہا تھا۔

انہی مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے جسم پیش کیے جا رہے تھے۔ اپنی دیش بھگتی کے نام پر حکم دیا جا رہا تھا کہ فلاں ایجنٹ کا بستر گرم کر کے اسے اپنے دام تزویر میں پھنسا لو تا کہ پھر وہ تمہاری زلفوں کا اسیر بن کر تمہارے اشاروں پر بندروں کی طرح ناچتا رہے اپنے ہم مذہبوں' ہم وطنوں کا خون بہاتا رہے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ سب کیا تھا؟

آخر یہ بڑے بڑے دھرماتما (مذہبی اور سیاسی لیڈر) کسے دھوکہ دیئے جا رہے تھے۔

گذشتہ تین چار سالوں میں کامنی نے کئی مسلمان نوجوانوں کو اپنے ناز و ادا سے "غداری" کے لیے آمادہ کیا تھا۔

اب تو اسے ڈھنگ سے ان کے نام بھی یاد نہیں آ رہے تھے۔

اور اسے اس کا معاوضہ کیا ملا؟

کچھ خصوصی اسائنمنٹ کچھ نقد انعامات......اور "ابراڈ پوسٹنگ" کا وعدہ

لعنت ہے۔

اسے اپنے آپ سے اپنے دھندے سے جسے پیشے کا نام دیا جاتا تھا' گھن آنے لگی تھی۔

"کامنی...... میں جانتا ہوں تم مجھ سے کیا سننا چاہتی ہو' لیکن ابھی میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے پاؤں گا۔ دراصل ہر سوال کا جواب اتنی جلدی دیا بھی نہیں جا سکتا۔ بہت سے سوالوں کے جوابات وقت دیا کرتا ہے۔ ہاں ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمہیں ان تمام سوالوں کا جواب ضرور ملے گا۔ میں تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک مخلص رہوں گا اور یہ کہ میں نے محبت کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے' ممکن ہے وہ پہلے جھوٹ ہی ہوں لیکن یہ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے اور اس سچ کی مجھے جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے میں ضرور ادا کروں گا۔"

اس نے کامنی کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اپنے الفاظ کے ذریعے سچائی کی ایسی طاقت اتار دی تھی جس نے کامنی کے ڈگمگاتے قدموں کو مضبوط کر دیا۔

اس کے دل و دماغ پر چھائے شکوک و شبہات کی گہری دھند جیسے سورج کی تیز کرنوں کے ساتھ اچانک تحلیل ہو گئی۔

اب سامنے کا منظر واضح تھا۔

کامنی کو اپنے تمام سوالوں کے جوابات مل گئے تھے۔ گو کہ یہ "آن دی ریکارڈ" جوابات نہیں تھے۔

لیکن............

طاہر کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کی سچائی نے اس کے اندر بیٹھے خوف اور وسوسوں کے سارے اندھیروں کو چاٹ لیا تھا۔

اب وہ بڑے صاف اور واضح ذہن سے کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔ اب اسے اپنے کسی غلط یا صحیح فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہ ہوتا۔

اور............

وہ یہی چاہتی تھی۔

اب وہ غلامی کے اس طوق کو جو ایک ہندو گھرانے میں جنم لینے سے اس کے گلے میں دھرم اور دیش بھگتی کے نام پر ڈال دیا گیا تھا' اتار کر پھینک سکتی تھی۔ مکمل اعتماد اور بھروسے کے ساتھ۔

ایک سرشاری کے عالم میں۔

فتح کے احساس سے۔

سربلندی اور فخر کے ملے جلے جذبات سے اس نے طاہر کی طرف دیکھا اور اس کے سراپے کو دو قالب اور یک جان بنا ڈالا۔

طمانیت کے یہ لمحات اسے اگلے جہانوں کی سیر کروانے لگے تھے۔ اسے اپنا وجود ہلکا ہو کر آسمانوں پر تیرتا محسوس ہونے لگا تھا۔

مدہوشی کی ایک رگ و پے میں سرایت کر جانے والی کیفیت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جب سامنے سڑک پر دور سے آنے والی کسی گاڑی کے ہارن کی آواز نے جو یہاں کی ٹیڑھی میڑھی پہاڑی سڑکوں کا موڑ مڑتے ہوئے سامنے سے آنے والے ڈرائیور بجایا کرتے تھے' کامنی کو عالم ہوش میں واپس لوٹا دیا۔

بادل نخواستہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور جیپ پھر سڑک پر رینگنے لگی۔

کافی دیر تک دونوں اپنے اپنے دل کی دھڑکن سنتے رہے۔ شاید دونوں ہی ایک دوسرے سے بات کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود آنکھ ملا کر بات نہیں کرنا چاہتے تھے' جیسے دونوں ایک دوسرے کے چور تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کی چوری پکڑ لی تھی۔ دس پندرہ منٹ خاموشی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

سڑک کے دو رویہ کھڑے تناور درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ جس میں جیپ کے انجن کی آواز بھی شامل تھی' دروازوں سے ٹکرا کر بڑی زوردار آواز پیدا کر رہی تھی اور دونوں خواب کے مسافروں کی طرح جیپ کو جہاز کی طرح اڑتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

ہنواری آنے والا تھا۔

ریسٹ ہاؤس والی سڑک سے وہ اپنی منزل کی طرف گھوم گئے۔

سڑک کے دو رویہ بجلی کے کھمبوں پر لٹکے بلبوں کی زرد روشنی سیاہ تارکول میں لپٹی سڑک پر پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ رہی تھیں۔

"سوامی اگر زندگی کے کسی موڑ پر مل جائے تو اس سے بچ کر رہنا۔ ایجنسی میں اسے کوئی بہت خصوصی حیثیت حاصل ہے۔"

اچانک ہی کامنی نے سامنے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور اسے چونکا دیا۔

"تھینک یو۔"

بے ساختہ طاہر کے منہ سے نکل گیا۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

کامنی نے پھیکی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

دونوں اب مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔

کامنی جیپ کو بیرک تک لے آئی تھی۔

"Please be normal"

اس نے طاہر کو اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنے اندر کے ڈر سے روشناس کرایا۔

"Please be brave"

طاہر نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا اور نیچے اتر گیا۔

اس نے مڑ کر کامنی کی طرف نہیں دیکھا تھا جو اس کے بیرک کو جانے والے راستے کی سیڑھیاں چڑھنے تک اس کی منتظر رہی' پھر طاہر کو جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور کامنی

آگے بڑھ گئی۔

○ ○ ○

دونوں اسی بات سے قطعی بے خبر تھے کہ ان کے گیٹ سے اندر داخل ہونے سے یہاں تک کے ایک ایک لمحے کا کیپٹن پوسوال نے اپنی نفرت بھری آنکھوں سے مکمل نظارا کیا ہے۔ مین گیٹ پر موجود اس کے مخبر نے انٹرکام کے ذریعے پوسوال کو جو اس وقت ٹی وی پر ایک بلیو فلم سے لطف اندوز ہو رہا تھا' دونوں کی آمد کی خبر دی تھی۔ اور پوسوال ٹی وی کا سوئچ آف کر کے پھرتی سے اپنی نائٹ ویژن (اندھیرے میں دیکھنے والی) دوربین آنکھوں سے لگا کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اس کا کمرہ رہائشی بلاک کے فرسٹ فلور پر تھا' جہاں سے سارا منظر بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔

غصے اور نفرت سے اس کے بدن پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ابھی جائے اور دونوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کر کے اپنی فتح کا جشن منائے۔ وہ ایسا کرنے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔

لیکن..........

کرنل بھاٹیہ نے "سپیشل کیس" کی فائل اس تک پہنچا کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ اس سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت کامنی کو اس کے بستر تک پہنچنے سے نہیں روک سکی تھی۔ وہ اتنا بااختیار تھا کہ جب چاہتا' یہاں موجود انسٹرکٹر لڑکیوں میں سے ایک کو بھی اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آتا۔

یہاں کی کسی لڑکی کی جرأت نہیں تھی کہ اس کی مرضی کے خلاف معمولی سا احتجاج بھی بلند کر سکے۔ اگر وہ کامنی کے خلاف اب "آن ریکارڈ" کوئی حرام کاری کرتا تو اس مسئلے کا سیریس نوٹس لیا جا سکتا تھا کیونکہ بریگیڈیئر ملہوترہ کی غیر موجودگی میں کرنل بھاٹیہ مکمل اختیارات کا مالک تھا اور ملہوترہ کا نزدیکی ساتھی ہونے کی وجہ سے بات کوئی غلط رخ بھی اختیار کر سکتی تھی۔

بریگیڈیئر ملہوترہ ہی کی وجہ سے تو وہ یہاں راجا بنا ہوا تھا۔ اس کی تمام تر بدمعاشیوں کی مکمل پشت پناہی ملہوترہ کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب اسے جو کچھ بھی کرنا تھا ''آف دی ریکارڈ'' کرنا تھا۔

اور..............

کسی معقول وجہ کے بغیر انتقام کی آگ میں سلگتے ہوئے پوسوال نے کامنی کو بڑی بھیانک سزا دینے کا فیصلہ کرلیا تھا' جس پر وہ اگلے آٹھ دس روز کے بعد ان کی ''فائنل ایکسر سائز'' کے وقت عمل کر سکتا تھا۔

رات کے اندھیرے میں ''ہٹواری کیمپ'' کے کچھ فاصلے پر گھنے جنگل میں اس نے اس فائنل ایکسر سائز کے موقع پر کامنی کی آبروریزی کے بعد اسے ''حادثاتی موت'' سے دوچار کرنے کا مکمل منصوبہ بنا لیا تھا۔

○ ○ ○

جنگل اور رات کے اندھیرے میں اسے شکار کھیلنے کا کتنا مزا آئے گا۔

کامنی کس طرح تڑپے گی اور وہ کتنی درندگی سے اس کی بوٹیاں نوچنے کے بعد اس کے جسم کو سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں پھینک دے گا جہاں تیز رفتار برفانی نالے میں سے کسی ایک نالے میں اس کی لاش پتھروں سے ٹکرانے کے بعد جب یہاں سے کچھ دور برآمد ہوگی تو اسے ''اتفاقی حادثہ'' لکھ کر کیس ختم کر دیا جائے گا۔ اپنی حیوانیت کے اس تصور سے ہی اس کے رگ و پے میں نشہ اترنے لگا۔ اس نشے کی کیفیت کو دوآتشہ کرنے کے لئے اس نے رم کی بوتل نکالی اور انٹر کام پر اگلے ہی روز ''ہٹواری سنٹر'' جوائن کرنے والی لڑکی کو اپنے کمرے میں پہنچنے کا حکم دیا۔

○ ○ ○

''آج بڑی دیر لگا دی۔''

اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلیم نے مشتاق کی طرف دیکھ کر آنکھ دباتے ہوئے مخصوص اشارے سے کہا۔

''آج میڈم اپن کو لمبے ٹرپ پر لے گئی تھی۔''

طاہر نے تماش بینوں کے سے لہجے میں اس طرح کہا کہ مشتاق وہی سمجھے جو وہ چاہتے ہیں۔

''یار تمہارے ساتھ سالی بڑی سیٹ جا رہی ہے۔''

سلیم نے جان بوجھ کر اگلا فقرہ کہا۔

''یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے پیارے۔ ذرا ادھر جا لینے دو۔ ایک دھماکہ کر کے ہی سالی کو اپنے قابو میں کرلوں گا۔ بس تم دیکھتے رہنا۔''

طاہر نے قہقہہ لگایا۔

سلیم کے ساتھ مشتاق نے بھی بادل نخواستہ ہی ان کا ساتھ دیا تھا۔

مشتاق اب حیلوں بہانوں سے ایسے سوال کر رہا تھا جس میں ان دونوں سے متعلق شک کا کوئی پہلو نکلے اور وہ اس سے پوسوال کو باخبر کر دے۔ پرانا ایجنٹ ہونے کے ناطے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ بسا اوقات کسی ایجنٹ میں خصوصی مہارت دیکھنے کے بعد ایجنسی اس کے ساتھ کسی لڑکی کو مستقل چپکائے رکھتی ہے تاکہ وقت آنے پر وہ اس گدھے کو اس لڑکی کے ذریعے بہتر طریقے سے استعمال کر سکیں۔ اسے یہ تو سمجھ آ رہی تھی کہ کامنی اور طاہر کے درمیان جو بھی معاملات چل رہے ہیں ان کا علم ایجنسی کو ہوگا۔

لیکن..........

اسے کیپٹن پوسوال کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے الگ کوئی بات تلاش کرنی تو تھی ہی۔ وہ اپنے انعام کی رقم میں اضافہ کروا سکتا تھا۔

رات کا کھانا انہوں نے حسب معمول ہال کمرے میں کھایا' جس کے بعد انہیں گزشتہ تین روز سے شروع ہونے والی رات کی تربیت کے لیے بلایا گیا۔ یہ خصوصی تربیت تھی جو انہیں آسام کے ایک کرنل نے دینی تھی۔

کھانے کے بعد پندرہ لڑکوں کے ایک گروپ کو وہ لوگ ایک فوجی ٹرک پر بٹھا کر یہاں سے ڈیرہ دون کی طرف لے گئے۔ یہ علاقہ جہاں وہ آئے تھے طاہر کے لیے بھی اجنبی تھا۔ حالانکہ اس نے کامنی کے ساتھ یہاں خاصی سرگشت کی تھی اور نزدیک و دور کی سڑکوں اور راستوں کو بھی اسے علم ہو گیا تھا۔

شاید بھارتی آرمی کی کوئی ٹریننگ فیلڈ تھی' جہاں انہیں ٹرک سے اتار کر کرنل صاحب کے سامنے پیش کیا گیا جنہوں نے باری باری تمام لڑکوں سے انہیں سوناڑ کے متعلق دی گئی تربیت سے متعلق سوالات پوچھے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

قریباً ایک گھنٹہ کے بعد انہیں ایک بڑے میدان میں لے جایا گیا جسے ان لوگوں نے ایک ریلوے پلیٹ فارم کی شکل دے رکھی تھی جہاں بالکل اسی انداز کے ریلوے کے ڈبے اور انجن موجود تھے جیسے پاکستان میں ہیں جب کہ دوسرے کونے پر پاکستانی بسیں کھڑی تھیں۔

یہاں کرنل نے ان سے باری باری ٹرین کے ڈبوں' بسوں اور لاریوں میں خفیہ طریقے اور برق رفتاری سے بم نصب کروانے کا عملی مظاہرہ کروایا۔

○ ○ ○

وہ سوائے تین لڑکوں کے اور کسی کی ٹائمنگ سے مطمئن نہیں تھا۔ ان کے ساتھ کیمپ سے آنے والے کیپٹن پوسوال سے اس نے بڑے طنزیہ انداز میں دو تین باتیں کر کے اپنی بے اطمینانی کا اظہار بھی کیا تھا اور اگلے چار روز تک مسلسل یہاں آ کر ان کی ٹائمنگ کو بہترین بنانے کی تلقین کی تھی۔

سپیشل سروس بیورو (ایس ایس بی) اپنے تربیت یافتہ تخریب کاروں کو تخریب کاری اور دہشت گردی میں اوج کمال تک پہنچانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

یوں تو بھارت میں بہت سے دہشت گردوں کے تربیتی کیمپ موجود تھے' لیکن اس کیمپ سے تربیت پانے والے ایجنٹ اپنے بہترین نتائج کی وجہ سے اپنے فن میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔

جن تین لڑکوں کی کارکردگی پر کرنل نے اطمینان کا اظہار کیا تھا ان میں ایک طاہر بھی تھا' جس کا مطلب یہی تھا کہ اب کیپٹن پوسوال کو مزید محتاط ہونا پڑا کیونکہ اب طاہر کا شمار اس کورس کے بہترین تربیت یافتہ دہشت گردوں میں ہونے لگا تھا اور اس کے خلاف کسی بھی کارروائی میں کسی انسٹرکٹر کے ذاتی تعصب کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

واپسی پر کیپٹن پوسوال کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ تمام راستے اپنے شاگردوں کو گالیاں دیتا آیا تھا۔ البتہ طاہر اور بنگلہ دیش کے دونوں لڑکوں کی اس نے بطور خاص تعریف کرتے ہوئے ان کے لیے مخصوص رقم کے انعام کا اعلان کر دیا تھا۔

اس نے بھی ایک لمحے کے لیے یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ اس کی اصلیت کو جانتا ہے۔

طاہر کو اب زیادہ انتظار نہیں کرنا تھا۔

اگلے ہفتے میں کسی بھی وقت یہاں بارشوں کا سیزن شروع ہونے والا تھا اور وہی ان

کے لیے کام کرنے کا بہترین وقت تھا۔

یہاں کے کڑے انتظامات کے سبب تو ابھی تک انہیں "سیف سگنل" (جاسوس اپنے ٹارگٹ تک محفوظ پہنچنے کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹرز کو جو سگنل دیتے ہیں) بھی نہیں بھیج سکے تھے لیکن انہیں علم تھا کہ ان کے "وابستگان" کو ان کی خیریت کی اطلاع ہو چکی ہو گی کیونکہ وہ اکیلے ہی یہاں نہیں تھے۔

بہت کچھ ممکن تھا۔

عین ممکن تھا کہ یہاں کوئی اور بھی ان کی طرح ایسے ہی کسی مشن پر بھیجا گیا ہو۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اپنے افسران اور ان کے درمیان جو ایک روحانی واسطہ ہر وقت موجود رہتا ہے اس نے انہیں ضرور طاہر اور سلیم کی خیریت سے آگاہ رکھا ہو گا۔

جاسوسی اور تباہ کاری کے اس کھیل میں سب کچھ طے شدہ اصولوں کے مطابق ہی نہیں کھیلا جاتا۔ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے جب حالات اور واقعات خود ہی نئے رولز اور ضابطے بناتے چلے جاتے ہیں۔

○ ○ ○

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی' جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچے۔ کیپٹن پوسوال جان بوجھ کر اسے اس کے کمرے تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس دوران اس نے جی بھر کے طاہر کو اس کی استعداد کار کی داد دی تھی اور دوسرے ہی روز اس کا نقد انعام بھی اس تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔

تینوں کو ان کے کمرے تک پہنچا کر وہ "گڈ نائٹ" کہہ کر واپس چلا گیا۔ اس دوران وہ تینوں سے باتیں کرتا آیا تھا۔

لیکن.........

کیا مجال جو اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ایسا تاثر دیا ہو کہ وہ پہلے سے مشتاق کو جانتا ہے یا اس کا مشتاق سے کوئی تعلق بھی ہے۔

صبح چونکہ ان کی چھٹی تھی اس لیے تینوں دیر گئے تک لمبی تان کر سوتے رہے' البتہ طاہر کی آنکھ معمول کے مطابق کھل گئی اور بیدار ہوتے ہی کاشی ایک سوال بن کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی' جس کے بعد وہ پھر سو نہیں پایا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس کے ضمیر نے اس سے ایک ہی بات دریافت کی تھی کہ کیا وہ واقعی کامنی کو "را" کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جائے گا تاکہ وہ اس کے تمام جرائم کی قیمت پھر کامنی سے وصول کرتے رہیں۔

طاہر جانتا تھا کہ یہاں جس مشن پر وہ آئے ہیں اُسے مکمل کرنے کے بعد اگر وہ زندہ نکل جانے میں کامیاب ہوئے تو پھر کامنی کو دنیا کی کوئی طاقت ایس ایس پی کے تفتیشی مرکز میں جانے سے نہیں بچا سکتی جہاں وہ لوگ اس کے جسم کی بوٹی بوٹی الگ کر کے اس کے منہ سے سارا سچ اگلوا لیں گے۔ گو کہ کامنی کو اس کے عزائم کا علم نہیں ہے لیکن اس نے جھوٹا یا سچا اپنے اور اس کے درمیان جو تعلق قائم کر لیا تھا اس کے بعد کامنی کو ایس ایس پی زندہ درگور کر دے گی، پھر وہ کیا کرے گی۔

کامنی سے تعلق کو توڑنا اب اس کے اختیار میں تو نہیں رہا تھا۔

یہ بات وہ جانتا تھا کہ ایک مرتبہ اگر کامنی کو ڈاج دے کر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو اس کا ضمیر ہی ساری زندگی اسے کچوکے دیتا رہے گا۔

لیکن............

کیا محض اس کی خواہش سے کامنی اس کے ساتھ چل دے گی؟

کیا اس کے لیے اپنے گرد و پیش اتنی مضبوط اور لاتعداد زنجیروں کو توڑنا ممکن رہے گا؟

بہت سوچ بچار کے بعد وہ بہرحال ایک نتیجے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حالات نے آخری مراحل پر کامنی اور اس کو آپس میں ٹکرا دیا تو وہ کامنی کو یہ آفر ضرور کرے گا کہ وہ اگر چاہے تو طاہر اسے ایک نئی زندگی سے آشنا کروا سکتا ہے۔ اس کے اندر نیکی کی جو شمع جل تھی اسے جلائے رکھنے میں اس کی معاونت کر سکتا ہے اور اس کے ضمیر سے اٹھنے والے تمام سوالات سے اسے نجات بھی دلا سکتا ہے۔

اس کے بعد کامنی کیا فیصلہ کرتی ہے؟

یہ اس کی قسمت۔ اگر وہ انکار بھی کرے تو بھی اس کا ضمیر تو مطمئن رہے گا کہ اس نے کامنی کے ساتھ غداری نہیں کی۔ اپنے ایمان سے بے وفائی کا مرتکب نہیں ہوا اور اپنی پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے مسلمان ہونے کو نہیں بھلایا۔ اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق اپنا

فرض ادا کیا ہے۔

○ ○ ○

اگلے تین روز کیسے گزر گئے" طاہر اور کامنی کو علم نہ ہو سکا۔ البتہ ان تین دنوں میں طاہر نے بالکل غیر جانبداری سے کامنی کی شخصیت کا مکمل جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ کامنی اگروال کی "کایا پلٹ" ہو چکی ہے۔

وہ ایک بدلی ہوئی لڑکی تھی۔

اس کے اندر کوئی بہت بڑی انقلابی تبدیلی جنم لے چکی تھی جو نہ صرف اس کے بلکہ سارے ہندو سماج کے لیے بہت دھماکہ خیز ثابت ہو سکتی تھی۔

ان تین دنوں میں اس نے طاہر پر مسلسل ایک ہی دباؤ ڈالا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ اس نے طاہر سے کہا تھا کہ اسے فرار ہونے میں مدد دینے کے لئے وہ تیار ہے۔ خواہ اس کی اسے کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

جب طاہر اس سے دریافت کرتا کہ وہ اسے یہاں سے بھاگ جانے پر کیوں مجبور کر رہی ہے تو اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ یہ طاہر کی دنیا نہیں ہے۔ وہ نہ یہاں اپنی مرضی سے آیا ہے، نہ ہی رہ پائے گا۔ اس سے پہلے کہ یہاں کے مکین اس کی اصلیت جان جائیں، وہ بھاگ جائے۔

"اور تم............؟"

"میں یہ سروس چھوڑ دوں گی۔"

طاہر کے سوال کا اس نے ایک ہی جواب دیا تھا۔

"تم جانتی ہو کامنی ایک مرتبہ اس دلدل میں اترنے کے بعد اس سے نکلنا ممکن نہیں۔ تم یہ سروس اپنی مرضی سے جوائن کر سکتی تھی اپنی مرضی سے چھوڑ نہیں سکتی۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔"

طاہر نے اسے کہا۔

"تمہیں اس سے کیا۔ کیا وہ مجھے مار ڈالیں گے ناں، مار ڈالیں، مر جانے دو مجھے، مجھے اپنی اس زندگی سے گھن آنے لگی ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے۔ فاحشہ عورت کی زندگی لعنت ہے۔"

وہ چڑ کر جواب دیتی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"لیکن یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

طاہر نے اس روز کہا۔

"تو پھر تم کیا برداشت کر سکتے ہو۔ مجھے لے جاؤ گے اپنے ساتھ۔ کر سکو گے ایسا تم؟"

اس روز کامنی نے گویا اس کے اعصاب پر ایٹم بم چلا ہی دیا۔

"کامنی تم سچ کہہ رہی ہو۔"

اس نے کامنی کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہنے کے باوجود تمہارے ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتی۔"

کامنی نے اس سے نظریں ملاتے ہوئے سچ بولا۔

"دیکھ لو کامنی۔ یہ آسان کام نہیں' یہ بہت بڑا فیصلہ ہے' تمہارے اور میرے درمیان ملک ہی نہیں' مذہب کی دیوار بھی حائل ہے' کامنی تم یہ دیوار چین عبور کر لو گی؟"

کامنی کو اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں۔ اگر تم میرے ساتھ ہو۔ اگر تم اپنے ایمان کے مطابق میرا ساتھ دو تو میں دنیا کی تمام دیواریں پھلانگ جاؤں گی۔ طاہر مجھے اب یہ زندگی نہیں جینا۔ مجھے اس زندگی سے اب گھن آنے لگی ہے۔ نفرت ہو چکی ہے۔ مجھے اب ایک مشرقی عورت کی زندگی جینا ہے یا پھر میں مر جاؤں گی۔"

کامنی کے لہجے کے اعتماد نے طاہر کو لرزا کر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے کامنی۔ اگر تم تیار ہو تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گی۔ اور ہاں میں دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اتنا آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔ اب موت کو تم تک پہنچنے کے لیے مجھ سے ٹکرانا ہو گا۔ ہاں کامنی پہلے مجھ سے۔"

اس نے کامنی کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر مضبوطی سے دبایا۔

طاہر نے اب بھی احتیاط برتی تھی اور اسے اس دن سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ بس یہی کہا تھا کہ اگلے دو تین روز میں وہ بھاگ جائیں گے۔

"کل تمہاری فائنل ریہرسل ہے۔ میں تم تینوں کے ساتھ بطور انسٹرکٹرز جاؤں گی۔ اس

ریہرسل میں پندرہ لڑکے حصہ لیں گے جن کے انسٹرکٹرز بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اگر تم کہو تو یہ موقع بہت مناسب ہے۔"

کامنی نے کہا۔

"تو۔ کیسی بات کرتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ ان لوگوں نے ریہرسل کے لیے سارے علاقے کو گھیرے میں لیا ہو گا کیونکہ دھماکوں کی آواز دور تک جاتی ہے۔ میرے خیال سے ہماری کے گرداگرد پندرہ بیس میل کا ایریا تو انہیں "لینڈ لاک" کر دیا ہو گا۔"

طاہر نے عندیہ ظاہر کیا اور اس کے لیے اپنا مشن مکمل کیے بغیر یہاں سے فرار ہونا ناممکن تھا۔

"اوہ اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا تھا۔"

کامنی نے اسے نظروں ہی نظروں میں داد دی۔

"دیکھو کامنی تم مجھے ہمیشہ نارمل رہنے کی تلقین کرتی ہو۔ آج میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ اب تم بالکل نارمل رہو اور خاص طور سے پوسوال پر نظر رکھنا۔ مجھے وہ بہت کینہ پرور شخص نظر آتا ہے۔ اس سے کچھ بعید نہیں ہے۔"

"اوہ۔ طاہر ہمیں اب چلنا چاہیے۔"

کامنی نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر اپنے اپنے عہد کو پورا کرنے کی یقین دہانی ایک دوسرے کو دلائی اور حاصل کی تھی۔

آج ان کے کورس کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا تھا اور وہ فائنل ریہرسل پر جا رہے تھے۔ انہیں یہاں سے دس میل دور ایک گھنے جنگل میں جانا تھا جہاں ان کے لیے "ٹارگٹ ڈمیاں" رکھی ہوئی تھیں۔ ہر ایجنٹ کو اپنا ٹارگٹ مقررہ مدت میں ہٹ کر کے اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچنا اور اپنے اپنے انسٹرکٹرز کو رپورٹ کرنا تھی۔

انہیں داخلے اور فرار کے راستے سمجھانے کے ساتھ ساتھ یہاں "واچ ڈاگ ڈمیاں" بھی موجود تھیں جن سے انہیں بچ کر کام مکمل کرنا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

○ ○ ○

رات ایک پہر ڈھل چکی تھی جب ان تینوں کی ٹیم اپنی انسٹرکٹر کامنی اگروال کی سربراہی میں یہاں پہنچی۔ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ یہاں آنے والی پہلی ٹیم ہے یا آخری۔ کیونکہ یہاں جنگل میں جو لوگ بھی آپریٹ ہٹ کر رہے تھے ان سب کو ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل رہ کر اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

روانگی پر جب چند سیکنڈ کی تنہائی طاہر اور کامنی کو میسر آئی تو کامنی نے چھوٹتے ہی اس سے کہا۔

"پوسوال اچانک تین دن کی رخصت پر چلا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی ماں بستر مرگ پر ہے اور اس کا جانا ناگزیر ہے۔ ایمرجنسی چھٹی لے کر یہاں سے بہت کم لوگ ہی جایا کرتے ہیں۔"

کامنی کے خبر بتانے کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔

طاہر کا ماتھا فوراً ٹھنکا۔

اس کی چھٹی حس نے بتایا کہ کیپٹن پوسوال سابقہ "سیچز" بھی ہے۔ اب اس جنگل میں ان کا شکار کھیلے گا کیونکہ ایسی کارروائیاں یہاں آف دی ریکارڈ ہی کی جاتی ہیں لیکن اس نے کامنی کو پریشان کرنا مناسب نہیں جانا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"طاہر تم ہوشیار رہنا۔ میں خود ساری کارروائی مکمل کرلوں گی۔ تمہاری او۔کے رپورٹ دے دوں گی لیکن بھگوان کے لیے تم.........."

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب مشتاق انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا لیکن طاہر نے اسے ہاتھ اور آنکھوں کے اشارے سے مکمل اطمینان دلانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی چاروں اپنے لیے مخصوص کردہ جگہ پر پہنچ گئے۔

آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے کیونکہ یہاں اب کسی بھی لمحے بارش شروع ہونے والی تھی۔

اندھیری رات اور جنگل کے سناٹے نے فضا میں ایک بے نام سا خوف بٹھا دیا تھا۔

کامنی نے جیپ کے بونٹ پر نقشہ بچھا کر انہیں جنگل کی لوکیشن سمجھائی اور مشتاق کے بعد پانچ منٹ کے وقفے سے سلیم کو بھی جنگل میں دھکیل دیا جس کے بعد طاہر کی باری تھی۔ جیسے ہی طاہر نے قدم آگے بڑھایا اس نے طاہر کا بازو تھام لیا۔

"تم نہ جاؤ۔"

کامنی نے بڑے ملتجی لہجے میں کہا۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا۔ کیوں ان لوگوں کو شک میں مبتلا کر رہی ہو۔"

طاہر نے اپنا بازو آہستگی سے چھڑا لیا۔

اور..........

اس کی طرف دیکھے بغیر جنگل کے گھنے سلسلے میں اپنے بیگ سمیت غائب ہوگیا۔

دو روز پہلے ہی اسے کرنل بھاٹیہ نے طلب کیا تھا۔

"یس سر۔"

خلاف معمول کیپٹن پوسوال نے کرنل بھاٹیہ کے کمرے میں داخل ہوکر دونوں ایڑیاں بجاتے ہوئے اسے ضرورت سے زیادہ ہی تعظیم دی تھی۔

کرنل نے کھڑے ہوکر اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس کی خیریت دریافت کر کے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"کل فائنل ریہرسل ہے۔ اس مرتبہ ٹارگٹ اور ٹائمنگ چارٹ تم تیار کرو۔"

میری خوش قسمتی ہے جناب اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔ آج شام کو میں آپ کی میز پر سارا "بلیو پرنٹ" بنا دوں گا۔

اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید ہے کیپٹن پوسوال۔"

کرنل بھاٹیہ نے اپنی بھاری مونچھوں کے عقب سے دانت چمکاتے ہوئے کہا۔ یہ جنگل پوسوال کے لیے بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ گذشتہ تین سال سے وہ یہاں دہشت گردوں کو تربیت دیتا آرہا تھا۔ اسے یہاں کے ایک ایک چپے کا علم تھا اور اس بات کا بھی کہ فائنل پلان تیار کرنے کے لیے کرنل بھاٹیہ کے بتواری مرکز میں اس سے زیادہ سینئر اور سمجھدار آفیسر اور کوئی نہیں۔ اسے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دراصل اس دن کا انتظار تھا۔

گذشتہ ایک ماہ سے وہ جس انتقام کی آگ میں جل رہا تھا اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے اسے اب موقع ہاتھ لگا تھا۔

○ ○ ○

اب اس کی حس حیوانیت کی تسکین ہمیشہ کے لئے ہونے والی تھی۔ اب وہ روسی کمانڈوز "سپیٹنز" کے ساتھ کی جانے والی اپنی تربیت بروئے کار لانے والا تھا۔ اس تربیت میں انہیں زندہ جانور کا پتھر اور لکڑی کے ساتھ شکار کرنے کے بعد اس کے خون سے اپنی پیاس بجھانے اور بھوک بجھانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اسے آج بھی اپنی بھوک اور پیاس بجھانی تھی۔

اسے سائبیریا کے سرحدی علاقوں کے وہ دیہات یاد آنے لگے جو روسی سپیٹنز کی آمد پر اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ جایا کرتے تھے کیونکہ ان کے زیر تربیت درندوں کے لیے انسانوں کی حیثیت بھی جنگلی پرندوں سے زیادہ نہیں رہ جاتی تھی۔ گر گاؤں کی اکا دکا دوشیزہ بھی لکڑیوں کی تلاش میں کسی برفیلے جنگل میں ان کے قابو آ جاتی تو وہ اسے جانوروں کی طرح نوچ کر اپنی پیاس بجھانے کے بعد جنگلی درندوں کی خوراک بنانے کے لئے پھینک کر آگے نکل جاتے تھے۔

دو تین روز کے بعد جب دیہاتیوں کو مسخ شدہ لاش ملتی تو وہ بے چارے پہلے پہل یہی سمجھا کرتے تھے کہ شاید یہ جنگلی جانوروں کا کارنامہ ہے۔ اس کا علم تو انہیں بعد میں ہوتا تھا کہ یہ جانوروں کا نہیں' انسان نما درندوں کا کارنامہ ہوتا تھا جن کو "سپیٹنز" کہا جاتا ہے اور جو روس کی ریڈ آرمی کے مایہ ناز کمانڈوز تھے۔

ایک مرتبہ اس نے بھی اپنے روسی ساتھی کے ساتھ ایک ایسی ہی لڑکی کا شکار کھیلا تھا اور اس شکار کا مزہ بھی دونوں نے ہی لیا تھا' جس کے بعد انہوں نے بدقسمت لڑکی کو بے رحمی سے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس کے زخم خوردہ جسم کو وہیں ایک گہرے کھڈ میں پھینک کر اپنی راہ لی تھی۔

اس شکار کا نشہ جب بھی اسے یاد آتا' وہ باؤلا ہو جاتا۔ اس کی حس درندگی کو جتنی تسکین وہاں پہنچی تھی' اس کے بعد پھر سری لنکا ہی میں اس نوعیت کا شکار مل سکا جب وہ بھارتی امن فوج کا ایک آفیسر بن کر "بٹی کلاؤ" میں گیا تھا جہاں انہوں نے تامل ٹائیگرز کے خلاف کارروائی کی اور

ایک جگہ جنگل میں رات کو گشت کے دوران جب ایک تامل لڑکی اس کے قابو میں آئی تو وہ تڑپتی مچلتی اس لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی خفیہ پناہ گاہ پر لے آیا تھا جہاں اس نے اپنے ایک کورس میٹ کے ساتھ مل کر سائبیریا کی یاد تازہ کی تھی جس کے بعد انہوں نے لڑکی کو مار کر پھینک دیا تھا۔

دو سال بعد تک اس درندگی کا مزہ تازہ رہا۔

اب تو وہ بڑی تشنگی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اب اسے واقعی اپنے خون کی حدت قائم رکھنے کے لیے کسی ایسے شکار کی تلاش تھی۔

اور......

اب وہ کامنی اگروال کا شکار کھیلنے جا رہا تھا۔

سالی' حرام خور مجھے چھوڑ کر اس مسلے کے ساتھ یارانہ لگا رہی ہے۔ کتے کی بچی!

اس نے دل ہی دل میں نجانے کتنی گالیوں سے کامنی کو نوازا تھا۔

اس نے اپنے وعدے کے مطابق بروقت نقشہ کرنل بھاٹیہ تک پہنچا دیا تھا۔

"ویل ڈن۔"

بھاٹیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

واقعی کیپٹن پوسوال اپنے کام کا ماہر تھا۔

"سر! میری خواہش تھی کہ اس مرتبہ بھی میں خود نگرانی کرتا لیکن بدقسمتی سے میں ایسا نہیں کر پاؤں گا۔ ماتا جی بستر مرگ پر ہیں اور آپ تو جانتے ہیں' میرے پتا جی بھی جب سورگباش ہوئے تو میں شتواری کیمپ میں تھا۔ اس مرتبہ بھی اگر ایسا ہوا تو میرے خاندان کے لوگ شاید مجھے برادری ہی سے نکال دیں۔"

اس نے موقع مناسب دیکھ کر کہا۔

"اوہ۔ آل رائیٹ۔ تم آ جاؤ۔ واقعی سیریس مسئلہ ہے۔ کوئی بات نہیں ٹنڈو کر ہے ناں۔ اس کو آخر کس بات کی تنخواہ ملتی ہے بھئی۔"

کرنل بھاٹیہ نے قہقہہ لگایا اور پوسوال نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

اس طرح وہ اگلے تین دن کی چھٹی لے کر اسی رات شتواری کیمپ سے چلا گیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیمپ کی حدود سے باہر نکلتے ہی اس نے اپنے اردلی کو گاڑی واپس لے جانے کا حکم دیا تھا اور جیپ کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی جنگلی سلسلے میں غائب ہو گیا۔

ساری رات کیپٹن پوسوال نے جنگل میں گزاری۔ ساری رات وہ پیدل چلتا رہا اور پو پھٹنے کے نزدیک اس جنگل تک پہنچ گیا جہاں اس نے اپنا شکار کھیلنا تھا۔ اپنے ہاتھوں تربیت کے لئے تیار کردہ سارا نقشہ اس کے ذہن پر نقش تھا۔ اس نے بڑے اطمینان سے ایک گھنے درخت کا انتخاب کیا اور اب وہ اس درخت پر اپنے بیگ سمیت بندر کی پھرتی سے چڑھتا چلا گیا۔

○ ○ ○

سالوں پرانے اس گھنے درخت کی گھنی شاخوں میں۔ جس کے پتوں سے چھن کر سورج کی روشنی بھی بمشکل زمین تک پہنچ پاتی تھی اس نے بڑے اطمینان سے نائیلون کی جالی کی مدد سے اپنا بستر جمایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

چار گھنٹے وہ اطمینان سے سوتا رہا۔ اس کی آنکھ نیچے موجود ٹھنڈو لکر اور اس کے ساتھیوں کی آوازوں سے کھلی جو یہاں ڈمی ٹارگیٹ اور واچ ڈاگ سیٹ کرنے آئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ چلے گئے۔

ان کی روانگی پر پوسوال درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنے بیگ سے ڈبہ کھول کر اطمینان سے کھانا کھایا۔ سگریٹ نوشی کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ چونکہ اس نے خود یہاں پانچوں گروپوں کا پروگرام بنایا تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ کب ان کی آمد شروع ہو گی۔

ان کی آمد سے ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ اپنے ٹھکانے پر واپس چلا گیا' لیکن زمین پر اس نے اپنے کپڑے تبدیل کر لیے تھے اور سیاہ رنگ کا وہی لباس پہنا تھا جو وہ پہنا کرتا تھا۔ اپنے چہرے پر سیاہ ماسک چڑھا کر وہ دوبارہ درخت پر چڑھ گیا۔ اب اسے کاشی کا انتظار تھا۔

کاشی اپنے ساتھیوں کے ساتھ جیسے ہی اس پہاڑی موڑ تک پہنچی' جس سے راستہ اس ٹیلے تک آ رہا تھا۔ وہ کیپٹن پوسوال کی نائٹ ویژن کی رینج میں آ گئی۔ وہ جیپ پر نظریں جمائے چوکس بیٹھا تھا اور اب اسے اپنے شکار کا انتظار تھا۔

کاشی نے جیپ نیچے ہی کھڑی کر دی تھی اور اب وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے بعد اوپر آ رہی تھی۔ جس درخت پر وہ بیٹھا تھا' زمین سے اس کی اونچائی یہاں ڈیڑھ سو فٹ سے بھی

زیادہ ہی تھی۔

اس نے کاشی کو طاہر کا ہاتھ پکڑ کر روکتے اور طاہر کو ہاتھ چھڑا کر جانے کا منظر بھی دیکھ لیا تھا۔

یہ منظر دیکھنے کے بعد سے اس کے جسم میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے لگے تھے۔ اب اس میں صبر کی تاب نہیں تھی۔ کاشی اس درخت سے کچھ فاصلے پر ایک قدرے کھلی جگہ پر ایک پتھر پر آ کر بیٹھ گئی تھی جہاں اسے دو گھنٹے تک رہنا تھا۔ اس دوران اس کے ساتھیوں نے اپنے اپنے ٹارگٹ ہٹ کر کے "واچ ڈاگز" کی نظروں سے خود کو محفوظ کر کے وہاں تک پہنچنا تھا۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاہر کو جنگل میں گئے بمشکل پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ بندروں کی طرح بغیر آواز پیدا کیے نائیلون کی ایک چھوٹی سی رسی اپنے منہ میں دبائے درخت سے اس طرح نیچے اترا تھا کہ کامنی کو معمولی سی آہٹ بھی نہیں ہو پائی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ کامنی کے سر پر موجود تھا۔

"ہائے کامنی ڈارلنگ"

اپنے خیالوں میں گم کامنی کے کانوں میں اس کی آواز پگھلتے ہوئے سیسے کی طرح اتری تھی۔

"تم۔"

اس نے بیٹھے بیٹھے گردن گھمائی اور چاندنی کی روشنی میں اپنے سامنے کیپٹن پوسوال کو دیکھ کر سہم گئی۔

"ہاں میں۔ کیا بات ہے تم ڈر گئی کیا۔ ارے بھئی میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہارا پرانا یار۔"

یہ کہتے ہوئے وہ جست لگا کر کامنی پر اس طرح گرا کہ ایک ہاتھ اس کے منہ پر سختی سے جما دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے کامنی کو اس طرح جکڑ لیا تھا کہ اس کے لیے اپنی جگہ سے جنبش کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ پلک جھپکتے ہی اس نے نائیلون کی رسی سے کامنی کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا تھا۔

ابھی وہ بمشکل سیدھا ہی کھڑا ہوا تھا کہ اس کی کمر پر پڑنے والی زوردار لات نے اسے سامنے درخت سے ٹکرا دیا۔

غصے اور حیرت سے پوسوال نے گردن گھمائی' سامنے طاہر کھڑا تھا۔

طاہر نے اس کی موجودگی کے امکان کو ذہن میں رکھا تھا۔ اس نے کامنی کی بات کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور بظاہر اسے یہ تاثر دینے کے بعد کہ وہ جنگل میں گھس چکا ہے' وہ یہیں زمین سے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

اندھیرے کی وجہ سے وہ پوسوال کو درخت سے اترتے تو نہیں دیکھ سکا تھا' البتہ اس نے کامنی کے منہ سے نکلنے والی ہلکی سی چیخ نما آواز کے ذریعے حالات کی سنگینی کا اندازہ کر لیا تھا۔

کامنی تک پہنچنے سے پہلے پوسوال نے اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے تھے۔

زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر پوسوال نے اس کی طرف دیکھا۔

اور............

مغلظات بکتا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔

لیکن............

طاہر نے بمشکل اس کا وار خالی کر دیا۔

پوسوال کا وار ضرور خالی گیا تھا لیکن اس کے قدموں نے زمین نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑا تھا۔ پھر اچانک اس نے بالکل خلاف توقع الٹی قلابازی لگائی اور طاہر پر آن پڑا۔

اس مرتبہ طاہر پر حملہ اتنا اچانک اور بھرپور ہوا تھا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ پوسوال کا سارا وزن اس پر موجود تھا۔

اس طرح اچانک ہونے والے حملے نے طاہر کو حواس باختہ کرنے کی بجائے اس کا غصہ دوچند کر دیا اور اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا۔

اس سے پہلے کہ پوسوال اس کی گردن پر اپنا داؤ آزمائے' طاہر نے زمین پر اس طرح اس کے بدن سمیت پلٹا کھایا اور پوسوال کسی سپرنگ کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔

لیکن............

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طاہر کے زمین پر قدم جمانے سے پہلے ہی وہ سنبھلا اور قدرے جھکتے ہوئے اس نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکال لیا۔

شاید پوسوال نے لاشعوری طور پر کامنی کی طرف سے ہونے والی مزاحمت کے پیش نظر کمانڈوز کی طرح اپنے جسم سے خنجر باندھنا ضروری سمجھا تھا یا پھر اپنی تربیت کو فراموش نہیں کیا تھا۔

کامنی جس کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے بندھے تھے بڑی بے بسی سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ پوسوال نے اس کے ہاتھوں کو اس طرح گانٹھ لگائی تھی کہ اسے اپنا جسم بانہوں سے گزار کر ہاتھ سامنے لانا ہی کامنی اگروال کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ طاہر کی آمد نے اس کا حوصلہ دو چند کر کے اس میں نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔ ورنہ تو پوسوال کے اچانک حملے کے بعد وہ زندگی ہی سے ناامید ہو چکی تھی۔

چاندکی روشنی میں خنجر اس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ اس سے زیادہ چمک پوسوال کی شکاری آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ بالکل اس بھیڑیے کی طرح جسے بہت بھوک کے بعد اچانک شکار دکھائی دیتا ہے۔

''طاہر ہوشیار۔''

کامنی نے چیخ کر اپنی دانست میں طاہر کی مدد کرنا چاہی۔ وہ بے چاری اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

طاہر کی آنکھیں پوسوال کے ہاتھوں پر جمی تھیں۔ اسے اپنے انسٹرکٹر کی وہ وارننگ یاد آ رہی تھی جو اسے دوران تربیت بار بار دی جاتی تھی۔

''اگر ایک لمحے کے لیے بھی دشمن کے ہاتھوں کی حرکت سے غفلت برتی تو دنیا کی کوئی تربیت تمہیں نہیں بچا سکے گی۔ دماغ' آنکھیں اور ہاتھ ایک ساتھ روبہ عمل ہوں۔ سمجھے تم ایک ساتھ۔ اگر تینوں میں سے ایک بھی آگے پیچھے ہو گیا تو مارے جاؤ گے۔''

اور..........

طاہر کو اب دماغ' آنکھیں اور ہاتھوں کو ایک ساتھ روبہ عمل کرنا تھا کیونکہ اس نے اسی فن پر کمال حاصل کیا تھا' جس کی آزمائش اب ہونے جا رہی تھی۔

عقاب کی طرح وہ چوکنا اور زمین پر مضبوطی سے قدم گاڑے کھڑا تھا۔

پوسوال نے خنجر کو ہاتھوں میں تولا اور زقند بھر کر اس پر حملہ آور ہوا۔ یہ الگ بات کہ طاہر نے اپنی جگہ سے ہٹ کر اس کی پشت پر الٹا ہاتھ جمایا اور وہ سیدھا سامنے درخت سے ٹکرایا تھا۔

لیکن..........

حیرت انگیز طور پر وہ سنبھل گیا اور اس سے پہلے کہ طاہر اپنے حملے کا آغاز کرتا' پوسوال اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس مرتبہ پھر اس نے ہاتھ چلایا اور طاہر جھکائی دے کر الگ کھڑا رہا۔ تیسرے حملے سے پہلے طاہر اچانک کمر کے بل زمین پر گرا۔ اس کی یہ حرکت کامنی اور پوسوال دونوں کے لیے چونکا دینے والی تھی۔ کامنی کی طرح پوسوال نے بھی یہی اندازہ لگایا کہ شاید وہ لڑکھڑا کر گرا ہے کیونکہ اس کے گرنے کا انداز ہی ایسا تھا۔

پوسوال' نفرت' حسد اور غصے کے ناقابل برداشت جذبات کے ساتھ اس پر جھپٹا لیکن طاہر کی طرف سے غیر متوقع عمل سے کامنی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

طاہر نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے پوسوال کے بالکل نزدیک آنے پر دونوں ٹانگیں اپنے پیٹ سے لگا کر پوری قوت سے پوسوال کے پیٹ میں ماریں۔

یہ حملہ اچانک' بھرپور اور پوسوال کے لیے ''سرپرائز'' تھا۔ ہوا میں اچھل کر وہ زمین پر گرا اور دوبارہ نہ اٹھ سکا' کیونکہ گرتے ہوئے اس کی پوزیشن بگڑ گئی اور ہاتھ میں پکڑا خنجر اس کی گردن کے نیچے آ گیا۔

پوسوال منہ کے بل گرا تھا۔

طاہر جھٹکے سے بازی گروں کی طرح قدموں پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پوسوال کی طرف سے اگلے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔

لیکن..........

پوسوال کے جسم نے دو تین جھٹکے کھائے اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ شاید یہ خنجر زہر میں بجھا ہوا تھا۔

برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس نے کامنی کے ہاتھ کھولے جو بچوں کی طرح خوفزدہ سسکیاں لیتی اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"کامنی حوصلہ کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

اس نے کامنی کی پیٹھ تھپکاتے ہوئے اسے خود سے آہستگی سے الگ کیا اور زمین پر منہ کے بل گرے پوسوال کو دونوں ٹانگوں سے گھسیٹ کر پتھریلی چٹان کے کونے تک لے آیا۔

اس چٹان کے بالکل نیچے قریباً سو سوفٹ کی گہرائی پر ایک تیز رفتار نالہ بہہ رہا تھا۔ طاہر نے اگلے ہی لمحہ پوسوال کے مردہ جسم کو چٹان سے نیچے دھکیل دیا۔ اتنی بلندی سے اس کا جسم زوردار اور گہرے پانی والے نالے میں گرنے سے آواز تو ضرور پیدا ہوئی تھی۔

لیکن............

یہاں اس آواز پر توجہ دینے والا اب کوئی موجود نہیں تھا۔

کامنی شاید ابھی تک اس حادثے کے اثر سے باہر نہیں آئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے طاہر کو یہ سب کچھ کرتے دیکھتی رہی' پھر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر سسکیاں لیتی دوبارہ اس سے لپٹ گئی۔

اس مرتبہ پھر طاہر نے اس کو وقت کی نزاکت کا احساس دلانے کے بعد قدرے نارمل کرنا چاہا۔

اور............

اس مرتبہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔

کامنی نے رونا بند کر دیا تھا اور اپنا چہرہ بھی رومال سے صاف کر لیا تھا۔

"ٹارچ لاؤ۔"

اس نے کامنی سے اچانک ہی کہا اور وہ بھاگتی ہوئی کچھ فاصلے پر کھڑی جیپ تک جا کر اپنی ایمرجنسی ٹارچ لے آئی۔

اپنی چھٹی حس کی طرف سے ملنے والی وارننگ کے تحت اس نے ٹارچ اس درخت کی طرف پھینکی اور جلد ہی اسے درخت کی ٹہنیوں میں پھنسا وہ نائیلون کا جھولا نظر آ گیا۔

ٹارچ کامنی کو تھما کر وہ لنگور کی طرح درخت پر چڑھا اور پوسوال کا بیگ اور نائیلون کا جھولا نما بستر اس نے نیچے کامنی کے نزدیک پھینک دیا اور خود نیچے اتر آیا۔ اس سارے عمل میں اس

نے بمشکل چھ سات منٹ ضائع کیے۔

نائیلون کا جھولا تہہ کر کے اس نے بیگ میں بند کیا اور وہ بیگ بھی پوسوال کے پیچھے ہی پھینک دیا۔ اب وہاں صرف خون کے نشانات تھے جنہیں مٹانا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

"میرے پاس صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کامنی سے کہا جو ابھی تک مکمل حواس میں واپس نہیں لوٹی تھی۔

"تم......"

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن طاہر نے کامنی کی بات کاٹ دی۔

"میری بات دھیان سے سنو۔ اگلے پانچ منٹ میں خود کو نارمل کر لو۔ یہاں اس چٹان پر کوئی بھی خون کے دھبے تلاش کرنے نہیں آئے گا۔ پوسوال نے دو دن کی چھٹی لی ہوئی ہے۔ کل سے اس کی چھٹی شروع ہو جائے گی اور ہم پرسوں یہاں سے نکل رہے ہیں۔ تم اپنے ذہن کو قابو میں کرو۔ فی الحال اڑتالیس گھنٹے کوئی تمہارے متعلق کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا' البتہ اگر تم نے خود پر قابو نہ پایا تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم دونوں وقت سے پہلے ہی بے موت مارے جائیں۔"

طاہر نے اسے سمجھایا۔

اور............

اس کی یہ بات تازیانے کا کام کر گئی۔

کامنی واقعی نارمل ہو رہی تھی۔

"میں اپنا ٹارگٹ ہٹ کر کے واپس آ رہا ہوں' کیونکہ کام ادھورا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تم اب جیپ کے پاس چلی جاؤ اور اطمینان سے اپنی ڈیوٹی کرتی رہو۔"

یہ کہہ کر وہ کامنی کا جواب سنے بغیر تیزی سے جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

اب وہ مکمل کمانڈو بن گیا تھا۔

اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹارگٹ ٹائم سے پانچ چھ منٹ پہلے ہی اپنا ٹارگٹ ہٹ کیا اور واپس پہنچنے والوں میں حسب معمول وہ سب سے پہلے نمبر پر تھا۔

کامنی نے یہ ڈیڑھ گھنٹہ اکیلے گزارا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس دوران اس پر بہت سے خیالات باری باری حملہ آور ہوتے رہے۔ اس نے ماضی، حال اور پھر مستقبل کا بڑی سنجیدگی اور مکمل غیر جانبداری سے جائزہ لیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس کے خودکشی کرنے سے کاروبارِ حیات میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یہ سسٹم جوں کا توں رہے گا۔

اس کی جگہ کوئی اور کامنی کسی اور نام کے ساتھ لے لے گی۔

پوسوال کی جگہ کوئی اور پوسوال آ جائے گا۔

پھر وہ کیا کرے؟

اور............

زندگی میں پہلی بار بڑی ایمانداری سے اس کے ضمیر نے اس سوال کا وہی جواب دیا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ اس نے زندہ رہنے اور خدا کی ودیعت کردہ اس نعمت کو جس کا نام زندگی تھا، انسانوں کی طرح جینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے طاہر کے روپ میں اپنا محفوظ مستقبل پا لیا تھا۔

اگر وہ دہشت گرد تھا تو اب نہیں رہا ہوگا۔ یہ اس کے دل و دماغ کا متفقہ فیصلہ تھا کیونکہ کوئی دہشت گرد ایسے جذبات نہیں رکھتا جن کا مظاہرہ اس نے کیا تھا، نہ ہی وہ کسی کامنی اگروال کے لیے کسی کیپٹن پوسوال کی جان لے سکتا ہے۔

اس کے دل نے کہا تھا کہ طاہر ہرگز وہ نہیں جو دکھائی دے رہا ہے۔ اس نے ضرور کوئی سوانگ رچا رکھا ہے۔

وہ ضرور کوئی اور ہے۔

اس نے اب تن من سے طاہر کی ہو کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ اسی میں اس کی نجات تھی۔

اس فیصلے نے اس میں بڑا اعتماد پیدا کر دیا تھا اور اس اعتماد کا مظہر تھا اس کی طرف سے طاہر کو چائے کا کپ پیش کرنا۔ یہ چائے اس نے ایک فلاسک میں پہلے ہی سے بنا کر رکھی ہوئی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ یہاں تین گھنٹے تنہا ہی گزارے گی۔

○ ○ ○

"کامنی اب میری بات دھیان سے سننا۔ شاید پھر تفصیل سے گفتگو کرنے کا وقت نہ مل سکے۔ کل اتوار کی وجہ سے چھٹی ہوگی۔ تم اپنے معمول کے مطابق یہاں سے نکلنا اور ڈیرہ دون سے باہر مسوری کی طرف سفر کرنا۔ ڈیرہ دون سے مسوری کو جاتے ہوئے اس جگہ ایک سرائے اور مندر آئے گا۔"

اس نے جیپ کی بونٹ پر کامنی کو وہ جگہ انگلیوں سے لکیریں کھینچ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے یہ مائی کا لکا کا مندر ہے۔"

"شاباش۔ بالکل ٹھیک ہے۔ یہاں پجاری وشوا ناتھ کا کمرہ مندر کے پچھلی طرف ہے، جس پر اس کا نام لکھا ہے۔ تمہیں اس کمرے کے شمال کی سمت کنویں کے ساتھ جو ٹیلا بنا ہوا ہے، وہاں میرا انتظار کرنا ہوگا۔ بھگوان نے چاہا تو پیر کی صبح ہماری ملاقات وہیں ہوگی۔ تم رات تین بجے سے صبح نو بجے تک وہاں میرا انتظار کرنا۔ اگر میں نہ بھی پہنچ سکا تو میری جگہ کوئی اور ضرور پہنچے گا جو تمہیں وہاں آ کر میرے حوالے سے بات کرے گا۔"

"بھگوان نہ کرے۔"

کامنی نے اس کی آخری بات منہ سے نکلتے ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

طاہر نے اسے مزید کچھ ہدایات دیں اور خاموش ہو گیا کیونکہ سامنے سے اب سلیم کی آمد کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

سلیم اسے پہلے سے وہاں دیکھ کر مسکرایا۔

"واہ استاد پھر نمبر لے گئے ناں۔"

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"اپنی اپنی قسمت ہے پیارے۔"

طاہر نے بھی اپنے لہجے کی شگفتگی برقرار رکھی۔

کیا مجال جو ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل و دماغ میں دو گھنٹے پہلے والے واقعات سے متعلق کوئی تشویش پیدا ہوئی ہو۔ اس کے افسران واقعی سچ کہتے تھے کہ وہ پتھر کے اعصاب رکھتا ہے۔

مشتاق اپنے ٹارگٹ ٹائم سے پندرہ منٹ لیٹ تھا۔ کامنی نے پروفیشنل کی طرح اس کو

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اچھی طرح ذاتا اور تینوں کو لے کر ہنواری کیمپ آ گئی۔

صبح ہو رہی تھی جب وہ ہنواری پہنچے۔

وہ بہرحال ان گروپوں میں نمبرون رہے تھے کیونکہ کاشی اگروال کے تینوں شاگردوں نے اپنے اپنے ٹارگٹ ہٹ کر لیے تھے اور "دشمن" کی نظروں سے بھی محفوظ رہے تھے۔

آج اتوار تھا۔

یوں بھی وہ اپنی فائنل ریہرسل سے واپس آئے تھے اس لیے سو گئے تو کسی نے انہیں بیدار نہیں کیا۔ پھر کاشی نے ہی انہیں جگایا۔

"بھئی تم لوگ کیوں میری چھٹی برباد کر رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے کام کرنے ہیں۔ اچھا اپنا اپنا "بریک فاسٹ" کرو اور گڈ بائی۔ اب کل ملیں گے۔"

اس نے تینوں کی طرف مسکراہٹ اچھالی اور واپس چلی گئی۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے جب انہوں نے ناشتہ کیا۔ رات سے آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ابھی بارش نہیں برسی تھی۔

طاہر دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ آج بارش کا آغاز ہو جائے کیونکہ بارش ان کے لیے اس حالت میں عطیہ خداوندی سے کم نہیں تھی۔

مشتاق تھوڑی دیر بعد کسی کام سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ وہ دونوں بھی بظاہر ٹہلتے ہوئے باہر آ گئے' جہاں کیمپ کے میدانوں کے مختلف کونوں میں اپنی اپنی بیرکوں کے باہر باغات میں زیر تربیت دہشت گرد خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اتوار کا دن یہاں ایسے ہی گزرتا تھا۔

"آج رات.........."

بالآخر طاہر نے فیصلے کن لہجے میں سلیم سے کہا۔

"او کے۔"

سلیم نے اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

دونوں وہاں ایک کونے میں بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ منصوبے کی تفصیلات طے کرنے لگے۔

بڑی احتیاط سے دونوں نے اپنے اپنے پلان پر بحث کی۔ مختلف نکات تلاش کیے اور

فرار کے راستوں کا جائزہ لینے کے بعد دل ہی دل میں اپنے مشن کی کامیابی کی دعا کی اور نارمل ہو کر بیٹھ رہے کیونکہ مشتاق ان کی طرف آ رہا تھا۔

اسی اثنا میں کیمپ کے سینما ہال میں فلم کا اعلان ہونے لگا اور وہ دونوں اٹھ کر اسی طرف چل دیے۔ بطور خاص اتوار کو ان کا "منورنجن" کیا جاتا تھا۔

○ ○ ○

آج بھی پردہ سکرین پر حسب روایت پہلے ایک مخصوص بلیو فلم چلائی گئی جس کے بعد ایک بھارتی فحش فلم دکھائی گئی اور بعد میں پھر بلیو فلم کے بعد چھٹی۔ اب وہ لوگ دوپہر کا کھانا کھانے جا رہے تھے۔

شام گئے تک ایسی ہی سرگرمیاں جاری رہیں اور رات حسب معمول وہ اپنے اپنے کمروں میں واپس چلے گئے۔

شاید بارش ان کے کمروں تک پہنچنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک ہی آسمان پر زوردار دھاڑ گونجی اور طوفانی بارش کا آغاز ہو گیا۔ ڈیڑھ دن کی بارشوں کے متعلق انہوں نے سنا ہی تھا۔ آج دیکھنے کا اتفاق پہلی مرتبہ ہوا۔

مشتاق تو تھوڑی دیر بعد ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

لیکن..........

وہ دونوں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو پائے تھے۔

اندھیری رات کا قہر بڑھتا جا رہا تھا۔

بادل یوں گرج رہا تھا جیسے پنجرے سے نکل کر آزاد ہونے والا کوئی خونی درندہ۔ فروری کے مہینے میں بھی چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔

لیکن..........

اس سب کے باوجود کیمپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

یہاں معمول کے مطابق گشت جاری تھا اور ہر شخص اپنی جگہ مستعد اور کسی بھی ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار دکھائی دے رہا تھا۔

پہلے طاہر اپنی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھا تھا جس کے بعد سلیم نے اس کی تقلید کی۔ وہ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

جانتے تھے کہ کسی بھی لمحے مشتاق بیدار ہو کر ان کے لیے مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ انہیں پہلے اس غدار سے نمٹنا تھا جو اب تک دشمن کا آلۂ کار بن کر کتنے ہی ہم وطنوں کے خون سے ہولی کھیل چکا تھا۔

آج اس کا یومِ حساب اس دشمن کے گھر میں آ گیا تھا' جس نے اسے آستین کا سانپ بنا کر اپنے ہی وطن میں اپنے لوگوں کو ڈسنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

شاید اس کے ناقابلِ معافی گناہوں کی وجہ سے قدرت کو اس کی موت کو بھی پاک سر زمین پسند نہیں تھی اور اس کی مرتیو (موت) کے لیے بھی وہ جگہ پسند کی تھی جہاں اسے قبر کی مٹی بھی نصیب نہ ہو۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

اپنی اپنی گھڑی کا وقت دیوار پر لگی گھڑی سے ملایا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے الگ ہو گئے۔

دوسرے ہی لمحے جیسے ان کے جسموں میں کوئی نادیدہ قوت سرایت کر گئی۔ برق رفتاری سے آگے بڑھ کر طاہر نے خوابِ خرگوش کے مزے لیتے ہوئے شراب کے نشے میں دھت مشتاق کو یوں آکٹوپس کی طرح جکڑا کہ اس کے لیے اپنے جسم کے کسی انگ کو حرکت دینا ناممکن ہو گیا۔

عین ان ہی لمحات میں سلیم نے اپنے دونوں ہاتھ مشتاق کی گردن پر گاڑ دیے۔

مشتاق کی آنکھیں پھٹ چکی تھیں۔

وہ نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

لیکن.........

اس کے لیے حلق سے آواز نکالنا یا اپنے جسم کے کسی حصے کو جنبش دینا ناممکن تھا۔ البتہ اسے ایک سہولت ضرور حاصل تھی۔

اور بے بسی سے اپنی موت کا تماشا ضرور آخری لمحات تک دیکھ سکتا تھا۔

اور.........

یہ لمحے بھی بے حد مختصر تھے۔

بمشکل دو منٹ بھی وہ مزید جی پایا جس کے بعد زندگی سے اس کا ناطہ کٹ گیا۔ سلیم کے ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مشتاق کی گردن پر اس کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔

دونوں نے نفرت سے ایک نظر اس کے مردہ وجود پر ڈالی اور اس کے منہ پر کمبل ڈال کر اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے۔

آواز پیدا کیے بغیر پہلے طاہر نے دروازے کی کنڈی اندر سے کھولی اور سامنے کوریڈور کو خالی پا کر اللہ کا نام لے کر پہلا قدم باہر رکھ دیا۔

سلیم اندر ہی موجود رہا۔

طاہر نے پلان کے مطابق بلی کی طرح پنجوں پر چلتے ہوئے کوریڈور کے آخری کونے تک ایک چکر لگایا اور مطمئن ہو کر واپس اپنے کمرے تک آ گیا' جس کے باہر سلیم موجود تھا۔

سلیم نے اسی اثناء میں دروازہ بند کر دیا تھا۔

O O O

طاہر کی طرف سے "سب اچھا" کا اشارہ ملنے کے بعد وہ اب اس کے تعاقب میں بے پاؤں چل رہا تھا۔

دونوں انتہائی چوکنے تھے۔

ان کی حسیات اتنی بیدار تھیں کہ دونوں کو اپنے دلوں کی دھڑکنوں اور سانسوں کے زیر و بم کا بخوبی احساس ہو رہا تھا۔

کوریڈور سے باہر نکل کر وہ اپنے کمروں کی قطار کی پشت پر آ گئے اور بمشکل دس بارہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے سانپ کی طرح ان سرکنڈوں میں رینگ گئے جن سے وہ گزشتہ پانچ چھ روز سے روزانہ گزر رہے تھے۔

یہ لمبی جنگلی گھاس دہشت گردوں کی تربیت کے لیے اگائی گئی تھی۔

یہ جگہ ان کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ گزشتہ پندرہ روز سے وہ یہیں تربیت لے رہے تھے۔

دونوں اب سرکنڈوں کے آخری حصے میں پہنچ چکے تھے جس کے بعد ایک چھوٹی سی نہر عبور کر کے انہیں اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اچانک ہی آسمان پر بجلی زور سے کڑکی اور سارا منظر روشن ہو گیا۔

شاید یہ تائید غیبی تھی کیونکہ بجلی کے کوندے سے جو روشنی ہوئی' اس میں دونوں نے سر کنڈوں سے کچھ فاصلے پر بارش میں بھیگتا ہوا ایک انسانی ہیولہ دیکھ لیا تھا۔ یہ وہ گارڈ تھا جو معمول کی گشت کر رہا تھا۔

دونوں وہیں جم کر بیٹھ رہے۔

انہوں نے اپنے کپڑوں پر اوور کوٹ پہن رکھے تھے جو یہاں کے گارڈ رات کو استعمال کیا کرتے تھے' لیکن اب بارش میں بھیگ کر ان کا وزن بھی دوگنا ہو رہا تھا اور دونوں اس مصیبت سے جلد از جلد نجات کی فکر میں تھے۔

سلیم نے طاہر کی طرف دیکھا جس نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے اسے صبر کی تلقین کی اور اپنی واٹر پروف گھڑی پر مزید تین منٹ تک انتظار کے بعد سلیم کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ جھک کر دبے قدموں چلتا ہوا سڑک عبور کر گیا' جس کے بعد انہوں نے ٹریننگ ایریا تک پہنچنا تھا۔

شاید گارڈ اب وہاں سے آگے چلا گیا تھا۔

سلیم نے طے شدہ پروگرام کے مطابق مزید تین منٹ انتظار کیا اور طاہر کی تقلید میں وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

اسے علم تھا کہ طاہر کہاں مل سکتا ہے۔

دونوں کی ملاقات اسی منتخب گیٹ کے سامنے ہوئی جس کا انتخاب انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا۔

دوسرے ہی لمحے سلیم کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں گیا اور ایک لوہے کی تار سے بندھا وہ پلاس باہر آ گیا جو انہوں نے اگلے ہی روز چرا لیا تھا۔

دو منٹ کی مزید جدوجہد کے بعد وہ گیٹ کا تالا کھول چکا تھا اور اب دونوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

انہیں یقین تھا کہ اندر کوئی نہیں ہو گا۔ یہاں حساس نوعیت کے مختلف "ڈیوائس" اور دھماکہ خیز مواد کی وجہ سے دن کے اوقات میں بھی یہ لوگ نزدیک جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

دونوں یہاں کے چپے چپے سے آشنا ہو چکے تھے اور اب تیزی سے اس چھوٹے سے کمرے کے سامنے پہنچ گئے تھے' جہاں کل ہی آنے والی تازہ کھیپ کے "ریموٹ کنٹرول" رکھے ہوئے تھے۔

اگلے پون گھنٹہ میں انہوں نے ہزاروں کیمپ کے اس تربیتی کیمپ میں قریباً پندرہ جگہوں پر دھماکہ خیز مواد نصب کر کے ان کے ریموٹ کنٹرول اپنی جیبوں میں رکھ لیے تھے۔

دونوں نے بطور خاص پٹرول' بارود کے ذخائر' ٹرانسپورٹ ایریا اور انسٹرکٹرز کے ریزیڈنشل ایریا کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔ اب تک ان کا منصوبہ گھڑی کی سوئیوں کے عین مطابق طے پا رہا تھا۔

انہوں نے اپنا کام ایک گھنٹے میں مکمل کرنا تھا' جس کے بعد دھماکوں کا آغاز ہونے والا تھا۔

تین بڑے ٹائم بم جو انہوں نے آخری پندرہ' سولہ اور سترہ منٹ کے وقفے سے فٹ کئے تھے' کے پھٹنے میں بمشکل تین چار منٹ باقی رہ گئے تھے جب وہ اس ڈیوڑھی کے مین گیٹ کے نزدیک ایک محفوظ مقام پر بیٹھ گئے جہاں سے واحد راستہ باہر کی طرف جاتا تھا۔

دونوں کے دل کی دھڑکنیں اب معمول سے زیادہ تیز چل رہی تھیں۔

لیکن.........

کیا مجال جو ایک لمحے کے لیے بھی دونوں میں سے کسی ایک کو خوف چھو کر بھی گزرا ہو۔

O O O

طاہر نے آخری لمحات میں اپنی جیب میں رکھے ماؤزر کو فائر پوزیشن میں کر کے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا تھا جب کہ سلیم تربیت کے مطابق اس سے چند قدم کے فاصلے پر ڈیوڑھی کے اندر کھلنے والے دروازے کے بالکل نزدیک اس طرح کھڑا تھا کہ دروازے کھلتے ہی وہ آسانی سے ڈیوڑھی میں داخل ہو سکے۔

اچانک ہی فضا ایک زوردار دھماکہ کی آواز سے لرز اٹھی۔

پہلا دھماکہ اسی بارود میں ہوا تھا جو جاوہ کن بم بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سے پہلے کہ تمام انتظامیہ کو صورت حال کی سمجھ آئے' دوسرا دھماکہ پٹرول ڈمپ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے نزدیک ہوا اور آگ کی لپٹیں آسمان کو چھونے لگیں۔ ایک منٹ کے وقفے سے تیسرے دھماکے نے تو جیسے اس سارے کیمپ کو اس کے منتظمین سمیت زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔

○ ○ ○

دھماکوں سے لگنے والی آگ پر بارش اثر انداز نہیں ہو رہی تھی اور اس کے شعلے بلند سے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ اچانک ہی ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا اور بوکھلائے ہوئے گارڈز دھماکوں والی جگہوں کی طرف بھاگنے لگے۔

شاید یہاں کوئی الارم سسٹم نہیں تھا۔

شاید ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ان کا دشمن اتنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کر پائے گا اور ان کی صفوں میں گھس کر ان کے قلب میں خنجر اتار دے گا۔

ایس ایس بی کوئی معمولی تنظیم نہیں تھی۔

بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے شر دماغ یہاں جمع تھے اور ان شر دماغوں کے اجتماع میں کچھ کر گزرنا جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہاں سیکورٹی کا فول پروف نظام ضرور بنایا گیا تھا۔ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہاں موجود کسی بھی ایجنٹ کے دل و دماغ میں ایک لمحے کے لیے بھی جنم لینے والا کوئی منصوبہ ان کی عقابی نظروں سے چھپ سکے گا۔

شاید انہوں نے کبھی اس امکان کو ذہن میں رکھا ہی نہیں تھا کہ اس کیمپ میں دشمن کے تخریب کار بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

ابھی وہ لوگ بمشکل اپنے اوسان ہی بحال کر پائے تھے جب طاہر اور سلیم کے ہاتھوں میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یوں لگتا تھا جیسے ایئر فورس نے حملہ کر دیا ہو۔ دھماکوں کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا اور صورت حال ایسی خطرناک ہو گئی تھی کہ یہاں بیرکوں میں مقیم درجنوں تخریب کار نیند سے ہڑبڑا کر اٹھے اور دیوانہ وار اپنی جانیں بچانے کے لیے ڈیوڑھی کی طرف بھاگنے لگے جبکہ ڈیوڑھی تک پہنچنے والے گارڈز کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں۔

ابھی تک رات کی اس شفٹ کے کمانڈر کی طرف سے انہیں کوئی واضح ہدایات نہیں ملی

تھیں۔

آج تک ایسی صورت حال پیش نہیں آئی تھی۔

اب ایک نئی چٹان ان پر پڑی۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی جانیں بچائیں اس تباہی پر قابو پائیں یا اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتے ہوئے ان تخریب کاروں کو کنٹرول کریں۔

طاہر اور سلیم اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔

اسی وقت وہ دونوں لمبے لمبے اوور کوٹ پہنے ہوئے رات کو پہرہ دینے والے گارڈز ہی دکھائی دے رہے تھے۔

پندرہ بیس بوکھلائے ہوئے گارڈز اور دس بارہ زیر تربیت تخریب کار جن میں سے زیادہ تر زخمی حالت میں تھے ان کے گرد موجود تھے۔ ہر کسی کی کوشش تھی کہ وہ ڈیوڑھی کے راستے باہر نکل سکے۔

یہ مناسب موقع تھا۔

طاہر نے اپنے پاس موجود آخری کھلونا بم اپنے ہاتھوں میں لیا اور دونوں اسی بھیڑ کا حصہ بنے ڈیوڑھی میں گھس گئے جو یہاں پہلے سے موجود تھی۔

پندرہ بیس لوگوں کے اس اجتماع میں وہ گارڈز کا حصہ ہی دکھائی دے رہے تھے۔

ڈیوڑھی میں اندھیرا تھا۔ شاید بجلی کا نظام بھی دھماکوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ مین گیٹ کھلا ہوا تھا اور زخمی تخریب کار چیختے چلاتے اس سے باہر بھاگ رہے تھے۔

مین گیٹ سے ملحقہ آفس میں دو تین بوکھلائے ہوئے ذمہ دار موجود تھے جو شاید وائرلیس پر چلاتے ہوئے اپنی ہائی کمان کو اس حادثے کی خبر دے رہے تھے۔ خوف زدہ صورت حال سے انتہائی پریشان اور منتشر ذہن ان تخریب کاروں اور ان کے کرتا دھرتاؤں کو علم نہ ہو سکا کہ کب سلیم اور طاہر نے اپنے پاس موجود دو آخری پٹاخے وہاں پھینکے اور دوسروں کی تقلید میں چیختے چلاتے مین گیٹ سے باہر نکل گئے۔

ان کے باہر نکلتے ہی دونوں پٹاخے دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے کیونکہ دونوں کے آخری "ریموٹ کنٹرول" استعمال کر دیے تھے۔

انتہائی طاقت ور ان دھماکوں سے ڈیوڑھی کی ایک دیوار ٹوٹ کر اندر دم توڑتے منتظم

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہجوم پر گری اور ان کی چیخیں بھی اس ڈھیر میں دب کر رہ گئیں۔

ڈیوڑھی کے باہر موجود گارڈ روم میں موجود تمام میزیں چھت سے الگ کر دو بارہ ان کے سروں پر گریں جو یہاں موجود تھے اور انہیں شدید زخمی کر دیا۔

ooo

دونوں اس وقت یہاں سے پچاس ساٹھ گز دور زمین سے چپکے ہوئے تھے۔ وہ آخری تباہی کا منظر دیکھنے کے لئے یہاں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ابھی ابھی انہوں نے اپنے جسموں سے گیلے ہو کر چپکے بھاری کوٹ الگ کر دیئے تھے۔ بارش کا زور البتہ ٹوٹنے لگا تھا اور وہ بڑے مستعد اور تربیت یافتہ کمانڈوز کی طرح گھڑی کی سوئیوں کے مطابق مرحلہ وار منصوبے پر عمل پیرا تھے۔

دونوں کا رخ اب کیمپ کے ریذیڈنشل ایریا کی طرف تھا جہاں جلتی روشنیاں بجھ چکی تھیں کیونکہ بارش یا پھر دھماکوں کی وجہ سے مین سپلائی میں کوئی خلل پڑ گیا تھا۔

دونوں اب اپنی دانست میں رہائشی ایریا کے اس حصے تک پہنچ چکے تھے جہاں انہیں کوئی امداد میسر آ سکتی تھی۔

"ادھر آؤ۔"

سلیم کو طاہر کی سرگوشی سنائی دی اور وہ اس کے پیچھے اس راستے پر گھوم گیا جو یہاں سے دوسری طرف اس پہاڑی پر مڑتا تھا جہاں سے وہ لوگ سڑک پر جایا کرتے تھے۔

"آگے سڑک ہے شاید۔"

سلیم نے بظاہر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بس اللہ کی قدرت کے مناظر دیکھتے جاؤ۔"

طاہر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور چلتا چلا گیا۔ پھر اچانک وہ چلتے چلتے رک گیا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اب وہ رہائشی ایریا کے عقب میں اس ورکشاپ کے نزدیک پہنچ گئے تھے جہاں ہوا ری کیمپ کے ڈبھکلو کی مرمت کی جاتی تھی۔

ورکشاپ کی دیوار کے ساتھ مرمت طلب جیپیں کھڑی تھیں۔ اچانک ہی سلیم کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں ایک کونے میں ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ بالکل ایسے جیسے وہ ان دونوں ہی کی منتظر ہو۔

پہلی ہی نظر میں سلیم نے پہچان لیا کہ یہ کامنی اگروال کی پرائیویٹ موٹر سائیکل ہے۔

یہاں تقریباً ہر انسٹرکٹر نے اپنی موٹر سائیکل یا کار رکھی ہوئی تھی۔

”کیا خیال ہے؟“

طاہر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”ویل ڈن۔“

بے ساختہ سلیم کے منہ سے نکلا۔

سلیم پیچھے بیٹھا تھا۔ موٹر سائیکل طاہر نے سنبھالی اور وہ عازم سفر ہوئے۔ تمام راستے جن پر طاہر موٹر سائیکل چلا رہا تھا سلیم کے لیے بالکل اجنبی تھے۔

○○○

موٹر سائیکل طاہر چلا رہا تھا اور اپنے بدن کے گرد بڑے سے اوور کوٹ کو چادر کی طرح لپیٹ کر سلیم اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بارش اب رک گئی تھی اور طاہر آسانی سے ڈرائیونگ کر سکتا تھا لیکن مخالف سمت سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں کے تھپیڑے ان کے بدن کو بلیڈ کی طرح کاٹ رہے تھے اور آنکھوں پر عینک نہ ہونے کے سبب اسے بار بار آنکھیں بند کرنا پڑتی تھیں۔ جو راستہ طاہر نے اختیار کیا تھا وہ سلیم کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ تقریباً تین کلومیٹر کا سفر کرنے کے بعد اس نے اچانک ہی موٹر سائیکل کچے راستے پر اتار لی تھی۔ سلیم دم سادھے چپ چاپ اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اسے طاہر کی کمان میں پہلی مرتبہ کام کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس کی تجربہ کاری سے معترف ہو رہا تھا۔

طاہر نے بلاشبہ کامنی اگروال کے ذریعے بہترین نتائج حاصل کیے تھے۔ ان حالات میں موٹر سائیکل ان کے ہاتھ لگنا بظاہر کسی معجزے سے کم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن۔

سلیم جانتا تھا کہ یہ کامنی اگروال کی طرف سے ان کے لیے بہترین گفٹ تھا۔

جانے طاہر نے کامنی پر کیا جادو پھونکا تھا جو اس طرح وہ اپنا سب کچھ بھول کر اس کی گرویدہ ہوئی تھی اور ان کے لیے اتنی آسانی بھی پیدا کر رہی تھی۔

ابھی تک اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ کامنی ان کے ساتھ ہی یہاں سے فرار ہو چکی ہے۔ اس کچے اور پھسلن راستے پر موٹر سائیکل کو اس طرح بھگاتے چلے جانا طاہر ہی کا کام تھا۔ سلیم جانتا تھا شاید اس کے لیے یہ ممکن نہ ہوتا۔

اسے اب احساس ہونے لگا تھا کہ کامنی اگروال اور طاہر کی دوستی نے ان کے لیے کتنی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

یہ کامنی ہی تھی جس کے ساتھ روزانہ کیمپ کے باہر گھومنے سے طاہر کو ان راستوں کا علم ہوا ورنہ تو یہاں سے فرار کے صرف دو ہی راستے انہیں سمجھائے گئے ہیں۔

کرنل صاحب نے اس روز اپنی آخری بریفنگ میں کہا تھا۔

”ہمارے علم کی حد تک تمام معلومات تمہیں مل چکی ہیں۔ فی الوقت فرار کے بھی دو راستے ہمارے علم میں ہیں۔ اگر اپنی ہمت سے تم کوئی تیسرا راستہ ڈھونڈ سکو تو ویل ڈن۔“

اور۔

انہوں نے تیسرا راستہ ڈھونڈ لیا تھا۔

سلیم جانتا تھا کہ آگ جلدی بجھ جائے گی کیونکہ بارش جہاں ان کی مددگار تھی وہاں دشمن کے لیے بھی کارآمد تھی۔ اگر یہ آگ کسی عمارت کو لگی ہوتی تو شاید اب تک دشمن اس پر قابو بھی پا چکا ہوتا لیکن بارود کو لگی آگ تب بجھ سکتی تھی جب سارا بارود راکھ بن جاتا۔

یہی ایک سوچ انہیں اطمینان دلا رہی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ دشمن پہلے کیمپ کے حالات نارمل کرے گا جس کے بعد ہی ان کے خلاف کارروائی شروع ہوگی۔

سلیم کے اندازے کے مطابق وہ لوگ اب کیمپ سے تقریباً دس بارہ کلومیٹر دور نکل آئے تھے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ہوں۔اس لیے کچھ باتیں ضرور کہوں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے طاہر کو کچھ ممکنہ احتیاطی تدابیر بتائیں۔ان میں سے کچھ تو طاہر کے ذہن میں پہلے ہی سے تھیں۔کچھ باتیں البتہ اس کے لیے بھی نئی اور چونکا دینے والی تھیں جن میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس علاقے کے گرد و نواح میں موجود قریباً تمام بڑے آشرم اور معتدد ''را'' کی نظروں میں رہتے ہیں۔جب کہ وہ خود یہاں کے سب سے آشرم میں پناہ لینے جا رہا تھا۔

''اچھا دوست خدا حافظ۔''

سلیم نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

''خدا حافظ۔''

دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ایک دوسرے کے کان میں قرآنی آیات کا ورد کر کے ایک دوسرے کے محفوظ رہنے کی دعائیں کر رہے تھے۔

سلیم نے ہمت کر کے پہلے اسے چھوڑا اور ''فی امان اللہ'' کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سڑک کی طرف چل دیا۔

طاہر درختوں کی اوٹ سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا سلیم کے سڑک پر پہنچنے کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی ایک بس اسے وہاں رکتی ہوئی دکھائی دی جس پر وہ سوار ہو گیا۔

O O O

بس کی روانگی پر ایک مرتبہ پھر اس نے دل ہی دل میں اس کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو نارمل کر لیا۔

حالات کی سنگینی پر اس کی نظر تھی اور وہ کامنی اگروال کے موٹر سائیکل کا ٹول بکس کھول رہا تھا۔

کامنی نے اس کی ہدایت کے عین مطابق ایک جعلی نمبر پلیٹ وہاں رکھی ہوئی تھی۔

اگلے چند منٹ میں اس نے موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ تبدیل کر دی۔اصل نمبر پلیٹ اس نے وہیں ایک محفوظ جگہ پر چھپا دی اور موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے وہ بھی سڑک پر آ گیا۔

اب تک انہوں نے قریباً ۳۵ کلو میٹر کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔طاہر نے پٹرول کی ٹینکی کا

ڈھکن کھول کر اسے ہلا کر دیکھا اور مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔اب بھی اچھا خاصا پٹرول اس میں موجود تھا۔کم از کم وہ انہیں اگلی منزل تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچا سکتا تھا۔

اس کی منزل یہاں سے بمشکل سات آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر اس کی منتظر تھی۔

یہ سات کلو میٹر کا فاصلہ اس نے برق رفتاری سے طے کیا۔

اس دوران اسے راستے میں بمشکل سات آٹھ بسیں یا موٹر سائیکلیں دکھائی دی تھیں۔

یہ وہ لوگ تھے جو صبح صبح اپنے کام پر جا رہے تھے اور سردی کا یہ عالم تھا کہ سوائے سامنے سڑک پر دیکھنے کے اور کسی طرف گردن گھما کر دیکھنے کے بھی روادار دکھائی نہیں دیتے تھے۔یوں بھی یہاں کسی کو ایک دوسرے کی شناخت جاننے کی کیا پڑی تھی۔

O O O

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نیا باب

مسوری آ گیا تھا۔

طاہر چھ ماہ پہلے یہاں کسی کام سے آیا تھا اور آج پھر قسمت اسے یہاں لے آئی تھی۔

اس نے اپنے ذہن میں پہلے سے بنے نقشے کے مطابق موٹر سائیکل کا رخ شمال کی سمت مائی کالکا کے مندر کو جانے والے راستے کی طرف کیا اور مندر سے بمشکل ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر اس سرکاری سکول کی نو تعمیر عمارت کے نزدیک رک گیا جس کی تعمیر چھ ماہ پہلے ہی سرکاری پھڈا پڑنے سے بند ہو گئی تھی۔

اسے امید تھی کہ ابھی مزید دو سال تک یہاں کام نہیں ہوگا کیونکہ ٹھیکیدار مقامی انتظامیہ کی ملی بھگت سے اپنی ساری رقم ڈکارنے کے بعد کام ادھورا چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ بڑے اطمینان سے وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کرنے کے بعد سکول کی عمارت میں داخل ہو گیا اور یہاں اپنے مطلب کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی اسے ایک کمرے میں کاٹھ کباڑ کا ڈھیر دکھائی دیا جس کے باہر ایک کنڈی میں چھوٹا سا تالا پھنسایا ہوا تھا۔

اس نے تالے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور موٹر سائیکل کا ٹول بکس کھولنے لگا۔

اگلے چند منٹ میں اس نے وہ تالا کھول لیا تھا اور موٹر سائیکل کو اس کاٹھ کباڑ کے ڈھیر میں اس طرح گھسا دیا تھا کہ وہ بھی اس کا ہی حصہ دکھائی دے۔

○ ○ ○

تالا اس نے دوبارہ اسی طرح لگا کر اس پر لگا سرکاری کپڑا بمعہ سیل کے چڑھایا اور باہر نکل آیا اب وہ کالکا مندر کی طرف جا رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ مندر کے نزدیک ہو رہا تھا۔ وہاں لاؤڈ سپیکروں سے برآمد ہوتی بھجن اور ڈھول تاشوں کی آوازیں نمایاں ہونے لگی تھیں اب اسے مندر کی طرف جاتے یاتری بھی دکھائی دینے لگے تھے۔

مسوری ایک پہاڑی مقام تھا۔

گرمیوں میں تو یہاں کی رونقیں بہت زیادہ بڑھ جایا کرتی ہیں۔

سردیوں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ البتہ کچھ من چلے بھارت کے مختلف شہروں سے ضرور ادھر کا رخ کیا کرتے تھے۔

ان میں زیادہ تعداد ان نوبیاہتا جوڑوں کی ہوتی جو اکثر ہنی مون منانے ادھر آ جایا کرتے تھے یا پھر سردیوں میں برف باری کا مزہ لینے والے سیاح ہوتے تھے۔

آنے والا کوئی بھی ہو خواہ مقامی یا غیر مقامی اگر وہ ہندو ہوتا تو مسوری آ کر مائی کالکا کے مندر میں ضرور "متھا ٹیکنے" آتا تھا۔ یہاں کی "پوجا" سارے بھارت میں مشہور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ موسم کے تیور کیسے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں یہاں "ماتا بھوانی کے بھگتوں" کا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا اور مندر میں چڑھاوا بھی سب سے زیادہ چڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں کے آشرم میں پجاریوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور یہاں مندر کی "گولک" (چندہ ڈالنے والی جگہ) تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ پجاری ایک دوسرے کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

طاہر اس مندر میں دو تین مرتبہ آ چکا تھا۔

لیکن۔

کامنی اگروال ہندو ہونے کے باوجود یہاں نہیں آئی تھی۔

اور۔

اس کا سبب سوائے اس کی اپنے دھرم سے بیزاری کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہ درجنوں مرتبہ یہاں سے گزری تھی۔ ڈیرہ دون جاتے ہوئے مسوری راستے میں آتا تھا لیکن کیا مجال جو اس

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے بھی اس طرح کا رخ کیا ہو۔

صرف ایک مرتبہ جب اس کے پتا جی اسے ملنے آئے تو وہ زبردستی کامنی کو اپنے ساتھ یہاں لے آئے تھے۔

یہاں آنے کے بعد کامنی نے دیوی ماتا کی مورتی کے سامنے صرف ایک ہی وعدہ کیا تھا کہ اب وہ دوبارہ یہاں کبھی نہیں آئے گی کیونکہ اس نے یہاں کے آشرم کے کمروں میں ماتا کے جن سیواداروں اور داسیوں کو دیکھا اس کے بعد سے اسے یہ مندر کی بجائے کچھ اور دکھائی دینے لگا تھا۔

انٹیلی جنس آفیسر ہونے کے ناطے اس کی جہاندیدہ نظروں نے ان داسیوں کے چہروں پر نظریں ڈالتے ہی ان کی اصلیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور آشرم کے پجاریوں اور سیواداروں کی آنکھوں میں موجود شیطانیت تو کوئی عقل کا اندھا بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اپنے پتا جی کے سامنے اس نے حسب عادت ایک لمبا لیکچر اس مندر میں ہونے والی حرام کاریوں پر دے دیا تھا اور وہ اسے کامنی کے معمول کی باتیں جان کر مسکراتے رہتے تھے کیونکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ کامنی کو کبھی اپنا دھرم پسند نہیں آیا تھا۔

"بھگوان جانے تم نے ہمارے ہی یہاں جنم لیا۔ مجھے کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے تمہاری ماں تمہیں کسی مسلمان گھرانے سے اٹھا کر لے لائی ہے۔"

اس روز کامنی کے بابو جی نے اس کے لیکچر کے خاتمے پر کہا تھا۔

اس کے بابو جی نے غلط کہا تھا یا صحیح ....

اس سوال کا جواب تو کامنی کو کبھی نہیں مل سکا۔

لیکن ....

آج جب تقدیر اسے دوبارہ یہاں لائی تو اسے رہ رہ کر اپنے بابو جی کی آخری بات ضرور یاد آ رہی تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی موسی نے ایک مرتبہ کتنی صحیح بات کی تھی۔

وہ بھی کوئی ایسا ہی موقع تھا شاید اس کی بہن کی سگائی ہوئی تھی اور ان کے یہاں "ہون" ہو رہا تھا۔

شیطانی چہرے والا ایک پجاری جس کا پیٹ اس کی کمر سے باہر نکل کر کسی بھی لمحے زمین پر گرنے والا تھا جب سامگری کو جلتے ہوئے کوئلوں پر پھینکتا اور کچھ منتر کا اناپ شناپ کرتا تو

جناح لائبریری و جلد ساز 0333 2116358 چکوال

کامنی کو خواہ مخواہ غصہ آ جاتا تھا۔

اسے اس بات کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ [illegible] ہون ودواہ دھرم کرم کے تمام ریتی رواج آخر اگنی (آگ) کے بغیر مکمل کیوں نہیں ہوتے۔

اس کے بابو جی نے بتایا تھا کہ ہندو دھرم میں اگنی بہت پوتر ہے۔ ویدک (بہت پرانا) زمانے میں پرش (انسانوں) اور دیوتاؤں کے درمیان اگنی ہی کمیونیکیشن کا ذریعہ تھی۔

قدیم آریہ سماج اپنی بھینٹ اسی اگنی کے ذریعے اپنے دیوتاؤں کو پہنچایا کرتے تھے اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک چلا کہ مرتیو (مرنے والے) کو پرلوک (عقبیٰ) پتولوک (عالم ارواح) اور برہم لوک (لاہوت) پہنچانے کے لیے نذر آتش کیا جانے لگا۔

لیکن .... ہر خوشی کے موقع پر بھی یہی آگ کا "ہون کھنڈ" ......

اس نے اپنے بابو جی کی بات کاٹی۔

"تیری تو بدھی (عقل) بھرشٹ ہو گئی ہے۔"

عقب سے اسے موسی کی آواز سنائی دی جو اسے بازو سے پکڑ کر دوسری طرف لے گئی کیونکہ یہاں موجود عورتوں میں سے اگر کسی کے کان میں بھی اس کے خیالات کی بھنک پڑ جاتی تو سارا سماج اس کے گھر والوں کا بائی کاٹ کر دیتا۔

اس روز اس کی موسی نے کہا تھا۔

"بیٹی سنسار میں سب کچھ ہم اپنے ارادے اور مرضی سے نہیں کرتے۔ بہت کچھ ہمیں مجبوراً بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی چیز بہت بری لگتی ہے لیکن ہم اس کے محتاج بھی رہتے ہیں۔ بار بار اس کی طلب بھی کرتے ہیں۔ کیا کوئی اپنی مرضی سے کڑوی کسیلی دوائیں کھاتا ہے۔ نہیں ناں .... بس تو بھی اسی طرح دھرم کرم کرتی رہا کر خواہ تیرا دل مانے یا نہ مانے۔ ایک بات میرا من کہتا ہے جو اپنی زبان تک لاتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ بیٹی لگتا ہے تو کسی دن اچانک یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی جائے گی۔ بھگوان کرے میں وہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں۔ کیونکہ مجھ سے یہ کچھ دیکھا نہیں جائے گا لیکن میرا من کہتا ہے کہ ایسا ہو گا ضرور......"

اس روز موسی نے یہ بات پہلی مرتبہ بہت سنجیدگی سے کی تھی۔

لیکن ....

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامنی نے زوردار قہقہہ لگایا تھا اور موسی کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گئی تھی۔

"اپنے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کر۔ ورنہ پھر وہی جھٹکے لگوانے پڑیں گے۔"

اس نے موسی سے ہنستے ہوئے کہا۔

اور..........

اپنے کمرے میں آ کر کانوں پر ہیڈ فون چڑھا کر اپنے پسند کا میوزک سننے لگی کیونکہ یہی اس کے لیے نجات کی واحد راہ تھی۔ ورنہ تو گھر میں "پوجا" شروع ہوئی تھی اور زور زور سے ڈھول تاشول کے ساتھ اپنی بھدی اور موٹی آوازوں میں محلے کی عورتوں نے بھی گانے شروع کر دیے تھے۔

کامنی نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جس گورکھ دھندے میں وہ پھنس گئی ہے کبھی وہاں سے نہیں نکل پائے گی۔ اسے تو یوں لگتا تھا جیسے جیسے زندگی ماہ و سال آگے بڑھ رہی ہے وہ زندگی کی اس دلدل میں اور زیادہ گہری اترتی چلی جا رہی ہے۔

لیکن..........

آج اچانک اسے اپنی موسی یاد آ گئی۔

اس کی موسی نے ساری زندگی بیاہ نہیں کیا تھا۔ ساری زندگی "بھگتی" میں گزار دی تھی۔ اپنی ساری جوانی بھگوان رشی کیش کی سیوا کی بھینٹ چڑھا دی تھی۔ دہلی کے نزدیک گوری گاؤں میں موجود سادھوؤں کے اس بھٹ پر اس کی موسی کی جوانی اپنے بھگوان کی سیوا میں بیت گئی تھی۔

○ ○ ○

صبح سے رات گئے تک وہ اپنے جیسی درجنوں دوسری مہلاؤں کے ہمراہ اپنے بھگوان کی سیوا میں لگی رہتی تھی۔ بھٹ میں رہنے والے سادھوؤں کی سیوا سنبھال کرتی رہتی تھی اور ایک روز نجانے کس بات پر وہ ان کے ہاں روٹھ کر چلی آئی جس کے بعد پھر کبھی بھٹ پر واپس نہیں گئی تھی۔

اب ان کے محلے میں دھرم کرم کا کوئی بھی کام ہوتا لوگ اسی کو بلا کر لے جاتے تھے۔

اکثر گھروں میں "ہولی" وہی کرواتی تھی۔ ہندو گھرانے اس سے مختلف مواقع پر ہونے والی رسومات کے متعلق دریافت کرتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے۔

"واہ موسی.......... واقعی تو نے سچ کہا تھا۔"

اس نے دل ہی دل میں اپنی موسی کو یاد کیا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تھی۔ کامنی کو اپنے شعور کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا احساس اور علم تھا کہ اس نے اچانک ہی کتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔ وہ اپنا گھر بار زمین دھرم دیش سکھی سہیلیاں سب کچھ بھلا کر سب کو تیاگ کر اچانک ایک مسلمان نوجوان کے ساتھ بھاگ آئی تھی۔

اسے حیرانگی تھی کہ اب تک وہ مر کیوں نہیں گئی۔

اس جیسی غدار اور دیش دروہی کو تو اب تک مر جانا چاہیے تھا۔

لیکن..........

وہ زندہ تھی۔

اس کا ضمیر بھی زندہ تھا۔

کوئی خلش اسے نہیں رلا پائی تھی۔ کوئی پچھتاوا اس کے دامن سے نہیں لپٹا تھا۔ وہ تو بہت پرسکون تھی۔ بہت پرسکون۔

بالکل برگد کے اس درخت کی طرح جو اس مندر کے شمال میں اس ٹوٹی ہوئی پرانی عبادت گاہ پر سایہ کیے ہوئے تھا جہاں وہ کل رات سے چھپی بیٹھی تھی۔ جانے اس برگد کے پیڑ نے کتنے سالوں سے دھوپ، گرمی، سردی بارش، طوفان کی سختیاں برداشت کی ہیں اور اب تک پرسکون کھڑا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا ماضی سارا جھوٹ تھا۔

اس نے اپنے اوپر کوئی ملمع چڑھا رکھا تھا۔

اپنے گرد بے بنیاد نظریات کی ایسی دیواریں استوار کر لی تھیں۔ جو طاہر کی محبت کے معمولی تھپیڑے بھی برداشت نہ کر سکیں اور ایک ایک کر کے زمین بوس ہو گئیں۔

"تو پھر سچ کیا ہے؟"

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"سچ یہی ہے کامنی۔ جو تم دیکھ رہی ہو۔ جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔"

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے سوال کا جواب اس کے کانوں میں دیا۔

تمہیں اس سچ کی تلاش تھی۔ تم بچپن سے اسی تلاش کے سفر پر نکلی تھی۔ اپنی تلاش کے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سفر پر یہ منزل مبارک ہو کامنی اگروال۔ مبارک ہو تم نے خود کو بالآخر کھوج ہی لیا۔ خود کو بالآخر پا ہی لیا۔ تم فاتح ہو۔ تم جیت گئیں کامنی اگروال۔

اس کے دل اور ضمیر نے اسے مبارکباد دی۔

اپنے فاتح ہونے کا نشہ اس پر سرور کی طرح اتر گیا۔ اس کو اپنے تن بدن میں دور اندر تک سرشاری کی ایک عجیب کیفیت کے اترنے کا احساس ہوا۔ وہ فتح کے نشے سے سرشار اب طاہر کی منتظر تھی!!

وہ زندگی میں آج دوسری مرتبہ کالکا مندر آئی تھی۔

اپنے والد کے ساتھ بھی بادل نخواستہ اور اب بھی۔

اگر طاہر نے کسی اور جگہ کا تعین کیا ہوتا تو شاید وہ یہاں نہ آتی اس کے ذہن میں کچھ اور جگہیں بھی محفوظ تھیں۔

لیکن.............

اس کی انٹیلی جنس کی تربیت نے اسے اپنی طرف سے طاہر کو کوئی مشورہ دینے سے منع کیا تھا۔ وہ اس مرحلے پر ایک لمحے کے لیے بھی طاہر کا اعتبار نہیں کھونا چاہتی تھی۔

اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تو اچانک کیا تھا۔ لیکن اسے علم تھا کہ لاشعوری طور پر وہ طویل عرصے سے ایسے ہی کسی فیصلے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

O O O

اس روز بھی طاہر نے اسے اپنا مکمل تعارف نہیں کروایا تھا جس روز اس نے پوسوال کو جان سے مار ڈالا۔

اس پوسوال کو جو موقع غنیمت جان کر کامنی کو اپنی درندگی کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ کامنی کے لیے طاہر کی اچانک آمد، پوسوال کا قتل اور اس کا فرار۔ قدرت کے تیار کردہ کسی کھیل کے تین مختلف ایکٹ تھے۔

ایک احساس جس نے ابھی تک اسے بہت حوصلہ دے رکھا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں کامنی کی اپنی ہی نہیں پرماتما کی مرضی بھی شامل ہے۔

حالات خود بخود بنتے چلے جا رہے تھے اور وہ کاتب تقدیر کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی

طرح عمل کرتی چلی جا رہی تھی۔

پوسوال کے قتل کی رات وہ بری طرح سہم گئی تھی۔

اسے علم تھا کہ پوسوال کی لاش اگلے ایک دو روز میں بہر حال مل جائے گی۔ یہاں کے ندی نالے گو بہت تیز بہتے تھے لیکن راستے میں آنے والے کسی نہ کسی بڑے پتھر سے ٹکرا کر ان میں بہنے والی چیزیں کنارے لگ جایا کرتی ہیں۔

ان ندی نالوں کے بہاؤ کے ساتھ بہہ کر آنے والی لاشیں اب معمول کی بات بن چکی تھیں۔

لیکن.............

پوسوال کی لاش معمول کی بات نہیں تھی۔

مقامی پولیس افسران اسے اچھی طرح پہچانتے تھے کیونکہ گزشتہ دو سال سے وہ ہواری سنٹر میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور مقامی انتظامیہ کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی پھڈا آئے روز پڑا ہی رہتا تھا۔

کامنی کو آج بھی یہ سوچ کر جھرجھری سی آ جاتی تھی کہ اگر طاہر بر وقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو اس کا انجام کیا ہوتا۔

شاید پوسوال کی جگہ اس کی مسخ شدہ لاش آبروریزی کے بعد کسی پتھر سے چپکی ہوئی مل جاتی۔

اس کے علاوہ کچھ ممکن نہیں تھا۔

وہ کیمپ واپسی پر ساری رات یہی سوچتی رہی تھی کہ آخر طاہر نے اس کی مدد کیوں کی؟ وہ تو ایک زیر تربیت تخریب کار تھا۔

اس کی بلا سے پوسوال اس کے سامنے کامنی کے جسم کے پرزے پرزے بھی کر دیتا تو بھی وہ اپنے ڈسپلن کے تحت دونوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں بھی پوسوال بہر حال کامنی سے سینئر تھا۔

اسے حق حاصل تھا کہ اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے۔ لیکن اس نے کامنی کو بچا لیا تھا اور اپنی جان داؤ پر لگا کر پوسوال سے ٹکرا گیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس روز کامنی کو یقین ہو گیا کہ واقعی طاہر کو اس سے عشق تھا۔ صرف یہی ایک ایسا رشتہ تھا جو اسے اس حد تک کچھ کر گزرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

طاہر نے کامنی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ہواری کیمپ سے فرار ہونے سے پہلے یہاں کیا کچھ کرنا چاہتا ہے۔

اس نے کامنی سے صرف یہی کہا تھا کہ وہ دونوں یہاں سے بھاگ جائیں گے۔

ابھی تک اس نے کامنی کو اپنی اصلیت نہیں بتائی تھی۔ ابھی تک وہ کامنی کے لیے ایک زیر تربیت غیر ملکی تخریب کار تھا۔

اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر وہ کامنی کو اپنے آئندہ عزائم اور اصلیت سے آگاہ بھی کر دے تب بھی کامنی اس کے خلاف کچھ نہیں کرے گی اور وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی بلکہ دل و دماغ سے مکمل یکسوئی کے بعد اس نے طاہر کو اپنانے کے لیے سب کچھ تیاگ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

طاہر جانتا تھا کہ صرف پوسوال کی موت کا خوف کامنی کو اس کے ساتھ فرار پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تو کامنی کے اندر سے پیدا ہونے والی کوئی انقلابی تبدیلی تھی۔ جس نے اسے ایسی زندگی کا سب سے بڑا اہم اور خطرناک فیصلہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

لیکن..........

ان تمام حقائق کا ادراک رکھنے کے باوجود ابھی تک اسنے نہ تو کامنی کو اپنی اصلیت سے آگاہ کیا تھا نہ ہی اپنے عزائم بتائے تھے۔ یہی اس کی تربیت کا خاصہ تھا۔

اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا کہ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اس بری طرح اپنے دل کے ہاتھوں مات کھائی تھی اور کامنی کے سامنے کم از کم دل کی حد تک خود کو مکمل بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

لیکن..........

اس نے اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا کہ وہ اول آخر ایک نظریاتی ملک کا سپاہی ہے جسے اپنے ملک و قوم کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا ہے اور جس کے ایک لمحے کی غفلت سے کتنے تباہ کن نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

کامنی نے اتوار کی شام معمول کے مطابق خود کو تیار کیا تھا۔

لیکن..........

آج اس نے اپنے پاس موجود ہر قابل ذکر چیز ایک بیگ میں منتقل کر کے یہاں سے راہ فرار اختیار کی تھی۔

اس سے کسی نے یہ دریافت نہیں کرنا تھا کہ وہ بیگ لے کر کہاں جا رہی ہے۔ کیونکہ یہاں موجود انسٹرکٹرز اکثر ڈیرہ دون سے کچھ نہ کچھ خرید و فروخت کرتے رہتے تھے۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

بڑے اطمینان سے وہ اپنے کوارٹر سے باہر نکلی اور خراماں خراماں چلتی سڑک تک آ گئی۔
جہاں سے وہ ایک مسافر بس کے ذریعے پہلے مسوری کی مخالف سمت کی طرف گئی پھر وہاں سے مزید دو تین بسیں تبدیل کرنے کے بعد مسوری پہنچی تھی۔

اب کم از کم کسی بس والے سے اس کا سراغ ملنا ہرگز ممکن نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی دانست میں ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔

لیکن..........

آج خلاف معمول اس نے نہ صرف شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی بلکہ اپنا ہیئر سٹائل بھی اب تک تین مرتبہ تبدیل کر چکی تھی۔

وہ پتلون پہنتے ہوئے اپنے بال ہمیشہ باندھ کر رکھتی تھی۔ کئی مرتبہ اس کے جی میں آیا کہ ان لمبے بالوں سے نجات حاصل کر لے۔ اب ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس نے ساری زندگی اگر یہی جھک مارنی ہے تو بالوں کا روگ کیوں پالتی پھرے۔

لیکن..........

ہر دفعہ کسی نادیدہ قوت نے اسے اس امر سے مانع رکھا۔

اسے اپنے بال بہت عزیز تھے۔

اس کی وجہ اسے کبھی معلوم نہ ہو سکی۔

آج اسے اپنے اس فیصلے پر بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے اپنے بال محفوظ رکھے

تھے۔ اب تک وہ ان بالوں کی مدد سے دو تین مختلف روپ دھار کر چار پانچ بسیں تبدیل کرنے کے بعد مسوری رات دیر گئے پہنچی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ اگلے روز کالکا مائی کا سالانہ میلہ شروع ہونے والا ہے۔ شاید طاہر کو بھی اس بات کا علم تھا۔ تب ہی تو اس نے اپنے شاندار روقت کا انتخاب کیا تھا۔ جس بس سے وہ اتری تھی اس میں موجود قریباً تمام مرد وزن ملک کے مختلف کونوں سے یہاں مائی کالکا کے میلے پر ہی آئے تھے۔

شدید سردی کے باوجود "یاتریوں" کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

کامنی نے بس سے اترتے ہی نزدیکی بازار کا رخ کیا وہاں سے اپنے لیے گہرے رنگ کا ایک چولا اور کچھ مالائیں خرید کر چولا اپنے کپڑوں پر پہن لیا اور مالائیں گلے میں ڈال لیں۔

اب وہ کالکا مائی کی بھگت بن چکی تھی۔

طاہر کے لیے اس نے الگ سے "پیتامبر" (زرد کپڑا یا دھوتی) خرید لیا تھا۔ کیونکہ یہاں انہیں یہی روپ دھارنا تھا۔

یاتریوں کے ساتھ وہ بھی بادل نخواستہ ناچتی گاتی مائی کالکا کے مندر تک پہنچی تھی۔ مندر میں جانے کی بجائے اس نے آشرم کا رخ کیا اور "لنگر خانے" میں آ گئی جہاں "کارسیوا" (کھانا پکانا) ہو رہی تھی۔

وہ بھی باقی یاتریوں کی طرح ایک قطار میں تھالی اور گلاس اٹھا کر بیٹھ گئی۔ آشرم کی سیوا دار لڑکیاں جن کی جسمانی حالت ان کے کردار کی چغلی کھا رہی تھی۔ مسکراتی ہوئی تمام یاتریوں میں باری باری لنگر تقسیم کر رہی تھیں۔

کامنی اگروال نے بھی "جے ماتا بھوانی" کہہ کر لنگر وصول کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی دال کے ساتھ ایک پھلکا زہر مار کرنے لگی۔

اس نے کل سے آج تک سوائے کافی' چائے یا ایک آدھ بسکٹ کے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کے لئے اپنی توانائیاں بحال رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اسے بہرحال خود کو تندرست رکھنا تھا۔

ابھی تو آغاز تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ابھی تو اس نے موت کی شاہراہ پر پہلا قدم رکھا تھا۔

نجانے ابھی اسے زندگی کے اس پل صراط پر کتنی مسافت پاٹنی تھی۔

قسمت نے ابھی اسے کیا کچھ دکھانا تھا۔

اس کا دل ایک لقمہ کھانے کے لیے نہیں چاہتا تھا۔

لیکن.............

اس نے کسی نہ کسی طرح سہارا پھلکا (روٹی) زہر مار کیا پھر چائے بھی اس لنگر سے پینے کے بعد طوعاً کرہاً مندر تک آ گئی تھی۔

یہاں ڈھول تاشوں اور کورس کی شکل میں بے شمار بھدی آوازوں نے اسے ایک لمحے کے لیے تو فوراً ہی اپنا ارادہ تبدیل کر کے واپس چلے جانے کے لیے کہا۔

لیکن.............

اپنی طبیعت پر جبر کر کے وہ رک گئی۔

اسے یہاں خاصا وقت گزارنا تھا کچھ سوچتے ہوئے وہ دوبارہ ملحقہ آشرم میں آئی اور اپنا بیگ یہاں ایک لاکر میں رکھ کر اسے تالا لگا کر واپس مندر میں لوٹ آئی۔ یہاں آشرم میں یاتریوں کے لیے بہت سے کمرے اور لاکرز موجود تھے۔ جہاں دوسرے شہروں سے آنے والے مائی کالکا کے بھگت اپنا سامان محفوظ رکھا کرتے تھے۔

مندر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی کسی نہ کسی طرح وہ ایک کونے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بے دم سی ہو کر بیٹھ رہی۔

بازو پر بندھی گھڑی دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس اذیت ناک ماحول میں اسے ابھی تین گھنٹے گزارنے تھے۔

اس کے ساتھ موجود تین چار موٹی موٹی عورتیں جو کسی دوسرے شہر سے آئی تھیں باری باری اونگھنے لگیں۔ اونگھتے ہوئے جب ان میں سے کوئی خراٹے لینے لگتی تو اس کے ساتھ والی عورت اسے بازو سے جھنجھوڑ کر جگا دیتی۔

شاید صورتحال کی نزاکت کا احساس ان سب کو تھا۔

لیکن.............

نیند ان کے بس میں نہیں تھی۔

کامنی کے لیے یہ بڑا دلچسپ تماشا تھا۔ وہ پوجا سے زیادہ ان میں الجھی رہی اور ان کی بے بسی سے محظوظ ہوتی رہی۔

جب بھی کوئی عورت اچانک ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتی تو اس کی طرف دیکھ کر ضرور کھسیانے انداز میں مسکرا دیتی تھی۔ شاید وہ کامنی سے اپنی چوری کو چھپائے رکھنے کی درخواست کرتی تھی۔ کامنی کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسے حیرت اس بات پر تھی کہ وہ خوفزدہ کیوں نہیں ہے؟

حیرت انگیز طور پر وہ خود کو مطمئن اور محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ شاید طاہر کی محبت کی سرشاری نے اسے خوف سے بے نیاز کر دیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ابھی تک اس کے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ غداری کی مرتکب ہوئی ہے۔ مفرور ہے اور جیسے ہی اس کی فراری کا علم ہوا۔ درجنوں ہرکارے شکاری کتوں کی طرح اس کے تعاقب میں نکلیں گے اور ایک مرتبہ اگر وہ ان کے قابو میں آ گئی تو کامنی کے جسم سے وہ ایک ایک بوٹی اتار لیں گے۔

ایک بات تو طے شدہ تھی۔

اس نے "چکراتا" سے روانگی پر ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آخری لمحے تک زندگی کی جنگ ضرور لڑے گی۔ لیکن زندہ کبھی "را" کے ہاتھ نہیں لگے گی۔

یہی وجہ تھی کہ تب سے اب تک اس نے اپنا سروس پستول خود سے الگ نہیں کیا تھا۔

اب بھی اس نے گیروے رنگ کے اس چولے کے نیچے اپنے کپڑوں پر پہنی جیکٹ میں اپنا پستول اس طرح چھپا کر رکھا تھا کہ چند سیکنڈ کی مہلت ملنے پر اسے استعمال میں لا سکتی تھی۔

یہاں ہونے والی "بھاشن" اور "کیرتن" میں اسے ذرا دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

اپنی مرضی کے خلاف یہاں رہنے سے اسے اپنا بدن ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے بخار نے آ لیا ہو۔

یہ تصور ہی اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ اسے بخار ہونے لگا ہے۔ اپنی جگہ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

سے وہ ہمت کر کے اٹھی اور مندر سے باہر نکل آئی۔

○ ○ ○

آشرم کی دیوار کے ساتھ لگے شیو سینا کے میڈیکل کیمپ سے اس نے دو گولیاں اپنے سر درد میں افاقے کے لیے لیں اور اس کے ورکروں کی ہوسناک نظروں سے خود کو بچاتی دوسری طرف چائے کے سٹال پر چلی گئی جہاں پہلے ہی بہت سی عورتیں اور مرد چائے پی رہے تھے۔

ایک گلاس میں چائے لینے کے بعد اس نے گولیاں زہر مار کیں اور دل ہی دل میں قدرے مطمئن ہو کر ایک کونے میں بیٹھ رہی۔

یہاں ان یاتریوں نے جنہیں آشرم یا کسی ہوٹل میں رہنے کے لیے جگہ نہیں مل سکی تھی جا بجا آگ کے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔

ایک ایسے ہی الاؤ کے پاس جس کے گرد پندرہ بیس عورتیں بچے اور مرد بیٹھے تھے وہ بھی جا کر بیٹھ گئی۔

آگ کے گرد بیٹھنے سے اسے کچھ سکون ملا تھا اور اس پر نیند غلبہ کرنے لگی تھی۔ ایک دو مرتبہ تو اسے اچھی خاصی اونگھ بھی آئی۔ لیکن اس نے خود پر کنٹرول رکھا تھا۔

”بیٹی لیٹ جاؤ تم بہت تھکی ہوئی دکھائی دیتی ہو۔“

الاؤ کے گرد بیٹھے فیملی ممبران میں سے ایک بزرگ نے کہا۔ جسے کامنی کی حالت پر شاید ترس آ گیا تھا۔

”شما کیجئے۔ دراصل ہم لوگ سہارنپور سے جاگتے آ رہے ہیں۔ کل رات سے سفر میں ہیں۔ میرے پتی دیو (شوہر) نے مجھے زبردستی یہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ میں تو آنا نہیں چاہتی تھی لیکن.........“

اس نے بڑی گرہستن قسم کی پتنی کی طرح گردن جھکا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

”بیٹی اسی لیے تو کہہ رہا ہوں تم لیٹ جاؤ۔ تھوڑا آرام کر لو۔ یہاں قدرے سردی کم ہے۔“

اس بزرگ نے کہا۔

”دھنواد موسا جی......... اگر آپ کہتے ہیں تو۔“

اس نے دوبارہ اپنی بات نامکمل چھوڑ کر اب موسا جی کی پتنی کی طرف دیکھا جو خود بھی اس کا ہمدردانہ نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔

”ہاں بیٹی......... کوئی بات نہیں یہاں سب اپنے ہیں۔ تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں آیا۔“ اس نے کامنی کو قدرے مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

”گھر میں ہم دونوں ہیں یا پھر ان کے پتا شری (باپ) میری ساس بیمار ہیں۔ ان کی پرارتھنا (دعا) کے لیے ہی یہاں آئے ہیں۔“

کامنی نے بڑی سگھڑ بہو کا مظاہرہ کیا۔

”بھگوان تمہیں سکھ دے بیٹی۔ تم جیسی نیک بیٹیاں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔ جو اپنی ساس کی پرارتھنا کے لئے آ گئی ہو۔“

موسی جی نے اپنے پہلو میں بیٹھی ایک موٹی سی لڑکی کی طرف جو ان کی بہو تھی عجیب سی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

ان کی بہو نے ساس کے لہجے کی تلخی سے صورت حال کا اندازہ تو کر لیا تھا لیکن وہ بھی شاید ٹلنے والی نہیں تھی۔

”ان کی ساس بیمار ہیں۔ شاید آپ نے سنا نہیں۔ آپ تو کالکا مائی کے آشیرواد سے ابھی تک صحت مند ہی ہیں۔“

بہو نے دل کی بھڑاس نکال لی۔

”اچھا اچھا میرے منہ نہ لگنا۔ بھگوان کے لیے کہیں تو اپنی زبان بند کر لیا کر۔“

ساس کو غصہ آ گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ان میں باقاعدہ تو تکار شروع ہو۔ کامنی نے وہاں لیٹ جانے ہی میں خیریت سمجھی۔ کیونکہ اب موسا جی ان دونوں کو ڈانٹ رہے تھے۔

”اگر میری آنکھ لگ جائے تو پلیز مجھے پانچ بجے سے پہلے ضرور جگا دینا۔ ورنہ میرے ”پتی دیو“ پریشان ہوں گے۔“

اس نے اپنی ٹانگیں پیٹ کی طرف سمیٹتے ہوئے وہاں تھوڑی سی خالی جگہ پر لیٹ جانا ہی مناسب سمجھا ورنہ مسلسل جاگنے سے وہ بیمار بھی ہو سکتی تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

کامنی کی آنکھ کب کھلی؟

چار کب بجے؟

اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔

وہ جب ہڑبڑا کر اٹھی تو وہاں جلنے والی آگ کب کی بجھ چکی تھی۔ شاید سردی کے احساس نے ہی اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

جس صف پر وہ لیٹی ہوئی تھی اس کے دوسرے کونے میں شاید بھنگ کے نشے میں دھت کوئی ڈھلتی عمر کا بھگت لیٹا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

اس کے چاروں طرف یاتریوں کا ہجوم بڑھنے لگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی گھڑی ساڑھے چار بجا رہی تھی۔

شاید اس فیملی کی ساس بہو کے جھگڑے نے شدت اختیار کر لی تھی اور وہ کامنی کو سوتا چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے۔

کامنی نے سب سے پہلے گھڑی اور اپنے بازو میں سونے کا کنگن محفوظ رہنے پر بھگوان کا شکر ادا کیا۔ ابھی تک ان چیزوں کا محفوظ رہنا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ یہاں تو دو کنگن اتارنے کے لیے اس کا بازو کاٹنے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔

وہ چونکہ جوتوں سمیت سوئی تھی اور جوتے بھی اس نے تسموں والے پہن رکھے تھے اس لیے ابھی تک وہ بھی اس کے پاؤں میں موجود تھے۔

کامنی دوسرے ہی لمحے اٹھ بیٹھی۔

اس نے سب سے پہلے اپنے حواس بحال کیے اور دوسرے ہی لمحے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اٹھتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ چکرا کر دوبارہ گرنے لگی ہو۔

لیکن.........

حیرت انگیز طور پر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ شاید اس کی جسمانی کسرت روزانہ کی تربیت کام آ گئی تھی۔ یوں بھی وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ کامنی پر جلد ہی انکشاف ہو گیا کہ اسے بخار آ گیا ہے۔

پہلے تو اس نے دوبارہ شیو سینا والے کیمپ پر جا کر دوائی لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر جلد ہی

ارادہ بدل لیا۔

وہ کم از کم اب ان درندوں میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

ایک مرتبہ پھر وہ ہمت کر کے اس چائے کے سٹال تک پہنچی۔ جہاں اب پہلے سے زیادہ بھیڑ لگی تھی۔

اس نے چائے کا گلاس دوبارہ لیا اور مندر کے شمال کی سمت چلنا شروع کر دیا۔ طاہر نے اسے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہ اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی لیکن ایک بات اس کے لیے ضرور باعث اطمینان تھی کہ اس راستہ پر زیادہ رش نہیں تھا شاید شمال کی سمت جانے والا یہ واحد راستہ تھا جو کھیتوں اور کھنڈرات کی طرف جا رہا تھا۔

پو پھٹ رہی تھی۔

اجالا اندھیرے پر غالب آ رہا تھا۔

کامنی اگر وال خود کو سنبھالتی بالآخر اپنی منزل کے نزدیک پہنچ گئی۔ اسے اندھیرے کی ہلکی سی چادر میں سے اس قدیم مندر کے کھنڈرات دکھائی دینے لگے تھے جس کی نشاندہی طاہر نے کی تھی۔ یہاں دور دور تک کسی ذی نفس کا نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں طاہر کو خراج تحسین پیش کیا۔ شاید اسے ہندوازم کی کمزوری کا بخوبی اندازہ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ مندروں کے ان قدیم کھنڈرات سے یہ لوگ بہت ڈرتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق وہاں بدروحیں بسیرا کر لیتی ہیں۔ یا پھر یہ کھنڈرات بھوت پریت کے مسکن بن جاتے ہیں۔ اس لیے اس طرف رات کے اندھیرے میں تو کسی کے جانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

دن کے اجالے میں اس طرف کوئی "جنگل پانی" (حوائج ضروریہ سے) فراغت کے لیے بھی اس خوف سے نہیں جاتا تھا کہ مبادا کسی بھوت پریت کے بچے پر ان کا پاؤں آ گیا یا کسی بدروح نے انہیں دیکھ لیا تو ناراض ہو کر کہیں ان کا "سروناش" ہی نہ کر ڈالے۔

طاہر نے جس طرح زمین پر لکیریں ڈال کر اسے ان کھنڈرات کا نقشہ سمجھایا تھا بعینہ اسے سب کچھ دکھائی دیا۔

"کیا طاہر کا یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے؟"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

''کیا وہ ماضی میں بھی یہاں آیا تھا؟''

''اگر وہ یہاں آ چکا ہے تو کس روپ میں؟ کیسے؟ کیسے ممکن ہے یہ سب کچھ؟''

اچانک ہی اس کے ذہن میں سوالات پیدا ہونے لگے۔

''کیا طاہر صرف ایک تخریب کار ہی ہے؟''

''کیا وہ صرف بھارتی انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہی ہے؟''

نئے سوالات نے جنم لیا۔

''نہیں۔''

اس کے دل و دماغ نے ایک ہی جواب دیا۔

''تو پھر وہ کون ہے؟''

''یہاں کیا کرنے آیا ہے؟''

''کیا اس کا خیال صحیح تھا؟''

اسے یاد آ گیا۔ کبھی کبھی اچانک ہی اسے احساس ہوتا تھا کہ طاہر وہ نہیں ہے جو نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس نے دو تین مرتبہ طاہر سے یہ بات کہی بھی تھی۔ پھر سوچا کرتی تھی کہ وہ اس سے متعلق خوامخواہ کسی وہم کا شکار کیوں ہے۔

''کچھ بھی ہو..........؟''

اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''وہ کچھ بھی ہو۔ اب میرا سب کچھ وہی ہے۔ میرا جینا مرنا اب اس کے ساتھ ہوگا۔''

قدرے مطمئن ہو کر اس نے اپنا بیگ جو وہ اس طرف آتے ہوئے آشرم کے لاکر میں رکھ آئی تھی لا کر اسے ایک قدرے ہموار جگہ پر رکھا اور وہاں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ وہ جس جگہ بیٹھی تھی وہ شاید اس شہر میں سب سے محفوظ جگہ تھی۔ اس کے سامنے کی ٹوٹی ہوئی دیوار سے اس طرف آنے والے راستے پر دور دور تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جب کہ سامنے سے آنے والے کو اس طرف کچھ دکھائی دینے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ کیونکہ وہاں دیواروں سے نکلنے والے پیپل کے درختوں کی موٹی موٹی شاخوں سے لٹکتے گھنے پتوں نے ساری عمارت کو

بالکل اس طرح چھپا دیا تھا جیسے فوجی اپنے سامان جنگ کو دشمن کی نظروں سے چھپانے کے لئے کیمو فلاج کر لیا کرتے ہیں۔

یہاں ٹیلے پر سب سے پہلے کامنی کو یہ احساس ہوا کہ اسے بخار نے آ لیا ہے اور وہ قدرے نڈھال بھی ہو رہی ہے۔

یہ احساس بڑا پریشان کن تھا۔

بخار آنے کا مطلب اس کے لیے نئی مصیبت کھڑی ہونا تھا۔

اسے ابھی تندرست رہنا تھا۔ اپنے حواس بحال رکھنے تھے۔ ابھی اسے ایک طویل جنگ لڑنی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ طاہر کے فرار کا علم ہوتے ہی ایمرجنسی ڈکلیئر ہو جائے گی اور جب اگلے روز وہ بھی اپنی ڈیوٹی پر نہیں پہنچے گی تو اس کے متعلق بھی ''را'' کو سچائی کا علم ہو جائے گا۔ جس کے بعد چور سپاہی کا ایک طویل اور تھکا دینے والا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

ان دونوں کو یہ اعصاب شکن جنگ ابھی لڑنی تھی۔

جنگ کے آغاز سے پہلے ہی وہ کمزور پڑ رہی تھی۔

اس کے نزدیک یہ کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ اس طرح تو وہ طاہر کے لیے بھی مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔

لیکن میں..........

اس نے فوراً اس خیال کی نفی کر دی۔ اس نے اپنے آپ سے عزم کیا تھا کہ وہ جیسے بھی ہو طاہر پر آنچ نہیں آنے دے گی۔

اسے اپنی ہی نہیں طاہر کی حفاظت بھی کرنی تھی۔

وہ طاہر کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا؟

اب اس کا اپنا تھا۔ طاہر نے اس کے لیے جان کی بازی لگائی تھی۔ یوں سوال جیسے درندے سے اس کی عزت اور زندگی دونوں بچائی تھیں۔ اب وہ بھی اس سے الگ ہونے کا تصور نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ بھی گوارہ نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اس کی زندگی کے لیے خطرہ پیدا کرے۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اور وہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں اس ترکیب پر عمل پیرا

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

ہونے کا سوچ کر مطمئن ہو رہی تھی۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

کامنی کو یہاں بیٹھے بمشکل پانچ سات منٹ ہی ہوئے تھے جب اسے کھنڈرات کی طرف آنے والا اس راستے پر طاہر آتا دکھائی دیا۔

○ ○ ○

طاہر کے خدوخال واضح نہیں تھے لیکن اس نے کامنی کو کچھ "سیف سگنل" بتا دیے تھے۔ اس نے بتا دیا تھا کہ وہ کھنڈرات کی طرف آتے ہوئے ہاتھوں سے کچھ مخصوص اشارے کرے گا اور کسی طرح کی ورزش کرے گا۔

اس طرح بظاہر کسی اور دیکھنے والے کو یہ تاثر ملتا کہ وہ صبح کو یوگا کر رہا ہے اور رات کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔

کامنی اس پر نظریں گاڑے اپنی جگہ چوکس تھی گو کہ اسے یہ ثبوت مل چکا تھا کہ آنے والا طاہر ہی ہے۔

لیکن............

اس نے پھر بھی اپنی تربیت کو نہیں بھلایا تھا اور بطور احتیاط اپنا پستول بالکل فائرنگ پوزیشن میں رکھا ہوا تھا۔

کامنی کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ خود اس کے دھڑکنے کی آواز سن سکتی تھی۔

اب طاہر کے خدوخال بھی واضح ہونے لگے تھے۔ اس نے اپنے طے کردہ "سیف سگنل" کے مطابق بھجن گانا شروع کر دیا تھا۔

"اوم جے جگدیش ہرے۔"

وہ چلتا ہوا اب ان ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں کے نزدیک پہنچ گیا تھا جہاں سے چڑھ کر کامنی اگروال اوپر گئی تھی۔

اپنا بیگ اس نے مقامی یاتریوں کی طرح کمر کے پیچھے لٹکا رکھا تھا اور اب وہ بالکل کامنی کے نزدیک آ گیا تھا۔

کامنی اسے اپنے نزدیک پا کر اس اوٹ سے نکل کر اچانک سامنے آ گئی تھی جہاں وہ

اب تک بیٹھی تھی۔

"کامنی۔"

بے ساختہ طاہر کے منہ سے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نکلا۔

"طاہر۔"

کامنی بے قرار ہو کر آگے بڑھی اور دیوانہ وار اس سے لپٹ گئی۔

اچانک ہی اس کا دل بھر آیا تھا اور نجانے کب سے اس کی آنکھوں میں تھمے آنسو تمام بندشیں توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

اس کا بدن بید کی طرح لرز رہا تھا۔

"نہیں کامنی۔ اب تم کبھی نہیں روؤ گی۔ تمہارا رونا مجھے کمزور کر دے گا۔ کامنی۔ نارمل ہو جاؤ۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ اب سلامتی ہے۔"

اس نے آہستہ سے کامنی کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ کامنی کا ہاتھ بہت گرم ہے۔

"اوہ۔ تمہیں تو بخار آ رہا ہے۔"

اس نے کامنی کے ساتھ ہی اس کی بچھائی چادر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ بس ذرا جسم گرم ہے۔"

کامنی جو خود کو سنبھال چکی تھی بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ بے فکر رہو۔ میں تمہیں بیمار نہیں ہونے دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے دودھ کا ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے رکھا اور تین چار مختلف قسم کی گولیاں اور کیپسول اپنی ہتھیلی پر ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

"انہیں دودھ کے ساتھ نگل جاؤ۔"

اس نے کامنی کی طرف مسکراتے ہوئے اس طرح دیکھا تو وہ بھی بے اختیار مسکرا دی۔

آنسوؤں سے بھیگی اس مسکراہٹ نے ایک لمحے کے لئے تو طاہر کو بھی مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

کامنی نے نہ چاہتے ہوئے بھی محض اس کے حکم کی تعمیل میں گولیاں دودھ کے ساتھ نگل لیں اور باقی دودھ واپس رکھ دیا۔

"ارے بھئی اسے بھی پی لو۔"

طاہر نے کہا۔

"میں نہیں پی سکتی۔ میں دودھ بھی نہیں پی سکتی۔" یہ بھی بڑی مشکل ہے۔

اس نے کہنا چاہا۔

"اچھا دو گھونٹ میرے لیے پی لو۔"

طاہر نے اس کی بات کاٹ کر ایسے لہجے میں کہا کہ کامنی نے بے اختیار ڈبہ اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"بس اب اور نہ کہنا۔"

کامنی نے ڈبہ واپس زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارا حصہ اتنا ہی تھا۔"

اس نے ڈبے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

اور............

اس کا اگلا قدم کامنی کو مبہوت کرنے کے لیے کافی تھا جب طاہر نے باقی کا دودھ اپنے حلق میں انڈیل دیا۔

حیرت سے کامنی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا کہ دنیا میں ایسے انسان بھی پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے برتن میں کھانا کھا لیں یہاں تو معاملہ ہی اور تھا۔

"طاہر.......تم............"

"کیا ہوا.............کوئی پریشانی والی بات ہے کیا؟"

"یہ جھوٹا دودھ............"

"او تو یہ بات ہے.......دیکھو کامنی اول تو ہمارے نزدیک سب انسان چونکہ برابر ہیں اس لیے کسی کا جھوٹا کھا پی لینے سے کوئی ملیچھ نہیں ہو جاتا۔ یہ سب فرسودہ باتیں ہیں پھر جس سے

محبت کی جائے اس کی ہر شے میں شیئر کیا جاتا ہے۔

اس نے کامنی کی بات دوبارہ کاٹتے ہوئے کہا۔

اور............

اپنے بیگ میں سے کچھ پھل نکالنے لگا۔

"یہ سیب میں نے خاص طور سے تمہارے لیے خریدے تھے۔ میں جانتا ہوں تم شوق سے کھاتی ہو۔ مجھے یہ بھی علم ہے کامنی کہ اس وقت تمہارا جی بالکل کچھ کھانے کے لیے نہیں چاہ رہا ہو گا۔ لیکن میری درخواست ہے کہ تم کچھ نہ کچھ ضرور زہر مار کر لو۔ تمہارا تندرست رہنا بے حد ضروری ہے۔ یہ میں کسی خوف کے تحت نہیں کہہ رہا۔ خدا نہ کرے اگر تم بیمار بھی ہو گئیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں تمہیں اکیلے چھوڑ دوں گا۔ اب جیتے جی کم از کم میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے ایک ہاتھ سے سیب باقاعدہ چھیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

کامنی نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح آدھا سیب لے کر آدھا سے دے دیا۔

"میرے خیال سے تمہارے لیے بھی صحت کا خیال رکھنا اتنا ہی ضروری ہے۔"

اس نے کہا۔

"اوہ کیوں نہیں۔"

طاہر نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کے سامنے اپنا منہ کھول دیا۔

ooo

جناح لائبریری و جلد ساز
P 0333 2116358
چکوال

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں تین چار منٹ خاموشی سے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ طاہر محسوس کر رہا تھا کہ کامنی کسی الجھن کا شکار ہے۔ لیکن وہ اس سے براہ راست کوئی سوال بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میرے خیال سے ہمیں پہلے کچھ باتیں کر لینی چاہیں۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ جتنی جلدی ہم یہاں سے نکل جائیں وہی ہمارے لیے بہتر ہوگا۔"

طاہر نے لمبی سانس لے کر کہا۔

"کامنی۔ میں جانتا ہوں تم اس وقت کسی الجھن کا شکار ہو۔ چونکہ میرا تعلق بھی تمہارے ہی پیشے سے ہے۔ جہاں بات بتائی نہیں چھپائی جاتی ہے لیکن کامنی میں پہلے مسلمان اور انسان ہوں اس کے بعد کچھ اور.......... میں تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ تم کوئی بھی ہو۔ تمہارا ماضی کچھ بھی ہو۔ تم میرے لیے اتنی ہی محترم ہو جتنی میرے دیس کی کوئی بھی عفت ماب لڑکی۔ ہاں کامنی میں تمہاری الجھن ختم کر دوں۔ میرا تعلق تمہاری مخالف تنظیم سے ہے۔ اس کیمپ تک پہنچنے کے لیے میں نے تخریب کار کا روپ دھارا تھا کیونکہ مجھے ہر صورت میں اس کیمپ کو تباہ کرنا تھا۔ تم جانتی ہو کامنی ہنواری کیمپ سے میرے ملک میں کس نوعیت کی تخریب کاری ہو رہی تھی۔ کامنی تم نے ایک روز مجھے کہا تھا کہ بچوں کے اس قتل عام میں آخر میرے جیسا شخص کیسے حصہ دار بن سکتا ہے۔ میں تمہارے قیافے کی داد دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہیں اس سے پہلے میرے متعلق صرف شک تھا لیکن کل سے تم سب کچھ جاننے لگی ہو۔ میں تمہاری اس جانکاری پر اپنے

اقرار کی مہر ثبت کر رہا ہوں۔ کامنی مجھے بتانا ہے کہ اب ہنواری نام کا کوئی کیمپ باقی نہیں رہا۔ کل رات میں نے اپنے ساتھی کی مدد سے کیمپ کو تباہ کر دیا ہے گو کہ اس سے اس دیش کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا نہیں ہے۔ یہاں ایسے درجنوں تخریب کاری کی تربیت دینے والے کیمپ قائم ہیں۔ لیکن اب دشمن ہمارے بچوں کو قتل کرنے سے پہلے' ہمارے بے گناہ شہریوں کے خون سے ہولی کھیلنے سے پہلے ہمارے بسے بسائے شہروں کو آتش و آہن کی نذر کرنے سے پہلے ضرور یہ سوچے گا کہ ہم اس سے سائز میں آٹھ گنا کم سہی لیکن اس کے دیگر ہمسایہ ممالک کی طرح ابھی اتنے کمزور نہیں ہوئے کہ اس کے ظلم و ستم اور زیادتیوں کے سامنے بھیڑیوں کی طرح اپنے سر خم کرتے چلے جائیں۔ کامنی! تم نے ایک ہندو گھرانے میں جنم ضرور لیا ہے۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت تمہیں آج ہی کے دن کے لیے ایک لمبے عرصے سے تیار کرتی آ رہی تھی۔ کامنی تم بتاؤ خدا کے لیے تم بتاؤ کہ ہمارا قصور کیا ہے؟ کیوں آخر یہ دشمن ہمیں تباہ کرنے پر تلا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہمارے دو ٹکڑے کر کے کیا اس کے حکمرانوں کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ کامنی! میں اس ملک میں تین سال سے گھوم رہا ہوں۔ مجھے بھارت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کرنے اور یہاں بھانت بھانت کے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا ہے۔ میرا دل یہاں کی خستہ حالت زار پر خون کے آنسو روتا ہے۔ جس ملک کی ساٹھ فیصد آبادی بنیادی انسانی سہولتوں سے محروم ہو۔ وہاں کے حکمران جو اپنے ملک کی صرف چھ فیصد آبادی کے نمائندے ہیں۔ دن رات قتل و غارت گری کے جنون میں مبتلا رہتے ہیں۔ میزائلوں کی تیاری پر کھربوں روپے لگانے والے اس دیش کو آخر کس سے خطرہ ہے۔ بھارت سائز اور فوج کے اعتبار سے سب سے بڑا ملک ہے لیکن اس کے حکمران کس جنون میں اندھے ہو کر اپنے ہمسایہ چھوٹے چھوٹے ممالک کو ہڑپ کرنے پر تلے ہیں۔ ہمیں لڑنے کا شوق نہیں۔ ہم جس دین کے پیروکار ہیں وہ تو سلامتی کا دین ہے۔ وہاں انسانی جان اپنی جان سے زیادہ محترم سمجھی جاتی ہے۔ وہاں ذات پات' بھید بھاؤ کچھ نہیں سب برابر کے انسان ہیں۔ ہمارا جی نہیں چاہتا کہ ہم ہتھیار جمع کرتے رہیں۔ ہم بھارت کے تخریب کار کیمپوں کو تباہ نہیں کرنا چاہتے لیکن ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہم ایسا کریں۔ آخر اس ملک کے حکمرانوں کو اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی کہ ہم ان کے دوسرے غریب اور چھوٹے ہمسایہ دیشوں کی طرح اس کے غلام بن کر جینے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر ہمارے ایسے ہی ارادے ہوتے تو لاکھوں جانوں اور

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

عصمتوں کی قربانیاں دے کر یہی ایک خطۂ زمین حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم ہندوستان میں صدیوں سے اکٹھے رہتے آرہے تھے۔ کامنی! ہمیں جان بوجھ کر آگ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اس ملک کے حکمران ہم سے زیادہ ظلم اور زیادتی اپنے لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ انہیں پینے کے لیے پانی نہیں دیتے۔ میزائل دے رہے ہیں۔ کیا ان میزائلوں سے غریب جنتا کے پیٹ کی آگ بجھ جائے گی؟...... ہاں کامنی! میں بنواری کیمپ تباہ کرنے آیا تھا۔ میں اپنا کیس تمہارے ضمیر کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں اور تم پر چھوڑتا ہوں۔ انصاف سے تم جو بھی فیصلہ کرو مجھے قبول ہے۔ کامنی تمہارے پاس اپنا سروس پستول موجود ہے۔ جس کسی کو تم مانتی ہو تمہیں اس کی قسم اور واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہارے نزدیک میں گناہگار ہوں تو ابھی مجھے گولی مار کر سرخرو ہو جاؤ۔ اس طرح نہ صرف تم ان لوگوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلاسکو گی بلکہ اور بھی بہت کچھ تمہیں مل جائے گا۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے ہر فیصلے کو قبول کروں گا اور اس کے خلاف احتجاج نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم ہندو لڑکی سے زیادہ انسان ہو اور انسانیت کے ناطے تمہارے دل میں آدمیت کا احترام بھی ہوگا۔ **Now**

Come on کامنی! میں تیار ہوں۔"

○ ○ ○

یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کامنی کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا۔

کامنی کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے جھنجھوڑ کر اسے گہری نیند سے جگا دیا ہو۔ وہ ابھی تک خود کو عالم ارواح میں محسوس کر رہی تھی۔ طاہر کا کہا ہوا ایک ایک لفظ نشتر کی طرح اس کے دل میں بہت گہرا اترتا چلا جا رہا تھا۔

اس کے لفظوں میں موجود سچائی نے کامنی کو دم بخود کر دیا تھا۔

کامنی کا دل اس کے ایک ایک لفظ پر آمنا صدقنا کہہ رہا تھا۔

سچ اگر کسی طاقت کا نام تھا تو آج طاقت نے کامنی کو مسخر کر لیا تھا۔ وہ مغلوب ہو چکی تھی۔

جیسے جیسے طاہر بول رہا تھا۔ کامنی کے سامنے اس کی سابقہ زندگی کی فلم چل رہی تھی۔

گزشتہ دو سال سے وہ مختلف تخریب کاری تربیتی مراکز میں خدمات انجام دیتی آرہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں دہشت گرد بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تیار کرنے کے بعد آتش و آہن سے لیس کر کے پاکستانی سرحدوں میں دھکیلے تھے۔ ان میں کچھ پکڑے گئے کچھ مارے گئے اور کچھ کامیابی سے اپنا کام کر کے واپس آئے تھے۔

اس دفعہ نئے اور زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ ان تربیت یافتہ انسان نما درندوں کو میدان میں اتارا جا رہا تھا۔

پاکستانی ہسپتالوں' ٹرینوں' بسوں اور بازاروں میں دھماکے کی اطلاع ملنے پر متعلقہ کیمپ میں جشن منایا جاتا تھا۔

شراب و کباب کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔

اور............

اسے کیا بنا دیا تھا ان لوگوں نے۔ اس نے کیا اسی لیے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی کہ اپنے علم سے وہ بے گناہ مخلوق کی تباہی کا سامان کرتی رہے۔ اسے اپنے ماضی سے گھن آرہی تھی۔

طاہر سچا تھا۔

وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔

یہ لوگ اسی کے مستحق تھے۔ جو دوسروں کو تباہ کرتے ہیں۔ جو دوسروں کی تباہی کا سامان کرتے ہیں انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں ملنا چاہیے۔

اسی طرح دنیا میں میزان عدل قائم ہو سکتی ہے۔

انسان اور جانور میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر بڑی مچھلی کی طرح ہر بڑا ملک چھوٹی مچھلی کو ہڑپ کر جائے۔

زندگی پر سب کا حق یکساں ہے۔

سب کو جینے کا حق ملنا چاہیے۔

اپنی مرضی سے اپنے اصولوں کے ساتھ جینے کا حق!!

آج اگر اسے طاہر نے منصف کی کرسی پر بیٹھا ہی دیا تھا تو اس کا انعام پستول کی گولی نہیں کچھ اور تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے یاد آ گیا اس کی موسی کامنی کو مسلمان سہیلیوں کے گھروں میں زیادہ نہیں جانے دیتی تھی۔

ان کے ہاں کسی مذہبی تقریب میں تو اسے جانے سے زبردستی روکا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جب کسی قابل ہوئی تو اس نے ان ساری پابندیوں کو توڑ ڈالا۔

"موسی آخر تم مجھے وہاں کیوں نہیں جانے دیتی۔"

اس نے ایک روز اپنی موسی سے پوچھا تھا۔

"ہرے رام...... ہرے رام...... ارے بیٹی تو ابھی بچی ہے۔ تو ان مسلوں کو نہیں جانتی یہ جادوگر ہوتے ہیں جادوگر۔ یہ تمہیں مار ڈالیں گے۔ تم پر ایسا کچھ منتر پھونک دیں گے کہ پھر تم ہمارے لائق بھی نہیں رہ جاؤ گی۔" اس کی موسی نے کہا تھا۔

کامنی پر کسی نے کوئی منتر تو نہیں پھونکا۔ البتہ سچ کا جادو سر چڑھ کر ضرور بولا اور اس کی موسی کی کہی بات سچ ثابت ہو گئی اب اسے سمجھ آ گئی کہ یہ جادو ٹونہ وہ نہیں جو ان کے "تانترک" (جادو کرنے والے) کیا کرتے تھے۔ یہ سچ کا جادو تھا۔

جب اسے علم ہو گیا کہ سچ کیا ہے اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسے آج اس بات کا احساس ہوا کہ جس کو اس کی موسی جادو کا نام دیتی رہی در اصل وہ دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ جب یہ سچائی کسی پر آشکار ہو جائے تو دنیا کے تمام رشتے اس کے سامنے ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ پھر سب سے بڑا رشتہ اور سب سے معتبر حوالہ یہی سچائی بن جایا کرتا ہے۔

اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ طاہر کے کندھوں پر رکھ دیے۔

O O O

طاہر نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ہر سو طمانیت کا ایک گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ یہ سمندر اب اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا اور نامحسوس انداز میں اس کی آنکھوں سے چھلکنے والی موتیوں کی لڑیاں اس کے خوبصورت گالوں پر بہہ کر لوٹ رہی تھیں۔

"تم سچے ہو طاہر۔"

بمشکل اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

اور............

اس نے اپنا سر طاہر کے سینے پر ٹکا دیا۔

آنسو اس کی آنکھوں سے جھرنوں کی طرح پھوٹ رہے تھے۔ طاہر نے اسے فی الوقت دلاسہ دینا مناسب نہ جانا وہ چاہتا تھا کہ کامنی کے اندر کی ساری سیاہی ان آنسوؤں میں بہہ جائے اور اس کے دل پر پڑا بھاری پتھر ہٹ جائے اور وہ پر سکون ہو جائے۔

اور............

ایسا ہی ہوا۔

کامنی نے تھوڑی دیر بعد خود کو نارمل کر لیا۔

اس مرتبہ جب طاہر نے اس کے آنسوؤں سے دھلے چہرے پر نظر ڈالی تو کامنی اسے پہلے سے بالکل مختلف دکھائی دی۔

بالکل معصوم اور شبنم سے دھلی ہوئی آنکھوں والی کامنی اگروال کے چہرے پر سکون ہی سکون دکھائی پڑتا تھا۔

"کامنی۔ تمہارا شکریہ۔ میرا دل کہتا تھا تمہارا فیصلہ یہی ہو گا لیکن تمہارا فیصلہ اس سے مختلف بھی ہوتا تو میں ضرور تسلیم کرتا۔ اب میری بات بہت دھیان سے سننا کامنی کیونکہ تمہاری اگلی ساری زندگی کا دارومدار اس جواب اور فیصلے پر ہے جو تم کرنے جا رہی ہو۔"

کامنی............ تمہارے لیے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم واپس لوٹنا چاہو تو میں یا میرا کوئی بھی جذبہ تمہارے پاؤں کی زنجیر نہیں بنے گا۔ ہاں تمہارے لیے ہر ممکن آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ سماج اور دیش تمہارے لیے غیر محفوظ ہے تو تم جہاں چاہو دنیا کے جس ملک اور کونے میں چاہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بشرط زندگی وہاں تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچا دوں گا۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے قابل ہوں تو میں دل و جان سے تمہیں قبول کرتا ہوں۔ میرا ملک میرا سماج تمہارے لیے دیدہ و دل وا کرے گا۔ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی تنہائی محسوس نہیں ہو گی۔ تم پر کوئی دباؤ نہیں کامنی۔ کوئی دباؤ نہیں۔ تم جب چاہو آسانی سے کوئی بھی فیصلہ کر لینا۔ فی الوقت ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہو گا۔ کیونکہ یہاں اب ہم غیر محفوظ ہیں۔ تمہیں زیادہ بہتر اندازہ ہو گا۔"

کامنی نے اس کی بات بڑی توجہ سے سنی تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ تو بہت پہلے فیصلہ پر پہنچ چکی تھی۔

اب تو اسے اپنے دل و جان سے صرف اس فیصلے پر مہر تصدیق ہی ثبت کرنی تھی۔

اور...........

اس نے ایک لمحے جھجک کے بغیر اپنے دل و دماغ میں طے کردہ فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

"طاہر اب جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اسے میرا جذباتی فیصلہ نہ سمجھنا۔ میں نے یہ فیصلہ تو بہت پہلے ہی کر لیا تھا۔ آج میں صرف اس کا دل و جان سے اقرار کر رہی ہوں۔"

اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

طاہر نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ایک عجیب سی چمک اتر آئی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک اس کے چہرے پر نظر نہ ٹکا سکا۔

اس نے کامنی کو اب تک "را" کی انسٹرکٹر کے روپ میں دیکھا تھا۔ کامنی کا یہ بدلا ہوا روپ اس کے لیے چونکا دینے والا تھا۔

بے اختیار اس کی آنکھیں اس عظیم لڑکی کے احترام میں جھک گئیں۔ جسے قدرت نے ایک بڑے انعام کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

"کامنی ابھی تمہیں سوچنے سمجھنے کے اور مواقع بھی ملیں گے۔ میری صرف ایک ہی درخواست ہے کہ تم جو بھی فیصلہ کرو۔ مکمل آزادی اور اختیار کے ساتھ کرنا۔ بغیر کسی جھجک کے بغیر کسی دباؤ کے۔"

کامنی نے اس بات کا جواب صرف نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کرتے ہوئے دیا۔ شاید اس کی آنکھیں طاہر سے پوچھ رہی تھیں کہ اسے ان میں کہیں جھوٹ دکھائی دے رہا ہے؟

"میرے خیال سے اب یہاں سے نکلنے کی فکر کریں۔ زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

کامنی نے کہا۔

"تمہاری موٹر سائیکل محفوظ ہے۔ میں نے نمبر پلیٹ بدل دی تھی۔"

طاہر نے اپنی رائے پیش کی۔

"اس کا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔ مسوری اور ڈیرہ دون میں ہمارا "کاؤنٹر سسٹم" بہت مضبوط ہے۔ یہاں سی۔ آئی (کاؤنٹر انٹیلی جنس کا انچارج) کرنل مونگیا ہے۔ آج تک اس کی کریڈٹ پر کوئی ناکامی نہیں لکھی گئی کیونکہ یہاں سے بھاگنے والے تم پہلے تخریب کار نہیں ہو۔ ابھی تین ماہ پہلے ہی بنگلہ دیش کا ایک نوجوان کسی بات پر غیرت کھا کر فیلڈ ایریا میں آدھی رات کو ایک مشق کے دوران کھسک گیا تھا۔ جسے مونگیا نے صبح ہونے سے پہلے مسوری سے گرفتار کر لیا تھا۔"

کامنی نے اسے موٹر سائیکل کے استعمال سے منع کیا۔

"کون ہے یہ کرنل مونگیا۔ میں نے نہیں دیکھا کیا؟"

طاہر نے حیرانگی سے دریافت کیا۔ کیونکہ کیمپ کے قریباً تمام افسران کو اس نے دیکھا ہوا تھا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے طاہر۔ تم نے اس کے ساتھ دہلی سے یہاں تک کا سفر کیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ چکرورتی کے روپ میں سفر کر کے آیا تھا۔ معلوم نہیں اس نے تمہیں اپنا رینک کیپٹن بتایا ہو یا میجر۔ بہرحال وہی کرنل مونگیا ہے۔"

کامنی کے انکشاف نے اسے حیران کر دیا۔

"او مائی گاڈ تو یہ وہ ذات شریف ہیں۔"

اس نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ کرنل مونگیا بھی "سپلنٹر" ہے۔ اس نے بھی "کے جی بی" کے کمانڈوز کے ساتھ روس میں دو سال گزارے تھے۔ یہ شخص یہاں بے پناہ اختیارات کے ساتھ کام کر رہا ہے اور ہمارے وہم و گمان سے بڑھ کر چالاک ہے۔ یہی دیکھ لو کہ اس نے تمہارے ساتھ دہلی سے یہاں تک کا سفر صرف تمہیں چیک کرنے کے لیے کیا تھا۔ ایسے "سرپرائز" وہ اکثر دیا کرتا ہے۔ وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ اپنے آپ پر بھی نہیں اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔"

کامنی نے اسے خبردار کیا۔

"تمہارے خیال سے کیا "ممکنہ اقدامات ہیں۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاہر نے انٹیلی جنس کی زبان میں اس سے دریافت کیا۔

کامنی نے اپنے ذہن پر زور دے کر اپنے علم کی حد تک اسے تمام ممکنہ اقدامات سے آگاہ کر دیا۔

"ہوں اں اں۔"

اس کی بات کے خاتمے پر ایک لمبی ہوں طاہر کے منہ سے برآمد ہوئی۔

اب تک اس مندر میں درجنوں ایجنٹ پہنچ چکے ہوں گے۔ ہماری خوش قسمتی ہے یا پھر تمہاری ہوشیاری کہ تم نے ایسے موقعے کا انتخاب کیا جب یہاں ہزاروں یاتریوں کی بھیڑ جمع ہو چکی ہے۔ اب ہمیں اس بھیڑ میں راستہ بنانا ہے طاہر!

کامنی نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر طاہر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا اور زمین پر انگلی کی مدد سے مختلف لکیریں لگا کر اسے سمجھنے لگا کہ کیا کیا راہ فرار ممکن ہے؟

اس نے کامنی کے ساتھ تین آپشن Option رکھے تھے۔ لیکن کامنی نے تینوں نامنظور کر دیئے۔

"پھر آخری راستہ یہی باقی بچتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے کامنی کو بتانا شروع کیا کہ فی الوقت وہ ڈیرہ دون کی طرف جانے کی بجائے دوسری سمت اختیار کریں گے۔

"تمہارا مطلب ہے "پونٹا صاحب"

کامنی نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔"

کامنی نے صاد کیا۔

اب انہیں یہاں قریباً ۳۰ کلومیٹر پیدل سفر کرنا تھا۔ یہی ایک محفوظ راستہ تھا ورنہ تو جس طرح کے "جوابی اقدامات" سے متعلق کامنی اگروال نے بتایا تھا اس "جال" سے بچ نکلنا ان کے

لیے ممکن ہی نہ رہتا۔

کرنل مونگیا نے اس کی دانست میں اس امکان پر غور نہیں کیا ہوگا کہ وہ پیدل یہاں سے نکلیں گے۔

اور..........

یہیں ایک ایسا بظاہر "ویک پوائنٹ" تھا جو ان کے حق میں جاتا تھا۔ طاہر جانتا تھا کہ کامنی بیمار ہو چکی ہے۔ مسلسل بھاگ دوڑ نے اسے تھکا دیا ہے۔ اسے علم تھا کامنی گزشتہ دو راتوں سے سو نہیں پائی۔ بس یہی دو تین گھنٹے کی نیند غنیمت تھی جو اس نے یہاں لی تھی۔ پھر بھی وہ صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

"چلو کامنی۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ بھی کامنی کے بیگ میں رکھا اور اسے اپنے کندھے پر لٹکا لیا۔

کامنی نے رات یہاں سے خریدی ہوئی "پیتامبر" (پیلی چادریں) جن پر سنسکرت میں پرنٹنگ کی گئی تھیں نکالیں۔ ایک چادر کھول کر اس کے کندھوں پر ڈال دی اور ایک پٹی اسے اپنے سر پر باندھنے کے لیے دے دی۔

اس نے ماتھے پر پیلی پٹی باندھتے ہوئے کہا۔

اب وہ واقعی ایک مکمل ہندو اور "بھوانی ماں" کا پجاری دکھائی دے رہا تھا۔

کامنی نے اپنے بال کھول کر جب اپنے شانوں پر لہرائے اور ماتھے پر بڑا سا تلک لگایا تو گیروی چولے میں لپٹی کامنی کی طرف دیکھ کر اسے "میرا بائی" یاد آ گئی!! اس نے میرا بائی کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن اس وقت جو روپ کامنی نے دھارا تھا میرا بائی تصاویر میں بھی ایسی ہی دکھائی دیا کرتی تھی۔

روانگی سے پہلے طاہر نے کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کی تو کامنی کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا۔

"یہ کیا پڑھا تھا تم نے۔"

اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں نے وہ آیات پڑھی ہیں جو ہمیں کسی بھی سفر پر روانگی سے پہلے پڑھنے کی تلقین کی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

گئی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس کے بعد کوئی آفت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ ہماری خود حفاظت فرمائے گا۔"

"مجھے بھی پڑھاؤ۔"

کامنی نے یہ کہہ کر طاہر کو چونکا دیا۔

"تم۔"

طاہر نے حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

"ہاں میں............ مجھے پڑھاؤ طاہر"

کامنی نے ضد کے لہجے سے کہا۔

طاہر نے ایک ایک لفظ اس کے منہ سے ادا کروایا اور سرشاری کی عجیب سی کیفیت کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کیا۔

سورج ابھی مکمل طلوع نہیں ہوا تھا۔

اس علاقے میں یوں بھی پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دھند زیادہ چھائی رہتی تھی اور سورج کچھ دیر سے ہی دکھائی دیا کرتا تھا۔

عموماً ایسی سردی میں لوگ گھروں سے ضروری کام کے لیے ہی باہر آیا کرتے تھے لیکن آج چونکہ "مائی کالکا" کے مندر میں سالانہ میلہ چل رہا تھا اس لیے یاتریوں کے جلوس ابھی سے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جو مختلف شہروں سے ٹولیوں کی شکل میں آتے اور یہاں سے نکلنے والے مختلف جلوسوں کا حصہ بن جاتے تھے۔

○ ○ ○

طاہر نے گذشتہ چار دنوں سے جان بوجھ کر شیو نہیں بنائی تھی اور چار دنوں میں اس کی داڑھی کے بالوں نے سارا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ خدا جانے اس نے اپنے پاس وہ سفید شیشوں والی عینک کب سے اس وقت کے لیے چھپا کر رکھی ہوئی تھی جو بظاہر نظر کی عینک دکھائی دیتی تھی۔ اس عینک کو لگانے اور اپنے سر میں درمیان سے چیر نکالنے کے بعد اس کی شناخت بڑی آسانی سے ممکن نہیں رہی تھی۔

اپنی دانست میں کامنی نے بھی اپنی شناخت ناممکن بنا دی تھی۔ اسے تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی گئی تھی کہ اپنی شناخت کس طرح تبدیل کی جائے۔

روانگی پر جب کامنی نے اپنا پستول طاہر کی طرف بڑھایا تو اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں کامنی۔ میرا کام اس کے بغیر بھی چل جائے گا تم اسے ضرور اپنے پاس رکھو۔ اگر خدانخواستہ کہیں ایسا کوئی وقت آیا تو میں تم سے پہلے مروں گا۔ یہ میرا اپنے آپ سے تم سے اور اپنے اللہ سے وعدہ ہے۔ اب تمہاری حفاظت میرا اولین فریضہ ہے۔ لیکن تمہارے لیے ایک بات ضرور کہوں گا کامنی کہ زندہ کبھی ان لوگوں کو ہاتھ نہ لگنا۔"

"ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔"

کامنی نے رعد کی طرح کڑک کر کہا تھا۔

طاہر نے خود پستول کو لوڈ ان لوڈ کر کے چیک کیا اور اس کی کارکردگی سے مطمئن ہونے کے بعد پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔

"پارٹنر Take it"

اس نے پروفیشنل لہجے میں کہا۔

"تھینک یو۔"

کہہ کر کامنی نے پستول دوبارہ اس پوزیشن پر چھپا لیا جہاں سے وہ اسے آسانی سے نکال کر استعمال کر سکے۔

دونوں اگلے پندرہ منٹ بعد ایک بڑے جلوس کا حصہ بن چکے تھے!!

شہر کے آخری کونے تک انسانوں کی بھیڑ لگی تھی اور اس بھیڑ کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے نکل رہے تھے۔

طاہر کو کامنی کی صحت کا احساس تھا۔ اس نے متعدد مرتبہ کامنی کو اپنے سہارے چلانے کی کوشش کی تھی حالانکہ کامنی اس پر اب ایک لمحے کے لیے بھی بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔

"طاہر مطمئن رہو۔ میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے بالآخر طاہر کے عندیہ کو بھانپتے ہوئے کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

دونوں شہر سے باہر آ گئے تھے اور اب اس پہاڑی پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے جو راستے میں آنے والے قریباً گیارہ دیہاتوں سے گزرنے کے بعد انہیں منزل مقصود پر پہنچا دیتی۔ جہاں سے وہ محفوظ سفر کے ذریعے پونٹا صاحب پہنچ جاتے جو سکھوں کا مقدس مقام تھا جہاں اس صوبے کا سب سے بڑا گوردوارہ بنا ہوا تھا۔

''مطمئن رہنا میں ان جنگلوں اور پہاڑی سلسلوں میں بڑی جھک ماری ہے۔ کچھ آئیڈیا مجھے بھی ہے۔''

کامنی جانتی تھی طاہر اس کے متعلق پریشان ہے۔ شاید اس لیے اس نے یہ فقرہ کہا تھا۔

''میں جانتا ہوں کامنی۔''

طاہر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

دونوں قریباً دو گھنٹے ایک دوسرے سے باتیں کرتے اس پہاڑی سلسلے میں چلتے چلے گئے۔ اس دوران طاہر نے تین چار مرتبہ اپنی گھڑی میں نصب کپاس کے ذریعے اپنی سمت صحیح ہونے کی تصدیق کر لی تھی۔ اب تک کامنی صرف اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر چلتی چلی آ رہی تھی۔

○ ○ ○

سورج نکل آیا تھا جس سے سردی کا زور کچھ کم پڑ گیا تھا۔

کامنی نے اپنا چولا اس سلسلے میں داخل ہوتے ہی اتار کر طاہر کے کندھے سے لٹکے بیگ میں ٹھونس دیا تھا اور طاہر نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔

دونوں ابھی تک ایک سرشاری کے عالم میں چلتے چلے جا رہے تھے۔ اس دوران کامنی نے دو تین مرتبہ ایک دو گھونٹ پانی اس بوتل سے اپنے حلق میں انڈیلا تھا جو انہوں نے سفر کے آغاز پر مسوری سے خریدی تھی۔

طاہر محسوس کر رہا تھا کہ کامنی کی توانائیاں کم پڑنے لگی ہیں۔

انہیں سفر کرتے قریباً چار گھنٹے ہو رہے تھے جب اچانک اس نے کامنی کو لڑکھڑاتے دیکھا۔

''کامنی۔''

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اس نے دیوانہ وار لپک کر اسے زمین پر گرنے سے

پہلے تھام لیا تھا۔

سہارا دے کر وہ کامنی کو پہاڑی کی اوٹ میں لے آیا۔ یہاں سوائے کسی جنگلی جانور کے اور کوئی خوف نہیں تھا۔

طاہر نے اس کا بازو پکڑا تو اسے احساس ہوا کہ کامنی نے مسلسل پیدل چل کر اپنے ساتھ کیسی زیادتی کی تھی۔

وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

طاہر نے بیگ سے چادر نکال کر اسے چادر پر بٹھا دیا۔

''معاف کرنا ذرا چکر آ گیا تھا۔''

کامنی نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اسے اس بات کا افسوس ہو رہا ہو کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟

طاہر کا دل بھر آیا۔

لیکن۔ اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔

''یو آر گریٹ کامنی۔''

اس نے بیگ کی زنجیر کھولتے ہوئے کہا۔

بیگ سے اس نے کچھ ادویات اور دودھ کا پیکٹ نکال کر کامنی کی طرف بڑھایا۔

''کامنی تم اچھا سمجھو یا برا۔ اس مرتبہ تمہارا سارا دودھ پینا پڑے گا۔''

''یہ تمہارا حکم ہے کیا؟''

کامنی نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہی سمجھو۔''

طاہر نے اندازہ کر لیا تھا کہ کامنی صرف اسے مطمئن کرنے کے لیے مسکرا رہی ہے ورنہ اس کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔

''او۔ کے''

کہہ کر کامنی نے اس کی دی ہوئی گولیاں دودھ کے ساتھ نگل لیں اور ایک ایک گھونٹ کر کے خاصا دودھ بھی پی لیا باقی پیکٹ پہلے کی طرح اس نے خالی کر دیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"کامنی سونے کی کوشش کرو۔"

طاہر نے اسے زبردستی چادر پر لٹاتے ہوئے کہا۔

"طاہر مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"کیوں نہیں آئے گی۔ ان میں ایک خواب آور گولی بھی موجود تھی۔"

طاہر نے اپنے زانو کو سرہانہ بنا کر اس کا سر وہاں رکھ دیا تھا۔

کامنی نے اس کی طرف جگر پاش نظروں سے دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ طاہر نے اسے کوئی خواب آور گولی تو نہیں دی تھی لیکن کامنی پر تھکاوٹ اس بری طرح سوار تھی کہ موقعہ ملتے ہی اسے گہری نیند نے آلیا۔

جب طاہر کو یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند سو گئی ہے تو اس نے اطمینان سے اس کا سر اپنے زانوں سے اتار کر اپنی جیکٹ سے بنائے سرہانے پر رکھ دیا اور خود اٹھ کھڑا ہوا۔

گو کہ اس نے کھانے پینے کا کچھ ذخیرہ کر لیا تھا لیکن اسے کامنی کی صحت کی فکر لگی تھی جس کے لیے خوراک کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔ مسوری کا جو نقشہ اس کے ذہن میں تھا اس کے مطابق یہاں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو کلو میٹر کے ایریا میں کوئی گاؤں ہونا چاہیے تھا۔

O O O

کامنی کو سوتا چھوڑ کر وہ پہاڑی کی چوٹی پر آ گیا۔ اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ یہاں سے بمشکل ڈیڑھ دو کلو میٹر کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں گھرے اس کو کچھ گھر نظر آ رہے تھے۔

اپنی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اس نے کچھ لکھا اور اسے کامنی کے نزدیک دوسرے بیگ کے نیچے رکھ کر دبے قدموں چلتا پہاڑی کے دوسرے طرف اتر گیا۔

اگلے بمشکل پندرہ منٹ بعد وہ ایک درخت کی اوٹ سے گاؤں کا جائزہ لے رہا تھا۔

جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ گاؤں نہیں کوئی سرکاری قسم کا ریسٹ ہاؤس ہے جس کے ساتھ کچھ چھوٹے چھوٹے گھر بنائے گئے ہیں۔ شاید یہ کوئی "پک نک پلیس" تھی۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ کون سی سمت زیادہ محفوظ رہے گی اس طرف سے آگے بڑھنے لگا۔ اب وہ ایک بڑے ریسٹ ہاؤس کے عقب میں پہنچا جس کی چمنی سے نکلنے والے دھوئیں اور کھلی کھڑکی سے برآمد ہوتی تازہ کھانے کی

خوشبو نے اسے احساس دلایا تھا کہ اس کا اندازہ بالکل صحیح ہے اور اس کی مہم کامیاب رہی۔

یہ ریسٹ ہاؤس شاید انگریزوں نے بنوایا تھا اور وہی آخری مرتبہ اس کے عقب میں موجود جھاڑیوں کی صفائی کر کے گئے تھے کیونکہ اب وہاں گھاس کا ایک جنگل سا دکھائی دے رہا تھا چونکہ یہ راستہ زیر استعمال نہیں تھا اس لیے شاید اس طرف کسی نے صفائی کا دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

بجلی کی سی پھرتی سے اگلے چند منٹ بعد وہ اس کھلی کھڑکی کے نیچے پہنچ گیا تھا جس سے اشتعال انگیز خوشبو آ رہی تھی اور پکنے والے کھانوں کی بھاپ باہر نکالنے کے لیے شاید یہ کھڑکی کھولی گئی تھی۔

کھڑکی اس کے سر سے بمشکل تین چار فٹ بلند تھی۔

اچھل کر طاہر نے اس پر ہاتھ جمائے اور ہاتھوں کے بل پر اپنا جسم کسرت کرنے کے انداز میں اوپر اٹھایا۔ اندر ایک سفید پوش بیرا ٹرالی پر کھانا سجا رہا تھا جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ بیرا دوسرے کمرے میں موجود "صاحب لوگوں" کے لیے کھانا لے جا رہا ہے۔ چونکہ بیرے کی پشت اس کی طرف تھی اس لیے وہ آرام سے اندر کا نظارہ کرتا رہا۔

اس نے دیکھا کہ بیرے نے ایک عجیب سی حرکت کی۔ ٹرالی پر رکھی شیمپن کی بوتل سے اس نے اپنے لیے پہلے ایک پیگ تیار کیا اور اسے حلق میں انڈیلنے کے بعد دو اور پیگ تیار کر کے ٹرالی پر رکھے۔

اب وہ اپنا منہ صاف کرنے کے بعد اندر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

طاہر دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی بیرا وہاں سے نکلا اور اس کے عقب میں دروازہ بند ہوا دوسرے ہی لمحے طاہر بازوؤں پر اچھل کر اندر آ گیا۔

اس نے سامنے موجود فریج سے ڈبل روٹی، مکھن، چیز اور سامنے چولہے کے نزدیک دھری ہنڈیا سے بیرے کا تیار کردہ چکن اور دوسرا الم غلم یہاں دھرے ایک سٹیل کے بڑے سے برتن میں ڈالا۔ اس نے اس سارے سامان کو کھڑکی پر رکھ کر باہر منتقل کرنے اور وہاں سے فرار ہو کر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہونے تک بمشکل تین منٹ کا وقت بھی نہیں لگایا تھا۔

کامنی کو سوئے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آ رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی۔ پسینے سے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

اس کا جسم اس طرح بھیگ رہا تھا جیسے وہ پانی کے ٹب میں بیٹھی ہو۔

لیکن............

جسم کے سارے مسام کھلنے سے وہ بہت بہتر محسوس کر رہی تھی شاید بخار اتر گیا تھا۔

کیونکہ اسے اب بھوک لگی ہوئی تھی۔

گردن گھما کر اس نے دیکھا طاہر غائب تھا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے سامنے دھرے بیگ کے نیچے رکھے کاغذ کو نکال کر اس نے بے چینی سے نظریں دوڑائیں اور مطمئن ہو کر گہری سانس لے کر بیٹھ رہی۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

"میڈم گھبرانا نہیں۔ آپ کے لنچ کا بندوبست کرنے گیا ہوں۔"

ایک زخمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر لپک گئی۔ اسے اپنے فیصلے پر اب فخر ہونے لگا تھا۔

سامنے دھری بوتل سے دو گھونٹ پانی اس نے حلق میں انڈیلا جو خشک ہو رہا تھا اور ابھی بوتل رکھ کر بیگ سے ٹیک لگائی ہی تھی جب عقب سے طاہر نمودار ہوا۔

"کھانا حاضر ہے میڈم"

اس نے مودب بیروں کی طرح چکن ڈبل روٹی مکھن چیز سب کچھ ایک ایک کر کے اس کے سامنے رکھ دیا۔

"او مائی گاڈ تم کہاں گئے تھے طاہر کہاں سے لائے یہ سب کچھ۔"

بے اختیار وہ طاہر سے لپٹ گئی۔

"پہلے کھانا پھر باتیں۔"

طاہر نے اسے خود سے آہستگی سے الگ کیا۔

اور............

اس کے بعد دونوں ایک ہی برتن میں کھانے لگے کامنی کے لیے یہ بھی زندگی کا پہلا اور روح کی گہرائیوں تک اتر جانے والا تجربہ تھا۔ گرم گرم چکن نے اس کی ساری توانائیاں واپس لوٹا دیں۔ کھانے کے دوران طاہر اسے اپنے اس کارنامے کی تفصیلات سے مزے لے لے کر آگاہ کر رہا تھا۔

"اب اس سے پہلے کہ ہوش میں آنے کے بعد بیرے صاحب اپنے برتن کی تلاش شروع کریں۔ ہمیں یہاں سے رفو چکر ہونا چاہیے۔"

کھانے کے خاتمے پر اس نے ڈبل روٹی اور باقی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اب میں بالکل تیار ہوں۔ صبح تک تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔ تم پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر۔"

کامنی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

اور............

دونوں عازم سفر ہوئے۔

انہوں نے بچا کھچا کھانا برتن سمیت اس طرح ٹھکانے لگایا تھا کہ اس طرف سے گزرنے والے کسی شخص کو دکھائی نہ دے۔

یوں بھی اس راستے پر کسی انسان کا گزر کم ہی رہا ہوگا۔ کامنی اب خود کو مکمل فٹ محسوس کر رہی تھی۔

شام ڈھلنے تک ان کا سفر جاری رہا۔

اس دوران طاہر نے تمام نمازیں ادا کی تھیں۔ کامنی دلچسپی سے اسے نماز پڑھتے دیکھتی اور ہر نماز کے بعد اس کے فرائض اور دیگر عبادات سے متعلق دریافت کرتی۔

مسوری سے روانگی اور اگلے روز صبح پو پھٹنے پر اس سڑک تک پہنچنے کے بعد جو انہیں پونا صاحب کی طرف لے جاتی کامنی نے اس سے صرف اسلام پر باتیں کی تھیں۔ وہ کرید کرید کر اس سے مختلف سوالات کرتی آئی تھی۔

ان سوالات میں اس کے لاشعوری گھریلو تربیت کی بنیاد پر جنم لینے والے بہت سے شکوک و شبہات اور تجسس کا پہلو نمایاں تھا۔

سیرت طیبہ ﷺ کے ابتدائی واقعات سے وہ بے پناہ متاثر دکھائی دے رہی تھی اور اسے اب تک ارکان اسلام سے متعلق بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ اب اس نے اپنا موضوع طاہر کا ملک بنا لیا تھا۔

"مجھے ذرا سانس لینے دو اور کچھ سوچنے کا موقع دو۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طاہر نے سڑک کے نزدیک پہنچ کر کہا۔

کامنی خاموش رہ گئی۔

دونوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق یہاں سے گزرتی ایک ٹیکسی کار کو روکا اور نوبیاہتا میاں بیوی کی حیثیت سے سفر کرتے پونا صاحب سے کچھ فاصلے پر ہی اتر گئے جہاں پونا صاحب تک پہنچنے کے لیے انہوں نے جان بوجھ کر تین چار بسیں تبدیل کی تھیں۔

دوپہر کے بعد وہ یہاں پہنچ گئے تھے۔

اب طاہر پگڑی باندھ کر ترسیم سنگھ اور کامنی اس کی سنگھنی بن چکی تھی جو اپنی منت اتارنے سہارنپور سے یہاں آئے تھے۔

گوردوارے کے لنگر سے انہوں نے "پرشاد" کھایا اور "سرائے" کے ایک کمرے میں اطمینان سے بیٹھ گئے۔ طاہر جو گذشتہ ۳۰ گھنٹے سے مسلسل سفر میں تھا وہ خود کو پہلی مرتبہ قدرے پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اسے اطمینان اس بات کا بھی تھا کہ دوبارہ کامنی کا نمبر پیچ نہیں بڑھا تھا۔ البتہ ایک پریشانی تھی کہ ابھی تک انہیں کوئی ڈھنگ کا کمرہ نہیں ملا تھا۔ گوردوارے کے آشرم میں کوئی کمرہ خالی نہیں تھا۔

○○○

کرنل بھاٹیہ اس وقت ڈیرہ دون میں اپنے بٹالین کے سالانہ دربار کی تقریبات میں شرکت کرنے آیا تھا۔ تقریبات کا آغاز اگلے روز ہونے جا رہا تھا اور اسے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ حالانکہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے وہ مختلف نوعیت سے فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے اپنی پلٹن سے باہر "ڈیپوٹیشن" پر تھا۔

وہ شام ڈھلے شدید بارش میں یہاں پہنچا تھا۔

چکراتا سے یہاں تک مسلسل اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اگر اس کی جیپ کا ڈرائیور ونڈ سکرین پر چلتے وائپر کو روکتا تو دونوں اندھے ہو جاتے۔ موسلا دھار بارش کا چھاجوں پانی ان کے چاروں طرف شیشوں پر بہہ رہا تھا۔

بھگوان کا شکر تھا کہ جیپ میں ہیٹر لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے سامنے ونڈ سکرین قدرے صاف ہو جاتی اور انہیں کچھ دور کا منظر دکھائی دینے لگتا تھا۔

جیپ کی رفتار قدرے کم تھی......

یہ احتیاط کا تقاضا تھا......

تیز بارش اور برفیلی ہوا نے باہر کے سارے ماحول کو منجمد کر کے رکھ دیا تھا اور جیپ کی طاقتور ہیڈ لائٹس جن کے ساتھ اس علاقے کے موسمی تقاضوں کے پیش نظر بطور خاص اضافی لائٹس لگائی گئی تھیں، بھی زیادہ دور تک کا منظر واضح کرنے میں ناکام دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک تو اس سڑک پر سٹریٹ لائٹس نہیں تھیں اور اوپر سے موسم کی بلاخیزی نے سارے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماحول کو جکڑ رکھا تھا۔

وہ راستہ جو معمول کے مطابق ایک گھنٹے میں طے ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت گھنٹوں پر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ بالآخر آفیسرز میس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اگر وہ مزید دس منٹ لیٹ ہو جاتا تو شاید اس شاندار ڈنر سے محروم رہ جاتا جو اس کی پلٹن کا ''روایتی ڈنر'' تھا جس کا انتظار سارا سال بٹالین کے جونیئر افسران کیا کرتے تھے۔

آج انہیں بطور خاص ڈنر سے پہلے سکاچ پیش کی گئی تھی ....!

کرنل بھاٹیہ نے آفیسرز میس کے ہال میں گھستے ہی آتشدان کے نزدیک کرسی سنبھال لی تھی اور اب ایک مودب بیرا اس کے سامنے سکاچ سے بنا جام پیش کر رہا تھا۔

اس کا ڈرائیور ابھی تک جیپ میں ایمرجنسی ڈیوٹی پر تھا۔

یہ اس کا فرض تھا کہ جب تک کرنل صاحب جیپ سے باہر رہیں وہ جیپ کے اندر موجود رہے۔ تھوڑی دیر کے لئے کرنل نے اس کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اسے لنگر سے چائے پینے اور کھانا کھانے کی رخصت ضرور دے دی تھی۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ رخصت آدھے گھنٹے سے دو ڈھائی گھنٹے پر محیط ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ڈرائیور کو دوسروں کی طرح بہت سردی لگ رہی تھی اور وہ دوسرے جوانوں کے ساتھ ''رم'' پینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

جب وہ شراب پینے اور کھانا کھانے کے بعد نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ جیپ تک پہنچا تو جیپ کا وائرلیس مسلسل چیخ کر خاموش ہو چکا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ سے کرنل بھاٹیہ کی جیپ میں موجود وائرلیس پر اس کا سیکنڈ ان کمانڈ میجر وکرم سود اس کے ساتھ رابطے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اسے یہاں گزرنے والی قیامت سے باخبر کر سکے۔

لیکن ....

جیپ پر اس کی مسلسل ''ہیلو کمانڈر'' ہیلو کمانڈر'' کو جواب سوائے دوسری طرف سے ہونے والی شوں شوں کے اور کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اب پریشان ہو کر میجر سود سوچ رہا تھا کہ کرنل بھاٹیہ کو اس کے بٹالین ہیڈ کوارٹر کے

ذریعے ہی مطلع کر دے کیونکہ اس کے پاس سوا اس کے اور چارہ کار بھی کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ میجر وکرم سود نے چند روز پہلے ہی ''بخاری کیمپ'' رپورٹ کی تھی۔ وہ سیاچن سے بڑی سفارشوں اور زور آزمائی کے بعد یہاں آیا تھا اور یہاں آنے کے اگلے ہی روز اس نے اپنے گھر والوں کو کہا تھا کہ وہ دیوی ماں کا ہون کھنڈ کروائیں کیونکہ اس کے گلے سے بلا ٹلی ہے۔

اگر وہ مزید ایک ہفتہ سیاچن میں رہ جاتا تو شاید زندگی بھر اپنے گھر والوں کو نہ مل سکتا کیونکہ پھر اس کا ٹھکانہ ہسپتال یا پاگل خانہ ہوتا۔ سیاچن کے محاذ پر پوسٹنگ سے پہلے اس نے یہاں سے متعلق ہیبت ناک کہانیاں ضرور سن رکھی تھیں۔

لیکن .... بھارتی ماؤنٹین ڈویژن کے ایک جونیئر افسر کی حیثیت سے وہ اس سے پہلے نیفا اور لداخ میں قیام کر چکا تھا۔ اس لئے اسے امید تھی کہ وہ دوسرے بھارتی جوانوں کی طرح اتنی جلدی گھبرانے والا نہیں ....

اس کی تو تربیت ہی موسمی شدائد کا مقابلہ کرتے ہوئے دھرتی ماں کی رکھشا کرنے کے لئے کی گئی تھی ....

جس روز اسے سیاچن پہنچنے کا حکم ملا میجر سود کے علاوہ کمپنی کے ہر جوان کا چہرہ لٹک گیا جبکہ میجر سود ایک ایک جوان کے پاس جا کر اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا وہ انہیں بار بار کہہ رہا تھا کہ ان کا تعلق پہاڑی ڈویژن سے ہے وہ انہیں کم از کم بھارتی آرمی کی ایک مثال بن کر رہنا ہے۔

لیکن .... اس کے جوان جانتے تھے کہ میجر صاحب کو حالات کی سنگینی کا احساس نہیں اور ان کی ساری ویٹ مینگی کا بھوت سیاچن پہنچنے کے اگلے ہی روز اتر جائے گا ....

اور ....

ایسا ہی ہوا ....

واقعی جب وہ اپنے کمپنی کے دس جوانوں کے ایک سیکشن کے ساتھ ایک کمانڈ پوسٹ پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اترا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے برف کے جہنم میں دھکیل دیا ہو۔

سائبیریا کی سردی اس کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

پہلے سے تیار کردہ خصوصی گرم فوجی یونیفارم پہنے ہوئے میجر سود اور اس کے جوانوں کو سردی اپنی ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی گو کہ ان کے جسم کا ایک بال بھی ننگا نہیں تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہاتھوں میں دستانے اور آنکھوں پر عینک لگائے جس کے شیشوں سے بظاہر ہوا کے آنکھوں تک جانے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے وہ سب اپنے کندھوں سے گنیں لٹکائے جب ہیلی کاپٹر سے باہر نکلے تو پوسٹ ان سے بمشکل پچاس گز دور تھی......

شاید یہی ایک جگہ ایسی تھی جہاں ہیلی کاپٹر لینڈ کر سکتا تھا۔ انہیں اب ایک دوسرے کے جسم سے رسی باندھ کر اپنی پوسٹ تک پہنچنا تھا جو یہاں سے قریباً پچاس گز دور اور قدرے اونچائی پر بنی ہوئی تھی......

میجر سود کے اندازے کے مطابق ابھی صبح کے دس بجے تھے...... لیکن سردی سے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں بحر منجمد شمالی کی کوئی رات ہو رہی ہو......

سب سے آگے وہ خود چل رہا تھا......

اسے اپنا ایک ایک قدم ہزاروں من بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے کیلوں والی خصوصی بوٹ پہنے وہ جب برف کے فرش پر ایک قدم رکھتے تو دوسرا قدم زمین پر گڑ جاتا زمین سے قدم نکالنے پر انہیں خاصا زور لگانا پڑتا۔

ان کی پوسٹ والوں نے شاید ان کے استقبال کے لئے اور اپنی اس برف کے جہنم سے رہائی کی خوشی میں کچھ ہوائی فائر کئے تھے کیونکہ وہاں موجود جوانوں کو اسی ہیلی کاپٹر پر سوار واپس جانا تھا جو انہیں یہاں لے آیا تھا۔

کمانڈ پوسٹ پر ایک ماہ تک فرائض انجام دینا ایک جہنم کے برابر اذیت برداشت کرنے سے کچھ زیادہ ہی تھا۔

سردی کا یہ عالم تھا کہ یہاں ہیلی کاپٹر کے انجن بن کئے جاتے تھے مبادا وہ دوبارہ سٹارٹ ہی نہ ہو سکے اب بھی پائلٹ ہیلی کاپٹر ہی میں موجود اور مستعد تھا...... اسے علم تھا کہ دونوں کمانڈروں کو ایک دوسرے کو چارج سونپنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے جس کے بعد وہاں موجود جوان اس تک پہنچنے میں مزید دس پندرہ منٹ لگا دیں گے۔

ہیلی کاپٹر کے ہیٹر پوری رفتار سے چل رہے تھے اور اندر کا ماحول خاصا آرام دہ ہو رہا تھا۔

کمانڈ پوسٹ کی طرف سے کئے گئے "استقبالی فائر" کا دوسری طرف کچھ اور ہی

مطلب لیا گیا یا پھر دوسری طرف موجود دشمن نے نئے آنے والوں کو "ویل کم" کرنے کے لئے ان کی سمت اچانک ہی گولے داغنے شروع کر دیئے۔

دونوں پوسٹوں کے درمیان بمشکل سو گز کا فاصلہ رہا ہوگا اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کی کوئی حرکت پوشیدہ نہیں رہتی تھیں۔ دوسری طرف سے آنے والے فائر نے میجر سود اور اس کے بہادر جوانوں کو بوکھلا کر رکھ دیا وہ دوسرے ہی لمحہ زمین بوس ہو گئے......!

میجر سود کے لئے یہ بڑی پریشان کن صورتحال تھی......

یہ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

انہیں یہاں ایک ماہ گزارنا تھا اور ان کی آمد کے ساتھ ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ زمین پر لیٹے لیٹے اس نے زوردار آواز میں اپنے کمانڈ پوسٹ والے ساتھیوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جن کے "استقبالی فائر" کا دشمن نے غلط مطلب سمجھ کر ان کی طرف فائرنگ شروع کر دی تھیں۔

پوسٹ کمانڈر کے لئے بھی یہ صورتحال پریشان کن تھی......

اس نے فوراً اپنے جوانوں کو فائرنگ روکنے کا حکم دیا اور انہیں گالیاں بکتے ہوئے پوسٹ کے محفوظ کونے سے سفید جھنڈا لہرا کر دوسری طرف دشمن سے فائر روکنے کی درخواست کرنے لگا۔

دشمن کو شاید ان پر ترس آ گیا کیونکہ پانچ چھ منٹ کے بعد ہی فائرنگ رک گی۔

میجر سود نے زمین سے اٹھ کر اپنے جوانوں کا جائزہ لیا اور بھگوان کا شکر ادا کیا کہ وہ سب محفوظ تھے۔

لیکن......

کمانڈ پوسٹ والوں کی کمبختی آ گئی تھی کیونکہ فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی ہیلی کاپٹر کو اس کا پائلٹ بھگا لے گیا تھا۔

اسے یہی احکامات ملے تھے۔ یہاں سب سے اہم چیز ہیلی کاپٹر تھی۔ جس کے سامنے انسانی جان کو بھی اہمیت نہیں تھی کیونکہ رابطے کا یہی واحد طریقہ تھا

پوسٹ کمانڈر نے اپنا سر پیٹ لیا......

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

میجر سود اسے اور وہ اپنے جوانوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ بمشکل وہ پوسٹ تک پہنچے اور بادل نخواستہ ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔

میجر سود کے لئے اس کی آمد کے ساتھ ہی مصائب کا آغاز ہو گیا تھا۔ انہیں دو راتیں وا جوانوں کے لئے موجود اسی پوسٹ پر ۲۰ جوانوں کے ساتھ گزارنا پڑیں جن میں سے تین بیمار تھے۔

دو دن تک ہیلی کاپٹر انہیں لینے نہیں آیا کیونکہ ابھی تک انہیں دوسری طرف سے "سیف سگنل" نہیں ملا تھا۔

پوسٹ کمانڈر کی منت سماجت کے بعد خدا خدا کر کے تیسرے روز ہیلی کاپٹر آیا اور پوسٹ کمانڈر اپنے بیمار اور زخمی جوانوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا تو وہ بستر استعمال کرنے کے قابل ہوئے ورنہ تو انہیں گزشتہ ۴۸ گھنٹوں میں بمشکل ۵ گھنٹے سونا نصیب ہوا۔

○ ○ ○

یہ آغاز تھا......!

میجر سود کو اس علاقے میں تین ماہ گزارنے تھے۔ یہ تصور ہی اس کے لئے جان لیوا تھا اس نے جیسے تیسے روتے چیختے یہاں ایک ماہ گزارا اور واپسی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میجر جنرل سالگ رام کا داماد تھا۔

جنرل ہیڈ کوارٹر میں موجود اس کے سسر نے اپنی تمام تر مساعی بروئے کار لا کر اسے قریباً دو ماہ بعد برف کے اس جہنم سے نجات دلائی تھی۔ میجر سود کی خوش قسمتی کہ ماضی قریب میں اس نے جو انٹیلی جنس اور کمانڈو کورس کئے تھے وہ اس کے کام آ گئے اور وہ یہاں ہنواری کیمپ میں ڈیپوٹیشن پر آ گیا۔

بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے کرنل بھاٹیہ کے لئے ایمرجنسی سگنل دیا تھا......!

کرنل بھاٹیہ اس وقت بٹالین سنٹر کے بڑے ہال کمرے میں اس آرکسٹرا پر ایک لڑکی کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا جو بطور خاص آج کی اہم تقریب کے لئے بلایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد ناچ گانے کا دور چلا تھا......

یہاں تمام افسران کی بیگمات اور دوسری خواتین بطور خاص مدعو کی جاتی تھیں۔ ان بلائی جانے والی خواتین میں سے ایک کے ساتھ وہ بھی آرکسٹرا کی بجائی دھنوں پر ناچ رہا تھا۔ ہال میں

چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے پڑے تھے۔

شراب کے نشے میں دھت تمام چھوٹے بڑے افسران اپنی بیگمات اور مہمان خواتین کے ساتھ مدہوشی کے عالم میں ناچ رہے تھے جب مجمع کو چیرتا ایک نوجوان کرنل بھاٹیہ تک پہنچا۔

"سر...... سر......"

اس نے دو تین مرتبہ کرنل بھاٹیہ کو مخاطب کرنا چاہا۔

لیکن......

کرنل بھاٹیہ تو اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے کیپٹن کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ناچنے والی کی حالت بھی کرنل بھاٹیہ سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

کیپٹن کچھ چڑ سا گیا......!

اس نے آگے بڑھ کر کرنل بھاٹیہ کا کندھا تھپتھپا کر اسے اپنی طرف مخاطب کیا۔ نوجوان کیپٹن کی اس حرکت پر کرنل بھاٹیہ نے اس کی طرف پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا اور اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈے۔ نوجوان کیپٹن جو اتفاق سے نشے کی حالت میں نہیں تھا فوراً گویا ہوا۔

"ایمرجنسی سر!"

"وٹ...... What"

کرنل نے قدرے چیختے ہوئے کہا کیونکہ آرکسٹرا اب پورے زور و شور سے دھنیں بکھیرنے لگا تھا۔ نوجوان کیپٹن کو نجانے میجر سود نے صورتحال کی سنگینی کا کتنا زیادہ احساس دلا دیا تھا کہ اس نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر اپنا منہ اس کے کان کے نزدیک لے جا کر کہا۔

"سر! ہنواری کیمپ سے ایمرجنسی میسج ہے۔ میجر سود آن لائن۔"

کرنل بھاٹیہ کو زوردار جھٹکا لگا۔

"کم آن......"

اس نے نوجوان کیپٹن کو باہر آنے کے لئے کہا۔

اور کیپٹن کے تعاقب میں چلتا وہ دوسرے ہی لمحے ہال سے باہر تھا۔

دس وے سر This way Sir!

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیپٹن نے وائرلیس روم کی طرف اشارہ کیا۔

بٹالین ہیڈکوارٹر کی دوسری منزل پر واقع وائرلیس روم تک سیڑھیاں اس نے قریباً بھاگتے ہوئے طے کی تھیں اور اب دونوں ایک کمرے میں کھڑے تھے۔

"بنواری کیمپ ملاؤ۔"

وائرلیس آپریٹر کو نوجوان کیپٹن نے ہدایت کی جو انہیں دیکھتے ہی احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔

"یس سر۔"

کہہ کر آپریٹر نے اگلے ہی لمحے لائن ملا دی۔ دوسری طرف میجر سود بھی بے چینی سے اس کال کا منتظر تھا۔

اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بنواری کیمپ میں گزرنے والی قیامت سے اسے مختصراً آگاہ کرتے ہوئے اگلی ہدایات طلب کیں۔

"ڈیم اٹ۔"

کرنل بھاٹیہ اتنی زور سے فون پر چلایا کہ کیپٹن اور آپریٹر سہم کر رہ گئے دوسری طرف میجر سود کی بھی شاید یہی حالت ہو گئی ہو گی۔

لیکن............

اس کا خون ایک لمحے کے لئے ضرور کرنل بھاٹیہ کے اس لہجے پر کھول اٹھا۔ اس صورتحال کا ذمہ دار وہ نہیں تھا۔ اسے تو ڈیوٹی سنبھالے بمشکل چار پانچ دن ہوئے تھے۔ اگر یہاں تخریب کار کیمپ میں بھی دشمن انٹیلی جنس کی کوئی تخریب کاری ہو رہی تھی تو اس کا وہ ذمہ دار نہیں تھا۔ بہر حال یہ ذمہ داری کرنل بھاٹیہ پر عائد ہوتی تھی یا پھر میجر چوہان پر جس سے اس نے چارج لیا تھا۔

تین چار دن میں تو یہ سب کچھ ہونے سے رہا............!!

بنواری کیمپ کی تباہی کی خبر نے کرنل بھاٹیہ کا سارا نشہ ہرن کر دیا تھا اور وہ قدرے پریشان بھی دکھائی دینے لگا تھا۔

شاید اسے یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس نے میجر سود کو بے خبری میں ڈانٹ پلا دی ہے

جو خود میجر جنرل کا داماد تھا اور سنیارٹی میں بھی قریباً اس کے برابر ہی تھا۔ اگلے دو تین ماہ وہ لیفٹیننٹ کرنل بننے والا تھا۔

بیک وقت کئی سوچیں اس کے دماغ میں جنم لے رہی تھیں جواب بیدار ہو چکا تھا۔

"میں آ رہا ہوں۔"

اس نے مختصر سے پیغام ہوتے کر کریڈل پیچھے رکھ دیا۔

"اینی پرابلم سر............ "Any Problem Sir

نہ چاہتے ہوئے بھی نوجوان کیپٹن کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔

"نو پرابلم۔"

کرنل نے اس کی طرف مڑ کر خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر آ گیا۔

کیپٹن اس کے تعاقب میں باہر آیا تھا۔

ooo

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"کہیں بریگیڈیئر ملہوترہ نے تو اس کا دھڑن تختہ نہیں کروادیا..........؟"

اچانک ہی ایک سوچ اس کے دماغ میں پیدا ہوئی۔

اور..........

اس کے شکی ذہن نے اس کے حق میں دلائل بھی تلاش کر لئے۔

ہنواری کیمپ کے سیکورٹی سسٹم میں خلا رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہاں کسی ایسی واردات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میجر سود کی دماغی حالت اگر ٹھیک تھی تو اس کی اطلاع کے مطابق اسلحے کا ذخیرہ تباہ ہو چکا تھا۔ فون سنتے ہوئے کرنل بھاٹیہ کو دھماکوں اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابھی تک اس نے کسی تخریب کاری کے گمان پر تو غور کرنا مناسب نہیں جانا تھا۔

اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ایس ایس بی کے اس اہم ترین تربیتی کیمپ تک دشمن کی رسائی ممکن ہو گی۔ یہاں کے فول پروف نظام میں کسی کا گھس جانا کارے دارد تھا۔ یہاں تو وہ تخریب کار تربیت کے لئے لائے جاتے تھے جنہوں نے پہلے دوسرے کیمپوں میں تربیت حاصل کی ہو اور جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نزدیک قابل اعتماد ہوں۔ اگر کوئی نیا لڑکا براہ راست یہاں آتا تھا تو کڑی چھان بین کے مراحل سے گزر کر اسے یہاں آنا پڑتا تھا۔

کرنل جو یہاں کے سیکیورٹی سسٹم کا ذمہ دار تھا بڑا محتاط اور کائیاں آدمی تھا۔ وہ ہر نئے آنے والے ایجنٹ کے ساتھ ایک طویل سفر کر کے اس کی مکمل چھان بین کر کے اور خود مطمئن

ہونے کے بعد ہی اسے ہنواری کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت دیا کرتا تھا۔ ایسی درجنوں مثالیں موجود تھیں کہ "را" کی طرف سے خصوصی تربیت کے لئے بھیجے گئے تخریب کاروں میں سے اکثر کو کرنل نے راستے ہی میں چھٹی کروا دی تھی۔ اس پر اکثر ایجنسیوں سے ان کی تو تو میں میں بھی ہوتی رہتی تھی لیکن حتمی فیصلہ بہرحال انہی کا مانا جاتا تھا کیونکہ کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا کوئی بھی اہلکار اپنے کسی بھی ایجنٹ سے متعلق کوئی بھی ضمانت دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ ان حالات میں کسی ڈبل ایجنٹ کا گمان بھی ممکن نہیں تھا۔

کرنل بھاٹیہ جانتا تھا کہ کرنل مونگیا نے کسی پر اعتبار کرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا.......... وہ ہر کمرے میں اپنا ایک جاسوس ضرور رکھا کرتا تھا۔

ہر نئے گروپ میں ایک دوسرے کے علم میں لائے بغیر وہ ایک دوسرے کی جاسوسی پر ایجنٹوں کو لگا دیا کرتا تھا۔

انسٹرکٹروں کی روزانہ رپورٹس کا وہ خود جائزہ لیتا تھا۔ کیا مجال جو اس نے کسی ٹیکپ سے متعلق ڈیلی رپورٹ نہ پڑھنے کی کوتاہی کی ہو۔ ہر ایجنٹ پر اس کی نظر ہوا کرتی تھی اور وہ اچانک ہی کسی ایجنٹ کو اپنے کمرے میں بلا کر اس کا مکمل نفسیاتی تجزیہ کر لیا کرتا تھا۔ معمولی سا شک گزرنے پر کسی کو مروا دینا یا مار دینا اس کے لئے معمولی بات تھی۔

ایسی بہت کم مثالیں ملتی تھیں کہ اس کیمپ میں تربیت کے لئے آنے والے گروپ کے تخریب کار تربیت مکمل کرنے کے بعد پوری تعداد کے ساتھ باہر نکلے ہوں۔ عموماً ان میں سے ایک دو کم ہی ہوتے تھے۔

یہ وہ بدقسمت تھے جنہیں معمولی شک پر کرنل مونگیا کے حکم پر مار دیا جاتا تھا۔ ان میں سے اکثر کو باقی ایجنٹوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے انہیں اپنے قابو میں رکھنے کے لئے عموماً ان کے ساتھیوں کے سامنے بڑی اذیتیں دینے کے بعد ہلاک کیا جاتا تھا۔

کبھی کبھی خوف و ہراس کی فضا بنائے رکھنے کے لئے ایک ایجنٹ کی بلی چڑھا دی جاتی تھی

ان حالات میں اس تخریب کاری کے کیا امکانات رہ جاتے تھے؟

اسی سوچ نے اسے گمراہ کر دیا تھا.......... لے دے کے اس کے ذہن میں ایک ہی نام بار بار گردش کر رہا تھا.......... یہ ضرور بریگیڈیئر ملہوترہ کا کیا دھرا ہے کیونکہ اب وہ ملہوترہ کے لئے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

باقاعدہ مسئلہ بنتا جا رہا تھا۔ ملہوترہ نے طویل رخصت ہی اس سے کسی ممکنہ ٹکراؤ سے بچنے کے لئے لی تھی..........

آخر ملہوترہ اس کھیل کا اس سے زیادہ پرانا کھلاڑی تھا اور اس کی غیر موجودگی میں بھی یہاں اس کے وفادار اور نمک خوار موجود تھے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ملہوترہ نے ان ہی کی مدد سے یہ کام کروایا کیونکہ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ پہلے کیسی ہی ہو اب اس کے لئے بھارتی آرمی میں کوئی جگہ باقی نہیں بچی تھی اسے ضرور جبراً ریٹائرمنٹ پر بھیج دیا جاتا۔

عین ممکن ہے اب بریگیڈیئر ملہوترہ اسے مروانے کی کوشش کرے؟

کچھ بھی ممکن تھا۔

اسی سوچ نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ نوجوان کیپٹن سے مخاطب تھا۔

"کرنل کھیر سے رابطہ کراؤ.......... جلدی۔"

"لیس سر.........."

نوجوان کیپٹن کہہ کر تقریباً بھاگتا ہوا دوبارہ ریکریشن ہال کی طرف چلا گیا' کرنل کھیر کو تلاش کرنے اور اسے کرنل بھاٹیہ تک پہنچانے میں بھی اسے انہی مراحل سے گزرنا پڑا تھا جن سے وہ پہلے گزر چکا تھا۔ کرنل کھیر تو شراب کے نشے میں دھت تھا۔

"کیا مصیبت ہے یار.......... اس سالے کو کیا ہو گیا۔"

اس نے اپنے کورس میٹ اور بے تکلف ساتھی کرنل بھاٹیہ کے متعلق ایک موٹی سی گالی فضا میں اچھال دی۔

کیپٹن دل ہی دل میں اس مصیبت سے جلد از جلد چھٹکارے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

"لیس بھاٹیہ.......... یار یہ کوئی ٹے ہے مجھے ملنے کا..........!"

"ایمرجنسی.......... Something is wrong"

بھاٹیہ کے بات کرنے کا انداز اتنا سنجیدہ تھا کہ کھیر کو بھی بے بس ہونا پڑا۔

"ہوں ں ں ں.........."

اس نے حسب عادت سر ہلاتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے بھاٹیہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے فوراً اسکورٹ چاہیے..........! یہاں سے ہٹواری تک جانا میرے لئے خطرے سے خالی نہیں۔"

اس نے کھیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

کرنل کھیر نے بے چینی سے دریافت کیا۔

اور..........

جواب میں کرنل بھاٹیہ نے اس کو مختصر ساری بات بتا دی۔

"اوہ مائی گاڈ.......... اوہ مائی گاڈ.......... یہ کیسے ممکن ہے.........."

بے یقینی کے لہجے میں کرنل کھیر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"یہی تو میرے لئے وجہ پریشانی ہے۔"

اس نے اپنے دوست سے کہا۔

"آل رائیٹ میں بندوبست کرتا ہوں۔ ڈونٹ وری (Don't Worry)"

کرنل کھیر نے اپنے دوست کی حوصلہ افزائی کی۔

اگلے تین چار منٹ بعد ایس ایس جی (کمانڈوز) کے دس جوان دو جیپوں سمیت اس کی حفاظت کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

"گڈ لک.........."

کرنل کھیر نے اسے دم رخصت کیا۔

وہ کرنل بھاٹیہ کو خود رخصت کرنے اس کی جیپ تک آیا تھا۔

○ ○ ○

کمانڈوز نے اس کی جیپ اپنے درمیان رکھی تھی.......... ایک جیپ اس کی حفاظت کے لئے آگے اور ایک اس کے پیچھے آ رہی تھی اور ان میں مستعد کمانڈوز کسی بھی ممکنہ صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

شدید بارش منجمد کر دینے والی سردی اور گھرے بادلوں کی وجہ سے انہوں نے یہ فاصلہ معمول سے زیادہ وقت میں طے کیا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو جیپ کیمپ کے گیٹ سے کچھ فاصلہ پر رک گئی اس نے یہاں سے کمانڈوز کو رخصت کر دیا کیونکہ وہ اپنے کسی بھی دشمن کو اپنے اوپر مزید ہنسنے کا موقعہ دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

جیپ جیسے ہی دروازے تک پہنچی وہاں موجود سیکورٹی کے بوکھلائے ہوئے جوانوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔

''کیا ہوا؟..................یہ کیا ہو رہا ہے۔''

کرنل بھاٹیہ نے ڈیوڑھی کے تباہ حال دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''سر! ابھی تک کچھ پتہ نہیں لگا..................شاید کوئی الیکٹرک شارٹ یا پھر کوئی اور کارن......؟''

ایک نوجوان لیفٹیننٹ نے کہا۔

''کم آن..............''

کرنل بھاٹیہ تباہ حال دروازے سے اندر داخل ہو گیا جہاں ڈیرہ دون سے آرمی فائر بریگیڈ کے جوان جو کچھ دیر پہلے ہی یہاں پہنچے تھے۔ اس ڈیوڑھی کی آگ بجھانے میں کوشاں تھے۔ میجر سود یہاں موجود اور خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا وہ بھاگ بھاگ کر ہر شخص کے پاس جاتا اور اسے ہدایات جاری کر رہا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو اس طرف آتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

''سوری سر..............ویری سوری......ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا......''

اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''بریگیڈیئر صاحب کو اطلاع دے دی؟''

کرنل بھاٹیہ نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اپنا سوال داغ دیا۔ وہ جانتا تھا کرنل سے بریگیڈیئر ملہوترہ کی چھٹی ختم ہو رہی ہے اور وہ ڈیرہ دون اپنے گھر بھی پہنچ چکا تھا کیونکہ اس نے آج صبح ہی کرنل بھاٹیہ سے فون پر ہیلو ہیلو کی تھی..............

"Not yet sir"..............(ابھی نہیں جناب)..............

میجر وکرم سود نے کہا۔

''رائیٹ..............بیرکوں کی کیا پوزیشن ہے..............''

اس نے سر ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی تک تو وہ لوگ Safe ہیں۔''

میجر سود نے جواب دیا۔

''ہوں ں ں ں ں..............فوراً تمام بیرکوں کو گھیرے میں لے لو..............کسی کو کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دینا......میں یہاں کے معاملات دیکھتا ہوں......''

○ ○ ○

بیرکوں میں ایک طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔

وہاں موجود ہر تخریب کار یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ یہ دھماکے کیسے ہیں؟ لیکن کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر نکل سکے۔ وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ کہیں یہ جاہی ان تک نہ پہنچ جائے کیونکہ اسلحہ ڈپو سے کچھ فاصلہ پر موجود بیرک کو تو زمین بوس ہوتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہاں سے ابھی تک زخمیوں کی چیخ و پکار کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

اب میڈیکل والوں نے شاید زخمیوں کو نکال کر محفوظ جگہ پہنچا دیا تھا۔

یہ دونوں بیرکیں گو کہ فاصلے فاصلہ پر تھیں۔

لیکن..............

خوف و ہراس نے یہاں بھی ڈیرے جما لیے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ دیواریں توڑ کر نکل جائیں..............

ابھی ان میں چہ میگوئیاں ہو ہی رہی تھیں جب انہیں اس طرف بڑھتے جوانوں کی قدموں کی دھمک سنائی دی..............

میجر سود قریباً پچاس جوانوں کے ساتھ ہاتھ میں میگا فون پکڑے وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ موجود مستعد جوانوں نے دونوں بیرکوں کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور میجر سود نے باری باری دونوں بیرکوں کے سامنے کھڑے ہو کر میگا فون پر تمام لڑکوں کو اطمینان سے اپنے بستروں پر

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

لیٹے رہنے کی ہدایت کی تھی اور حکم دیا تھا کہ جب تک اعلان نہ کیا جائے کوئی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے گا۔ بصورت دیگر اس کے جوان باہر آنے والے کو بغیر کسی وارننگ کے گولی سے اڑا دیں گے۔

تمام تخریب کار سہم کر اپنے بستروں میں دبک گئے تھے۔

الیکٹرسٹی کا نظام تو فیل ہو چکا تھا البتہ انتظامیہ نے ایمرجنسی طور پر اپنے جنریٹرز سے کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیا تھا۔

O O O

صبح ہو رہی تھی جب یہ ہنگامہ فرو ہوا............

اسی دوران بریگیڈیئر ملہوترہ سمیت ڈیرہ دون سے فوج کی دو مزید کمپنیاں یہاں پہنچ چکی تھیں۔ کرنل بھاٹیہ کو بریگیڈیئر ملہوترہ کے عجیب و غریب سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کا دماغ غصے سے پھٹ جائے گا اس کے لئے اپنے آپ پر قابو رکھنا ناممکن ہو رہا تھا۔

پہلے تو ملہوترہ کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا تھا کیونکہ ملہوترہ نے اس کا گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے تین چار طنزیہ فقرے اس انداز میں اس کی طرف اچھالے تھے جیسے وہ انڈین آرمی کا نالائق ترین آفیسر ہے اور یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے اور اگر وہ یہاں ہوتا تو شاید اس حادثے سے بچ جاتے۔

کرنل بھاٹیہ خاموشی سے سر جھکائے اس کا طنز برداشت کر رہا تھا جب اردلی نے میجر سود کی اطلاع دی۔

"بلاؤ۔"

کرنل بھاٹیہ نے کہا۔

"تخریب کاری ہوئی ہے سر!"

میجر وکرم سود نے اندر داخل ہوتے ہی دونوں ایڑیاں بجا کر انہیں احترام دینے کے فوراً بعد ان کی طرف سے کوئی سوال کیے بغیر کہا۔

"......What......"

بریگیڈیئر ملہوترہ نے قریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو وکرم............"

کرنل بھاٹیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"سر...... میں نے دونوں بیرکوں کی گنتی کی ہے...... کمرہ نمبر ۸ سے دونوں لڑکے سلیم اور طاہر غائب ہیں جبکہ ان کا تیسرا ساتھی مشتاق مردہ حالت میں وہاں موجود ہے...... شاید دونوں نے فرار ہونے سے پہلے اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔"

میجر وکرم سود نے مختصر رپورٹ پیش کی۔

"ڈیم اٹ۔"

ملہوترہ کو اس کی بات سن کر اچانک غصہ آ گیا تھا اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی بڑے زور سے اپنے سامنے دھری میز پر ماری تھی......

"او بھگوان......؟؟"

بے ساختہ کرنل بھاٹیہ کے منہ سے نکلا۔

"کم آن۔"

ملہوترہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کرنل بھاٹیہ کو پھاڑ کھانے والے لہجے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں وکرم کے تعاقب میں قریباً بھاگتے ہوئے بیرک کے کمرہ نمبر ۸ تک پہنچے تھے جہاں ایک چارپائی پر مشتاق کی دہشت اور اذیت سے پھٹی مردہ آنکھیں ان کا منہ چڑا رہی تھیں............

دونوں نے باری باری جھک کر اس کا جائزہ لیا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہے۔

"لڑکوں کے لئے فوراً بریک فاسٹ کا بندوبست کرو............ خبردار ان سے کوئی بدتمیزی نہ ہونے پائے............ کسی لڑکے سے کوئی انکوائری نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ سیکیورٹی والے خود ہی دیکھیں گے۔ کرنل موٹنگیا تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے...... تم خود لڑکوں کا خیال رکھو...... لیکن انہیں یہ بتانا کہ بجلی کے سرکٹ شارٹ ہونے سے یہ حادثہ ہوا ہے اور ہاں...... کوئی خود سے جان لے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو الگ بات ہے تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ یہاں کیا ہوا ہے مشتاق کی موت کی خبر یا دونوں لڑکوں کے غائب ہونے کی خبر کسی کو نہیں ملنی چاہیے...... میری بات سمجھ گئے ناں............ کسی کو بھی نہیں۔"

اس نے میجر سود کو براہ راست ہدایت دیں۔

کرنل بھابیہ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی......

ابھی تک ملہوترہ نے اس کی طرف دیکھنے کا بھی تکلف نہیں کیا تھا۔

"ایمبولینس منگواؤ............ اور مشتاق کی لاش یہاں سے لے جاؤ............ مجھے اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کل صبح تک بہر صورت مل جانی چاہیے۔"

اس نے اپنے ساتھ موجود لیفٹیننٹ سے کہا۔

اور............

کچھ مزید ہدایات دینے کے بعد وہ ڈیوڑھی کی طرف واپس لوٹ گیا۔ کرنل بھابیہ سر جھکائے اس کے تعاقب میں آ رہا تھا............

"آئی ایم سوری کرنل لیکن میں ڈسپلن کو ایک لمحے کے لئے نظر انداز نہیں کر سکتا............ انکوائری رپورٹ آنے تک تم اپنے آپ کو Suspend سسپنڈ سمجھو............ البتہ تم انکوائری مکمل ہونے تک ڈیرہ دون سے باہر نہیں جا سکتے............"

آفس میں پہنچتے ہی اس نے کرنل بھابیہ کے سر پر ٹائم بم چلا دیا۔

کرنل بھابیہ کو یوں لگا جیسے کسی نے پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو............

اس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے............

آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنی ہزیمت کا اتنی شدت سے احساس ہوا تھا۔

"رائیٹ سر............"

اس نے سنبھل کر ایڑیاں جوڑتے ہوئے ملہوترہ کے حکم پر صاد کیا۔

O O O

بریگیڈیئر ملہوترہ کو صورتحال سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ ان دو لونڈیوں کا کیا دھرا ہے جو کرنل بھابیہ کی خصوصی پیشکش تھے............

اور............ جب کرنل بھابیہ کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ سارا کیا دھرا طاہر اور سلیم کا ہے تو اس کے بے اختیار اپنا سر پیٹ لیا۔

اس نے اپنی فوجی زندگی کی سب سے بڑی غلطی طاہر کو ہنواری کیمپ میں بلا کر کی تھی۔

یہ کچھ اس نے Out of the way کیا تھا۔

آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کیمپ میں براہ راست کسی سمت سے کوئی ایجنٹ بھرتی کر کے بھیج دیا جائے۔ یہاں آنے والے عموماً اس سے پہلے ایک دو کیمپوں کی یاترا کر کے آتے تھے......

یہ تو اس کا جنون تھا............

یا پھر............ بریگیڈیئر ملہوترہ کو نیچا دکھانے کی ضد جس نے اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔

اب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں تھا۔

اس نے ساری زندگی بے داغ گزاری تھی......

لیکن......

یہ داغ جو اس کے دامن پر لگا تھا اس کی سیاہی اب بریگیڈیئر ملہوترہ اس کے منہ پر ملتے جا رہا تھا............

کاش اس نے ہنواری کیمپ کے پروٹوکول ہی کا خیال رکھا ہوتا۔ یہاں کے طے شدہ اصول و ضوابط ہی کی پابندی کر لی ہوتی۔

اسے ملنے والی رپورٹس کے مطابق سلیم اور طاہر نے فرار ہونے سے پہلے اپنے ساتھی مشتاق کو گلا دبا کر مار ڈالا تھا۔

کرنل بھابیہ جانتا تھا کہ مشتاق کو انہوں نے اپنے "سورس" کی حیثیت سے ان کے کمرے میں رکھا ہوا تھا اور کمال کی بات تو یہ تھی کہ وہ دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے............

ان کی تو بات ہی الگ تھی۔ ان کے کسی انٹیلی جنس کو بھی مشتاق کی اصلیت کا علم تھا جس کے ذریعے انہوں نے اپنے ایجنٹ اپنے دشمن کے "نیٹ ورک" میں داخل کئے تھے۔

دل ہی دل میں بے اختیار اس نے اپنے دشمنوں کی منصوبہ بندی پر انہیں خراج تحسین پیش کیا اور اس سوچ نے اسے لرزا کر رکھ دیا کہ نجانے ان کے کتنے ایسے ایجنٹ ہیں جو بے نقاب ہو

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

چکے ہیں اور جن کو بے خبر رکھ کر دشمن انٹیلی جنس ایجنسی استعمال کر رہی ہے۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک اور خدشے نے سر اٹھایا۔

"کہیں کامنی اگروال کو ان لوگوں نے قابو نہیں کر لیا؟"

ابھی تک اس کی ملاقات کامنی سے نہیں ہوئی تھی حالانکہ اسے اس وقت کیمپ میں ہونا چاہیے تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ڈیرہ دون چلی گئی ہو۔

اسے یاد آ گیا کہ آج چھٹی کا دن تھا اور کامنی حسب معمول ایک روز پہلے ہی شام کو یہاں سے کہیں اور چلی جایا کرتی تھی.............

○ ○ ○

یہاں کے بیشتر انسٹرکٹرز کا یہ معمول تھا کہ وہ چھٹی کا دن نزدیکی شہر میں اپنے عزیزوں کے پاس بسر کیا کرتے تھے، وہ اس بات کے پابند تھے کہ اپنی آمدورفت سے آفس کو مطلع رکھیں کیونکہ کسی بھی وقت ان سے رابطہ کی ضرورت پیش آ سکتی تھی.............

"کیا کامنی معمول کے مطابق اپنی اگلی منزل ٹھکانے اور ٹیلی فون نمبر دے کر گئی ہے۔" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اور.............بہت سوچنے کے بعد ہی اسے یاد نہ آیا کہ اگلے روز اس نے کسی بھی رجسٹر میں کامنی سے متعلق کچھ پڑھا ہو.............

ممکن ہے کہ اس نے میجر سود کو اعتماد میں لے کر بتا دیا ہو! کیونکہ وہ کرنل بھابیہ کی چہیتی ہے اور اس کی طرف سے ایک خاص مشن پر کام کر رہی تھی ....

پروٹوکول کے خلاف کرنل بھابیہ نے اس کی ہر ممکن معاونت کی تھی اور اس کی اکثر موومنٹ (Movement) آف دی ریکارڈ ہی رکھی جاتی تھی.............

اچانک ہی ایک وسوسے نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

"کہیں کامنی اگروال تو اس کھیل کا حصہ نہیں بن گئی۔"

اگر ایسا ہو گیا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے کورٹ مارشل سے نہیں بچا سکتی کیونکہ اس نے پسوال کی مخالفت کے باوجود کامنی اگروال کو طاہر کے "سپیشل کیس" پر لگا دیا تھا۔

اسے یاد آ گیا کہ جب کامنی اگروال کے سپیشل کیس سے متعلق خبر پسوال کو ملی تو اس

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

نے اس پر سخت ری ایکٹ (React) کیا تھا اور کرنل بھابیہ کی طرف سے قائم رہنے کے بعد اپنا احتجاج ریکارڈ پر لانے کے لئے اس کی فائل پر ریمارکس دیئے تھے..........

کرنل بھابیہ یہاں کے اصول وضوابط کے مطابق اس بات کا پابند تھا کہ وہ پوسوال کے احتجاج کو ریکارڈ پر لانے کی اجازت دیتا۔اس کی خدمات کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی..........

اپنے پریشان خیالوں میں گھرا وہ آفس کے دوسرے کمرے میں بیٹھا تھا جب اچانک سامنے کا دروازہ کھلا اور بریگیڈیئر ملہوترہ سیکیورٹی کے تین جوانوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

"Your are under arrest"..........(اپنے آپ کو گرفتار سمجھو)

اس نے اندر داخل ہوتے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"What کیا؟"

کرنل بھابیہ نے بڑے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"یس کرنل بھابیہ.......... بدقسمتی سے تم گردن تک پھنس چکے ہو.......... گردن تک .... تمہاری یعنی بنواری کیمپ سے کل تک کے کیمپ کمانڈر کی اطلاع کے لئے عرض کردوں گا کہ کاشی اگروال ان دونوں کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ایسا سوچا جا رہا ہے کیونکہ وہ بغیر اطلاع کے غائب ہے اور سب سے بڑی بات کرنل بھابیہ کو ابھی چند منٹ پہلے اس علاقے میں کل رات سے مشق پر آنے والی ایس ایس جی (کمانڈو) کے ایک سیکشن کو ایک لاش ملی ہے...... لاش چونکہ کسی فوجی آفیسر کی نظر آ رہی تھی انہوں نے ہمیں اطلاع دینا ضروری سمجھا اور یہاں سے جانے والے تمہارے ساتھیوں نے لاش کو پہچان لیا ہے...... جانتے ہو وہ کس کی لاش ہے؟"

اس نے کرنل بھابیہ کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

"بھابیہ حیرانگی سے اس کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا.........."

"کیپٹن پوسوال کی...... سنا تم نے کیپٹن پوسوال کی لاش اور اس کی موت کا کارن ہے گردن کی ٹوٹی ہوئی ہڈی...... جسم پر تشدد کے نشانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی موت کس طرح ہوئی ہے.......... تم سن رہے ہونا.........."

اس نے اسے نفرت اور غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

اور.......... کرنل بھابیہ کو سانپ سونگھ گیا۔

ملہوترہ کا کہا ایک ایک لفظ ہتھوڑے کی طرح مسلسل اس کے سر پر ضرب لگا رہا تھا اسے اپنے سر کے ساتھ ہی سارے وجود کے تڑخنے کا احساس ہوا..........

یہ احساس ندامت تھا یا احساس شکست.......... جو کچھ بھی تھا۔اس کے لئے بڑی جان لیوا کیفیت بن رہی تھی......

اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

بریگیڈیئر ملہوترہ کی آواز دور کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی..........

"ڈیم اٹ.........."

ملہوترہ نے غصے سے بھرے ہوئے حسب عادت اپنی چھڑی کے سامنے دھری میز پر زور سے ماری کرنل بھابیہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔

"Arrest him.........گرفتار کرلو اسے۔"

اس نے اپنے گارڈز کو حکم دیا۔

اور..........

باہر نکل گیا۔

○ ○ ○

کرنل بھابیہ نے کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنا سرکاری پستول ان کے حوالے کیا اور کن قدموں سے چل کر باہر کھڑی جیپ تک پہنچا۔اسے کچھ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

بھگوان جانے اس کے بدن میں اتنی شکتی کہاں سے آ گئی تھی جس نے اسے اٹھا کر کھڑا رکھا اور اپنے قدموں پر چلا بھی دیا.......... ورنہ کرنل بھابیہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اب وہ شاید ساری زندگی کے لئے اس کرسی سے اٹھ کر اپنے قدموں پر نہیں کھڑا ہو سکے گا۔

اپنے دماغ کے ساتھ ساتھ کرنل بھابیہ کو اپنے وجود کے مفلوج ہونے کا بھی احساس ہونے لگا تھا اور وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید اسے اب ہارٹ اٹیک ہی ہو جائے۔

کسی سحر زدہ معمول کی طرح چلتا وہ سامنے کھڑی ملٹری پولیس کی جیپ میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس کے ساتھیوں نے بہرحال اس کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

جیپ میں بیٹھنے کے بعد اس نے سوچا کہ جو کچھ بھی ہوا بہت برا تھا لیکن اس میں وہ کس طرح شامل سمجھا جا رہا ہے؟ پوسوال کی موت! اکاسنی اگروال کا غائب ہونا! ان سب باتوں سے آخر اس کا کیا تعلق ہے......؟

اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔

اپنے علم کی حد تک اس نے اپنی ڈیوٹی سے کوتاہی نہیں کی۔

اس کا ضمیر مطمئن تھا......

لیکن......ملہوترہ نے اسے گرفتار کروا دیا۔

اچانک ہی اس کا خون کھولنے لگا۔

اس نے دل ہی دل میں اپنے کمینے دشمن کو گالیوں سے نوازا۔ اس سوچ نے سے خاصا حوصلہ دیا تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اور یہ سوچ کر ملہوترہ نے اپنی دشمنی میں آرمی کی عزت کو بھی داؤ پر لگا دیا اسے مضبوط کرنے کے لئے کافی تھی۔

"دیکھوں گا......دیکھوں گا تمہیں ملہوترہ......بنالو مجھ پر کورٹ مارشل اگر تمہیں ننگا نہ کر دیا تو میرا نام کرنل بھاٹیہ نہیں ہوگا......"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

شاید اس کی آواز کچھ بلند ہوگئی تھی کیونکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لیفٹیننٹ نے کہا تھا۔

"اینی پرابلم سر......Any Problem Sir"

"شٹ اپ"

کرنل بھاٹیہ نے پورے جلال سے کہا اور لیفٹیننٹ خاموش ہو رہا۔

○ ○ ○

کرنل مونگیا یہاں اڑ کر پہنچا تھا......

اس نے گزشتہ سات ماہ سے کوئی چھٹی نہیں کی تھی۔ اپنی چھٹی والے دن بھی وہ ڈیوٹی پر موجود رہتا کیونکہ وہ یہاں کا سیکیورٹی انچارج تھا اور اپنی خصوصی تربیت اور مزاج کی وجہ سے اس مسئلے پر وہ بہت حساس بھی واقع ہوا تھا۔

آج تک اس کیمپ میں ایک بھی ایسا ایجنٹ نہیں آیا تھا جسے سرحد سے وصول کرنے کے

کہ وہ خود یہاں تک نہ لایا ہو......

وہ ہر ایجنٹ کے ساتھ طویل سفر کیپٹن چکروتی کی حیثیت سے طے کیا کرتا تھا۔

اس کے تجربے نے اسے بتایا تھا کہ سفر کا ساتھ اپنے ہم سفر کی بہت سی خوبیوں اور خامیوں کا آشکار کر دیا کرتا تھا۔

اور......ایسا ہی ہوا۔

اس نے یہاں موجود ہر زیر تربیت تخریب کار کا مکمل بائیو ڈیٹا اپنے کمپیوٹر میں ریکارڈ کیا ہوا تھا۔

یہ اس کی عادت تھی کہ ایجنٹ کو حاصل کردہ مقام سے کیمپ میں پہنچانے کے بعد وہ اپنے بل بوتے پر اس سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر اس سے متعلق اپنے تمام تر ریمارکس اس کی فائل کے ساتھ اپنے کمپیوٹر کی یادداشت کو منتقل کر دیا کرتا تھا......

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ان دونوں لڑکوں سے متعلق ابھی تک اسے کوئی شک بھی نہیں ہوا تھا۔

اسے بتایا گیا تھا کہ طاہر براہ راست اس کیمپ میں آ رہا ہے اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا لیکن وہ طاہر سے متعلق مطمئن تھا۔

اگر وہ حتمی رپورٹ لکھ دیتا تو طاہر کو یہاں گھسنے سے پہلے گولی مار دی جاتی کیونکہ یہاں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہتواری کیمپ کی دیواروں میں ہوا اور دھوپ بھی کرنل مونگیا کی مرضی کے بغیر داخل نہیں ہو سکتی......

روزانہ انسٹرکٹرز کی طرف سے اپنے اپنے زیر تربیت تخریب کار سے متعلق لکھے جانے والے ریمارکس کا وہ بغور جائزہ لینے کے بعد اپنے مطلب کا ہر ریمارکس متعلقہ ایجنٹ سے متعلق اپنے پاس کمپیوٹر میں موجود معلومات میں شامل کر لیا کرتا تھا۔

اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اگلے روز قریباً چھ ماہ بعد سہارنپور گیا تھا کیونکہ اس کے جاتے بغیر ایک خاندانی مسئلہ کبھی حل نہ ہو پاتا۔

سہارنپور اس نے رات بمشکل قیام کیا تھا اور ایک فوجی ہیلی کاپٹر میں جو ڈیرہ دون آ رہا تھا صبح سات بجے تک پہنچ گیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس کا تعلق آرمی ایوایشن سے تھا اس لئے ہیلی کاپٹر کی سہولت اسے حاصل رہتی تھی۔

یہاں سے اس نے جیپ کے ذریعے واپس جانا تھا جو وہ اگلے روز یہاں چھوڑ گیا تھا کیونکہ ہنواری کیمپ سے متعلق خبر اسے یہاں ڈیرہ دون میں ملی تھی جب اسے علم ہوا کہ رات کرنل بھاٹیہ کو بھی افراتفری میں واپس جانا پڑا اور.......... بریگیڈیئر ملہوترہ کے اس سے متعلق سٹینڈنگ آرڈرز یہی ہیں کہ جیسے ہی وہ وہاں پہنچے فوراً رابطہ قائم کرے..........

شاید ان لوگوں کا سہارنپور اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

کرنل سونگیا نے دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی سہارنپور ٹیلی فون ایکسچینج کو دی جس کی مہربانی سے اکثر اس کی بہن کے گھر کا فون خراب رہتا تھا اور اسی فون پر ان لوگوں نے رابطے کی کوشش کی ہوگی۔

ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے بریگیڈیئر ملہوترہ سے رابطہ کیا۔ اسے حیرانی بھی ہو رہی تھی کہ ملہوترہ کہاں سے آ گیا وہ تو رخصت پر تھا۔

"معاملہ خاصا سیریس لگتا ہے۔"

یہی سوچ کر اس نے لائن ملائی تو دوسری طرف رابطہ ہونے پر ملہوترہ نے مختصر الفاظ میں یہاں ٹوٹنے والی قیامت کا احوال سنا دیا۔

"او مائی گاڈ"

فون پر بمشکل یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔

"I am coming سر!"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جیپ وہ خود چلا رہا تھا ڈرائیور کو اس نے پچھلی سیٹ پر بٹھا رکھا تھا اور سارے راستے ڈرائیور "ہنومان چالیسہ" (خوف کی حالت میں پڑھے جانے والے اشلوک) پڑھتا آیا تھا۔

یہاں پہنچنے پر اسے بمشکل یقین آیا تھا کہ وہ زندہ ہے ورنہ تو ہر لمحے اسے موت کا دھڑکا لگ رہا تھا۔ وہ خود بڑا سمارٹ ڈرائیور تھا اگر عام قسم کا ہوتا تو کرنل سونگیا اس کی جانے کب کی چھٹی کروا چکا ہوتا۔

لیکن...... رام رام...... اس نے کان چھوتے ہوئے کہا۔

ایسی خطرناک ڈرائیونگ اس نے انگریزی فلموں میں نہیں دیکھی تھی۔ اس سے پہلے تو وہ فلموں کی اس ڈرائیونگ کو کیمرے کا کمال ہی سمجھا کرتا تھا۔

لیکن...... آج اسے یقین آ گیا تھا کہ واقعی ایسا ہوتا بھی ہوگا۔

بریگیڈیئر ملہوترہ سے ساری صورت حال کی بریفنگ لینے میں اسے بمشکل پندرہ بیس منٹ لگے تھے اور دس منٹ اس نے کیمپ کی تباہ کن حالت کا جائزہ لینے میں گزارے تھے۔

اب وہ اگلے اقدام کی تیاری کر رہا تھا۔

قریباً آدھا گھنٹہ بعد وہ اپنے پانچ بہترین اور قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ جو سیولین لباس میں تھے۔ دو گاڑیوں میں کیمپ سے باہر جا رہا تھا۔

ڈیرہ دون سے باہر جانے والی سڑک کے اسی سنگ میل پر جہاں سے دو سڑکیں متضاد سمتوں پر پھوٹتی تھیں وہ رک گئے۔

اپنے پانچوں ساتھیوں کو اس نے ایک گاڑی میں خصوصی ہدایات کے تحت مسوری روانہ کر دیا اور خود وہیں کھڑا رہا۔

جیسے ہی کار اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی دوسری کار میں وہ "پونٹا صاحب" کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کی منزل نامعلوم تھی..........

اس کے ساتھیوں اور افسران کو یہی علم تھا کہ وہ مسوری جا رہا ہے لیکن "پونٹا صاحب" کی طرف جانے کا فیصلہ اس نے ہنواری پر ہی کر لیا تھا۔

یہ الگ بات کہ اسے آخری لمحے تک اسے خفیہ رکھنا تھا۔

یہ اس کی تربیت تھی۔

وہ تو عام حالات میں کسی پر اعتبار یا اعتماد کا قائل نہیں تھا یہ تو خصوصی حالات تھے۔

○ ○ ○

پونٹا صاحب سکھوں کا بڑا گوردوارہ اور مذہبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہاں بھارت کے کونے کونے سے سکھ یاتری آیا کرتے تھے اس لئے سارا سال ہی یہاں میلے کا سماں سا رہتا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

دونوں کا رخ گردوارے کی طرف تھا۔

کامنی نے اس دوران بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ دراصل بخار اسے نہیں بلکہ طاہر کو چڑھا ہے جب تک کامنی کا ٹمپریچر نارمل نہیں ہو گیا وہ پریشان رہا۔ خدا جانے اس نے کون سی اینٹی بائیوٹک اسے کھلائے تھے جنہوں نے کامنی کی بخار سے جان چھڑا دی تھی......

لیکن...... کمزوری عود کر آئی تھی۔

"میرا نام ترسیم سنگھ ہے............ اور تم میری نو بیاہتا پتنی کامنی............"

اس نے چلتے چلتے کامنی کے کان میں سرگوشی کی۔

کامنی نے ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا دی۔

اس کی اداس اور جان لیوا مسکراہٹ نے ایک مرتبہ تو طاہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا' وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت کامنی کس ان دیکھی آگ کا ایندھن بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر کون سی جنگ جاری ہے اور کس شدت کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے وہ............!!

اس کا جی چاہتا تھا کامنی کی اداسی ختم ہو جائے............

وہ چاہتا تھا کہ کامنی کے اندر پھوٹنے والا درد اس کے ساتھ شیئر کرے......

لیکن...... بہت کچھ چاہنے کے باوجود وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا......

اس نے اب تک کامنی سے کتنی ہی مرتبہ پوچھ لیا تھا۔

"کامنی تمہارے دل پر کوئی بوجھ تو نہیں!......"

"تمہارا ضمیر تمہیں ملامت تو نہیں کر رہا......!"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم صرف میرے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہو...... تمہاری اپنی مرضی اس میں شامل نہیں ہے......"

لیکن......

کامنی نے ہمیشہ اس کی بات ٹال دی......

اس نے طاہر سے تھوڑی دیر پہلے ہی کہا تھا۔

"طاہر...... میں غلامی پسند نہیں کرتی...... خلاف فطرت کوئی شے مجھ پر اثر انداز ہو ہی نہیں سکتی۔ میں اپنی نیچر میں ایسی ہوں کہ زبردستی کوئی کام نہ میں کر سکتی ہوں نہ کوئی مجھ سے کرا سکتا

ہے...... مجھ پر کچھ لاگو یا نافذ نہیں کیا جا سکتا...... تم اسے میری کمزوری ہی سمجھ لو...... لیکن یہ حقیقت ہے...... مجھے تو آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ میں نے تین سال تک یہ نوکری کس طرح کی...... بس میرے لاشعور میں بچپن ہی سے اپنے دھرم اور ریتی رواج کے متعلق جو بات بیٹھ گئی تھی...... ہمیشہ بیٹھی رہی...... میں نے کبھی اپنے دھرم کو اپنے سماج کو...... اس کے ریتی رواج کو دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ میرے پاس کوئی ایسا پیمانہ تو نہیں ہے جس میں ناپ تول کر تم میری بات کا یقین کر سکو...... لیکن یہ خیال بھی کبھی دل میں نہ لانا کہ میں معاشرتی مذہبی یا کسی اور قسم کے دباؤ کے تحت تمہارے ساتھ جا رہی ہوں...... ایسا میں نے اپنی مرضی سے اور بہت سوچ بچار کے بعد کیا ہے...... اگر کبھی یہ کچھ ثابت کرنے کا وقت آ گیا تو میں تمہیں یہ ثابت کر کے دکھا دوں گی......"

○ ○ ○

طاہر کو کامنی کی ان باتوں سے بہت حوصلہ ہوتا تھا۔ وہ یہ جاننے لگا تھا کہ قدرت شاید ابھی تک اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی کہ اس کے اندر سچائی کے لئے پیدا ہونے والی طلب کہیں وقتی تو نہیں......

اور............ جب وہ اپنے امتحان میں پوری اتری تو قدرت نے اسے طاہر سے ملا دیا......

"میرے خیال سے ہمیں اب اپنا حلیہ تبدیل کر لینا چاہیے............"

اس نے طاہر سے کہا۔

"اوہ ہاں............"

طاہر کہیں اور سوچوں میں گم تھا۔

دونوں نے اپنے گیروی لباسوں سے نجات حاصل اور اگلے چند منٹ بعد طاہر نے اس کی مدد سے اپنے سر پر بسنتی رنگ کی پگڑی اس صفائی سے باندھی تھی جیسے وہ نسل در نسل سرداروں کی اولاد رہا ہو............

کامنی اس کی طرف دیکھ کر بے اختیار کھلکھلا دی۔

بڑھی ہوئی داڑھی اور پگڑی کے ساتھ اب وہ مکمل سکھ کے روپ میں اس کے سامنے موجود تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"اگر تم اپنی داڑھی نہ منڈواؤ اور پگڑی باندھے رکھو تو شاید میرے لئے بھی تمہاری پہچان مشکل ہو جائے۔"

کامنی نے کہا۔

"واقعی............"

طاہر نے اس کی طرف دوپٹہ اور چادر بڑھاتے ہوئے کہا کیونکہ اسے بھی اب ایک سکھ عورت کے روپ میں سفر کرنا تھا۔

اب دونوں نو بیاہتا سکھ میاں بیوی کے روپ میں گردوارے کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں پہلے ہی سے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ملک کے مختلف کونوں سے آئے ہوئے سکھ موجود تھے۔

گردوارے کی سرائے میں کمرہ حاصل کرنا کار دارد تھا کیونکہ یہاں کے کمرے عموماً بک رہتے تھے اور یاتری بھی ہوٹلوں کے بجائے یہاں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

"بہت رش ہے یہاں۔ کمرے کا حصول مسئلہ بن جائے گا اور ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں......"

چلتے چلتے طاہر نے عندیہ ظاہر کیا۔

"فکر نہیں......کچھ بندوبست ہو جائے گا۔"

کامنی نے پریقین لہجے میں جواب دیا۔

وہ جانتی تھی ان کا یہاں ایک دو روز رہنا ضروری تھا۔ طاہر کی طرح وہ خود بھی انٹیلی جنس کی تربیت یافتہ تھی۔ وہ جانتی تھی طاہر نے فرار کا سب سے خطرناک حربہ Deception (دھوکہ) استعمال کیا ہے۔

"را" کا "کاؤنٹر سیل" جب ان کے تعاقب میں اردگرد کے شہروں کی خاک چھان رہا ہوگا تو وہ یہاں "را" کی عین ناک کے نیچے محفوظ بیٹھے تھے۔

لیکن......اس کے نتائج مختلف بھی نکل سکتے تھے۔

بہرحال یہ دھوکے کی چال تھی جو طاہر اب تک کامیابی سے چل رہا تھا۔ اب اس کا اور کرنل کا مقابلہ تھا جو "ایس ایس جی" کے اسی کیمپ کا سکیورٹی انچارج ہی نہیں بہت سے دیگر اضافی

خوبیوں کا مالک بھی تھا......یقیناً اس نے بھی طاہر کے فرار کو اپنے لئے چیلنج بنا لیا ہوگا............

کامنی اگروال اندازہ کر سکتی تھی کہ طاہر کے ساتھ اس کی موجودگی کا کیا مطلب لیا جائے گا؟ اور ہیڈ کوارٹر کو جب یہ خبر پہنچی ہوگی تو وہاں کیا قیامت نہیں آ گئی ہوگی۔

وہ خود پنجابی اچھی طرح نہیں بول سکتی تھی......لیکن سمجھ سکتی تھی جبکہ طاہر کو پنجابی بولتے دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ ان ہی میں سے کوئی ہو۔ اس سے پہلے وہ دونوں آپس میں ہندی اور انگریزی بولتے آئے تھے تب وہ طاہر کو یوپی کا باشندہ سمجھ رہی تھی......

دل ہی دل میں اس نے طاہر کی تربیت کرنے والوں کو داد دی وہ خود کو بہترین پروفیشنل ثابت کرتا آ رہا تھا۔

دونوں بہت سے دوسرے یاتریوں کی بھیڑ سے گزر رہے تھے جب اچانک ہی ان کے ساتھ چلتی ہوئی ایک بوڑھی عورت لڑکھڑائی۔

لیکن......اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتی طاہر نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا اور اسی ایکشن میں بھیڑ سے نکال کر ایک کونے میں بڑے سے درخت کے نیچے لے آیا۔

بوڑھی عورت کا جوان بیٹا بھی اس کے ساتھ ہی چلتا آیا تھا............

طاہر نے عورت کو فرش پر لٹا دیا۔ وہ ہوش میں ہی تھی دو تین لمبے لمبے سانس لے کر اٹھ بیٹھی۔

"دھنواد ویر جی............"

اس کے تعاقب میں آنے والے نوجوان نے کہا۔

"کیا ہوا تھا ماں جی کو............"

طاہر نے سوال کیا۔

"بس چکر سا آ گیا تھا............میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

بوڑھی عورت نے کہا۔

نوجوان جو اس کا بیٹا تھا اس نے اپنا تعارف نوجوت سنگھ کے نام سے کروایا طاہر نے اسے اپنا نام ترسیم سنگھ بتایا تھا۔

نوجوان اپنی ماں کے لئے کولڈ ڈرنکس لینے چلا گیا تھا اسی اثناء میں بوڑھی عورت نے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس کے چہرے پر بزرگی کے ساتھ ساتھ ایک عجب طرح کا نور اور بے بسی بھی موجود تھی ان دونوں سے باتیں شروع کر دیں۔

طاہر نے اسے پہلے سے تیار شدہ Cover Story سنا دی اور بتایا کہ اس کا والد امرتسر کا رہنے والا اور ماں بھی پنجاب کی ہے جبکہ وہ سہارنپور (یو پی) میں پیدا ہوا اور ایک بزنس مین ہے۔

کامنی اگروال کا تعارف اس نے اپنی پتنی (بیوی) کی حیثیت سے کروایا تھا اور بتایا تھا کہ دونوں کی چونکہ محبت کی شادی ہے اور ترسیم سنگھ نے منت مان رکھی تھی کہ اگر ان کی شادی ہو گئی تو وہ "پونٹا صاحب" اپنی پتنی کے ساتھ جا کر "متھا ٹیکے" گا اور اب وہ اپنی منت ہی پوری کرنے آئے تھے۔

بوڑھی عورت نے اپنا نام سرداراں بتایا تھا۔ اور طاہر حیران تھا کہ اس نے اپنے نام کے ساتھ "کور" کا لفظ کیوں نہیں لگایا جو تمام سکھ عورتیں لگاتی ہیں پھر وہ خود ہی یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ جیسے کامنی اگروال کا تعلق کھتری گھرانے سے ہے اور وہ اسی کی بیوی بن چکی ہے ممکن ہے ادھر بھی کوئی ایسا ہی مسئلہ رہا ہو۔

لیکن...... اس کا تجسس بڑھنے لگا تھا۔

اسی اثناء میں نوجوت سنگھ چھ سات ٹن سوفٹ ڈرنکس کے لے آیا تھا اور اس نے دونوں کے انکار کرنے کے باوجود ایک ایک ڈبا انہیں تھما دیا تھا۔

"ماں جی اپنی بات کی بڑی پکی ہیں...... میں نے کہا تھا کہ صحت ٹھیک ہو لے پھر چلیں گے لیکن............"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بیٹا اس کا باپ دو ماہ پہلے سورگباش ہو گیا............ کاش وہ زندہ ہوتا تم اسے ملتے تو ......اس کی خواہش تھی پونٹا صاحب آنے کی............ میرا من اس کے بعد سے لگتا نہیں............ اب آ گئی ہوں اس طرح اس کی آتما کو شانتی تو مل جائے گی............"

اس نے اپنی بات کے خاتمے پر ایک لمبی آہ بھری۔

نوجوت سنگھ بھی کچھ اداس ہو گیا تھا۔

"یہ میرا سب سے چھوٹا پتر ہے............ دو اور وہاں اپنے بزنس میں مصروف رہتے ہیں۔ اسے کالج سے چھٹیاں کروا کے لائی ہوں............ تین چار دن کی بات ہے...... ہم نے اس کے باپ کا "اکھنڈ صاحب کا بھوگ" رکھنا ہے پھر چلے جائیں گے............"

اس نے کامنی اور طاہر سے کہا۔

طاہر نے محسوس کیا تھا کہ اس بوڑھی عورت میں ضرور کوئی ایسی بات ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی چھٹی حس بار بار اسے چونکا رہی تھی............

"آیئے سرائے میں چلتے ہیں۔"

نوجوت سنگھ نے کہا۔

"لیکن ہمارے پاس تو ویر جی کمرہ ہی نہیں ہے............ ہم کہاں رہیں گے۔"......

کامنی اگروال نے نوجوت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں پتر...... ہمارے پاس ہے...... ہم نے کل ہی بک کروایا ہے۔ رب بیڑہ غرق کرے ان جھوٹے سیوا داروں کا واہگورو کے گھر میں بھی رشوت لے کے کام کرتے ہیں...... مجھے تو پتہ نہیں تھا وہ تو اس نوجوت نے جانے انہیں کتنے پیسے دے کر کمرہ لیا ہے۔"

بوڑھی عورت نے کہا۔

"او ماں جی...... آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے چنتا نہ کیا کریں۔ یہ بھارت دیش ہے یہاں پیسے سے بھگوان بھی مل جاتا ہے...... آپ کمرے کی کیا بات کرتے ہیں......"

نوجوت سنگھ نے اپنی ماں کا بازو پکڑ کر کہا پھر وہ ان سے مخاطب ہوا۔

"آپ چنتا نہ کریں ویر جی...... ہمارے کمرے میں تو دس آدمی رہ سکتے ہیں...... چار پانچ میٹرس وہاں فالتو رکھوا لیے تھے میں نے...... کوئی اپنا یار بیلی مل جاتا ہے ناں...... دیکھئے واہگورو نے آپ کو ملا دیا۔"

○ ○ ○

دونوں نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اب دونوں ماں بیٹے کے ساتھ چلتے سرائے میں ان کے کمرے تک آ گئے۔

واقعی یہ سرائے کے بہترین کمروں میں سے ایک تھا۔ اٹیچ باتھ روم کے ساتھ بالکل کی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

نورستار ہوٹل کا کمرہ دکھا رہا تھا۔

طاہر اور کامنی نے اپنے بیگ وہیں رکھ دیئے اور خود اسی کونے میں دھرے گدے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے......

"آپ نے ابھی تک شاید ناشتہ بھی نہیں کیا............"

اس نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

طاہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اسے یوں لگا جیسے قدرت کو ان کی حالت پر رحم آ گیا ہے اور نوجوت سنگھ کے روپ میں دراصل ان کے لئے غیبی مدد آئی ہے......

"دراصل میری پتنی کی طبیعت ٹھیک نہیں............"

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن نوجوت سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ویر جی آپ بے فکر ہو جائیے...... آپ سے لنگر خانے میں جانے کے لئے کون کہہ رہا ہے...... لنگر بھی اسی کمرے میں آ جائے گا...... ابھی دیکھئے میرا چمتکار (کمال)............"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

"واہگورو اس کو لمبی عمر دے...... آپ کا بیٹا بڑا ہونہار ہے............"

کامنی اگروال نے سرداراں سے کہا۔

"واہگورو نے بس یہی ایک سکھ دیا ہے پتر...... ورنہ میں تو ان کے باپ سے پہلے کی مر گئی ہوتی...... اب بھی یہ تینوں مجھے زبردستی زندہ رکھے ہوئے ہیں ورنہ تو اب جینے والی کوئی بات نہیں رہ گئی......"

اس کی آواز خاصی گھمبیر ہو رہی تھی۔

شاید بے چاری اپنے سورگیہ خاوند کو یاد کر رہی تھی......

"ہاں جی...... مالک کی لیلا نیاری ہے...... وہی جانتا ہے کسے پہلے اور کسے بعد میں جانا چاہیے...... شاید اس نے آپ کو ہم سے ملانے کے لئے ہی یہاں بھیجا ہے...... میری ماتا جی نہیں ہیں...... بچپن میں فوت ہو گئی تھی...... آپ یہ سمجھئے کہ اب آپ کے تین نہیں چار پتر ہیں...... اور ہاں یہاں سے فارغ ہو کر آپ کو ہمارے گھر جانا ہو گا............"

طاہر نے پانسہ پھینکا۔

بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعائیہ لہجے میں کہا۔

"پتر............ واہگورو تیری لمبی عمر کرے............ تمہاری جوڑی سلامت رہے...... تم پنجاب آؤ تو ضرور میرے غریب خانے پر آنا...... زندگی رہی تو کبھی ہم بھی آ جائیں گے............"

کامنی نے سکھ کا سانس لیا ورنہ جس خلوص سے طاہر نے اسے دعوت دی تھی اسے خطرہ پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ اپنی یاترا ادھوری چھوڑ کر ان کے ساتھ جانے کے لئے ہی تیار نہ ہو جائے۔

کامنی خاصی کمزوری محسوس کر رہی تھی......

لیکن............ اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اس نے ابھی تک خود کو مضبوط اور قائم رکھا ہوا تھا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ طاہر اس کی وجہ سے کوئی پریشانی یا بوجھ محسوس کرے۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب طاہر نے ایک کاغذ پر اپنی نئی ماں کا ایڈریس وغیرہ لکھ چکا تھا نوجوت سنگھ ایک سیوادار کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

سیوادار نے اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے پکڑی ہوئی تھی جبکہ دوسری ٹرے نوجوت سنگھ نے اٹھا رکھی تھی اور سارا کمرہ حلوہ پوری کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا۔

"چنگا بابا جی...... برتن یاد سے لے جانا......"

اس نے سیوادار کو دس دس کے دو نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

"پتر اس کی کیا ضرورت تھی؟"

بوڑھے نہنگ (سکھوں کی ایک قسم) نے جو یہاں سیوادار بھی تھا دونوں نوٹ اپنے چولے کی لمبی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

یہاں معمول کے مطابق کسی کو کمرے میں لنگر سپلائی نہیں ہوتا تھا البتہ مریض اور بوڑھے مسافر مستثنیٰ تھے۔

اور............ نوجوت سنگھ نے شاید اسی صورتحال کا فائدہ اٹھایا تھا۔ دونوں نے اسے تازہ ناشتے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ طاہر نے جلد ہی اندازہ کر لیا تھا کہ کامنی ناشتہ زبردستی کر رہی ہے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ تو اپنی تربیت کے مطابق آئندہ کے لئے بھی اونٹ کی طرح اپنے معدے میں اناج بند کر رہا تھا جن حالات سے وہ گزر رہے تھے ان میں جانے دوبارہ کیا کھانا نصیب ہو گا جبکہ کامنی بددلی سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"کھا پتر............ تو کیوں نہیں کھاتی۔"

سرداراں نے بھی شاید اسے نوٹ کیا تھا۔

"کھاؤ بھرجائی جی............ کھاؤ............ بے فکر رہنا یہاں اپنا ہی راج ہے......"

نوجوت سنگھ نے جو طاہر کے مقابلے پڑھا ہوا تھا اپنی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کامنی مسکرا کر رہ گئی............

اس کی اداس مسکراہٹ نے طاہر کو ایک مرتبہ پھر کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

"دراصل اس کی طبیعت رات سے کچھ خراب ہے............ آپ فکر نہ کریں۔"

O O O

تھوڑی دیر بعد وہ گوردوارے میں جانے کی تیاری کر رہے تھے............!!

طاہر نے احتیاطاً کامنی اگروال کا ٹمپریچر دیکھنا چاہا تھا اور وہ یہ جان کر پھر پریشان ہو گیا تھا کہ کامنی کو بخار آ رہا تھا...... اس حالت میں اسے گوردوارے میں لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی دانست میں فرار کا وہ راستہ اختیار کیا تھا جس پر کسی کی نظر کم ہی جاتی لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ لوگ اس امکان پر ہی نظر رکھے ہوئے ہوں............

"ماں جی میری بچی کی طبیعت خراب ہو رہی ہے............ اسے یہیں چھوڑنا پڑے گا۔ یا پھر نوجوت تو ذرا ہمت کر کے پہلے مجھے یہ دوائیاں تو لا دے۔"

اس نے ایک کاغذ پر کچھ گولیاں اور انجکشن لکھ کر دیے............

"ویر جی آپ کیا ڈاکٹر بھی ہو............"

اس نے نسخے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا بہت...... میں نے ایم بی بی ایس کے دو سال مکمل کر لئے تھے............ لیکن پھر پڑھائی کی وجہ سے شادی ہو گئی۔"

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال کی بات ہے............ میں ابھی لایا............"

اس نے طاہر کے اپنی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کیا جس میں سو سو کے تین نوٹ موجود تھے...... اور طاہر کے پکارنے پر کان دھرے بغیر باہر چلا گیا۔

"آپ پریشان ہوں...... میں ٹھیک ہو جاؤں گی......"

کامنی اگروال کو طاہر کی پریشانی کھائے جا رہی تھی............

"تمہیں ٹھیک ہونا ہو گا کامنی...... میں تمہیں خراب ہونے ہی نہیں دوں گا......"

اس نے کامنی کے سر اپنے زانو پر رکھتے ہوئے اسے دبانا شروع کر دیا......

"تم بہت قسمت والی ہو بیٹی...... ایسا پتی واہگورو سب کو دے............"

بوڑھی عورت طاہر کے جذبۂ خدمت سے بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی۔

"میں قسمت والی ہوں ناں ماں جی............"

کامنی اگروال نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اور............ طاہر کو یوں لگا جیسے کسی نے پوری قوت سے اس کے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔

بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر کامنی کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور طاہر حیران رہ گیا۔

وہ قرآنی آیات پڑھ رہی تھی......

کامنی کی حیرانی طاہر سے بھی دو چند تھی۔

آہستہ آہستہ کچھ قرآنی آیات پڑھ کر اس نے کامنی پر پھونک ماری اور کہا۔

"رب نے چاہا تو بیٹی تو تھوڑی دیر بعد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

دونوں حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نوٹ کیا کہ جب وہ قرآنی آیات پڑھ رہی تھی تو ایک خاص قسم کی چمک اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی............

"ماں جی آپ کیا پڑھ رہی تھیں؟"

طاہر نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

"بیٹا میں رب کا کلام پڑھ رہی تھی...... اس کی "بانی" (کلام) کسی بھی زبان میں پڑھو اپنا اثر تو ضرور دکھاتی ہے؟............"

سرداراں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں ابھی تک حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ طاہر کو کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی اور کامنی کو واقعی قدرے اطمینان سے محسوس ہونے لگا تھا۔

ابھی وہ کوئی اگلا سوال کرنے ہی والے تھے جب نوجوت سنگھ دوائیوں کا لفافہ لیے اندر داخل ہوا۔

"آپ شاید میری بات کو عجیب سمجھیں کیونکہ آپ پڑھے لکھے لگتے ہیں لیکن ماں جی سے اگر دم کروا لو تو ضرور آرام آ جائے گا...... ہمارے تو سارے گاؤں میں ماں جی کا دم مشہور ہے...... قرآن شریف پڑھ کر دم کرتی ہیں اور بیماری بھاگ جاتی ہے۔"

اس نے دونوں کی کوئی بات سننے سے پہلے ہی کہا۔

"ہمیں علم ہے......"

کامنی نے آہستہ سے کہا۔

دونوں کے دیکھتے دیکھتے طاہر نے پہلے ایک انجکشن تیار کیا اور اتنی مہارت سے کامنی کو لگایا کہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوا......

کامنی کو ہر قدم پر طاہر کا نیا روپ دیکھنے کو مل رہا تھا......

تین گولیاں اس نے الگ الگ قسم کی کامنی کو کھلائیں اور اسے آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لٹا دیا حالانکہ کامنی ساتھ جانے کو بضد تھی۔

"بیٹی ٹھیک کہتا ہے پُتر...... تم آرام کرو...... میں بھی یہاں ہوں تمہارے پاس۔ شام کو سکھ منی (سکھوں کی مقدس کتاب گورو گرنتھ صاحب کے ایک اشلوک کا نام ہے (صاحب کا پاٹھ (تلاوت) کرنا ہے۔ شام کو ارداس (دعا) کر لینا......"

سرداراں نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی......"

کامنی نے طاہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم دونوں چلو...... ابھی "رول" (مسلسل اشلوک پڑھنے کو کہتے ہیں) ہو رہا ہو گا۔ میں ۱۲ بجے تک ارداس میں آ جاؤں گی......"

بوڑھی عورت نے کہا دونوں سے کہا۔

"اچھا ماں جی"

نوجوت سنگھ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"Take care...... اپنا خیال رکھنا۔"

طاہر کو اپنی پشت پر کامنی کی آواز سنائی دی۔

○ ○ ○

دونوں ایک دوسرے سے بے تکلفی سے باتیں کرتے گوردوارے کی طرف جا رہے تھے۔ گوردوارے کی بڑے دروازے پر انہوں نے اپنی جوتیاں اتار کر ٹوکن حاصل کیا اور ننگے پاؤں اندر آ گئے......

پونجا صاحب گوردوارے کے صحن میں دونوں پانی کے تالاب کے عین درمیان بنے اس راستے پر چل رہے تھے جو سنگ مرمر کے پتھروں سے سجایا گیا تھا...... یہاں سینکڑوں یاتری آ جا رہے تھے۔ ان میں سکھوں کے ساتھ ساتھ دوسرے دھرم کے لوگ بھی شامل تھے۔

گوردوارے میں داخل ہونے پر سب سے پہلے نوجوت سنگھ نے نشان صاحب (سکھوں کا مقدس جھنڈا) کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

وہ چونکہ طاہر کے آگے آگے چل رہا تھا اس لیے طاہر بار بار اس کی طرح پرنام کرنے سے محفوظ رہا۔ البتہ گوردوارے کے مین ہال میں اسے بھی نوجوت سنگھ کی طرح گورو گرنتھ صاحب کے سامنے کچھ پیسے پھینک کر "متھا ٹیکنا" پڑا کہ سوا اس کے چارہ نہیں تھا......

دونوں اب بڑے ہال میں پہلے سے موجود ہزاروں یاتریوں کے درمیان جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔

گرنتھی باری باری اشلوک پڑھ رہے تھے...... اور طاہر کا ذہن مسلسل نوجوت سنگھ کی بوڑھی ماں میں اٹکا ہوا تھا۔ اس نے قرآن کی جو آیات پڑھیں تھیں۔ تلاوت کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سکھ عورت نہیں......

پھر وہ کون ہے؟

شاید ان بدقسمت مسلمان عورتوں میں سے ایک جو تقسیم ہند پر اغوا کر لی گئی تھیں۔

اسے فی الوقت اپنے سوال کا ایک ہی جواب مل رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ذہن سے یہ

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

خیال جھٹک دیا اب وہ کامنی اگروال سے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں تو کامنی کو بہترین ڈوز دی تھی اور امید بھی تھی کہ اب وہ صحت مند ہو جائے گی۔

لیکن............ ایک سوچ بار بار اسے بچھو کے ڈنک دے رہی تھی کہ کامنی اگروال کے ساتھ کہیں وہ کسی زیادتی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا............ پھر وہ اسے کامنی کی گفتگو اور اس کا لہجہ یاد آتا تو اپنے اس خیال پر شرمندگی ہوتی کہ اس نے اس عظیم لڑکی سے متعلق ایسا سوچا ہی کیوں ہے؟

وہ تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ عظیم تھی............

بات کچھ بھی رہی ہو...... اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اپنی مستقبل کی پلاننگ میں وہ اپنے اس منہ بولی ماں کو شامل کر سکتا ہے اسے امید تھی کہ شاید وہ اس کی کچھ مدد کر سکے۔

یہاں ہر نوارد پہلے سے لگی قطار میں کھڑا ہو جاتا تھا اور اپنی باری آنے پر "گورو گرنتھ صاحب" کو "سیس نوانے" (سر جھکاتے) کے بعد پھر کسی مناسب جگہ بیٹھ کر کیرتن سننے لگتا............ کیرتن شروع ہو گیا تھا............

اپنی پرسوز آوازوں میں ہارمونیم بجاتے ہوئے سردار صاحبان اپنے مذہبی گیت گا رہے تھے۔

دونوں ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں سے "گورو گرنتھ صاحب" کی پالکی دکھائی دے رہی تھی۔

طاہر بھی کبھی نئے آنے والوں کو گورو گرنتھ صاحب کے سامنے سر جھکاتے دیکھنے لگا۔

اس وقت بھی اس نے غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تھی جب اسے ایک سکھ کے پیچھے قطار میں سر پر بسنتی رنگ کا بڑا سا رومال باندھے کیپٹن چکرورتی کھڑا دکھائی دیا۔

اس نے دو تین مرتبہ آنکھیں جھپکا کر شاید یہ تصدیق کرنا چاہی تھی کہ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟

لیکن...... جلد ہی اسے تصدیق مل گئی کہ یہ خواب نہیں بلکہ آج کی سب سے تلخ سچائی تھی گو کہ وہ چکرورتی کے ساتھ زیادہ نہیں رہا تھا لیکن وہ زندگی میں ایک مرتبہ اپنے ساتھ ملنے والی کسی بھی اہم شخصیت کی شناخت پر مشکل ہی سے دھوکہ کھاتا تھا۔

"تو تم بالآخر یہاں بھی آ ہی گئے۔"

اس نے لمبی سانس لے کر دل ہی دل میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ "ارداس" شروع ہونے والی تھی۔

گرنتھی کی آواز گوردوارے کے بڑے ہال میں گونج رہی تھی اور چاروں طرف مکمل سکوت طاری تھا پھر اس کی آواز سے آواز ملا کر سب نے گانا شروع کر دیا۔ طاہر کو یہ سب کچھ تو زبانی حفظ نہیں تھا لیکن پھر بھی بہت کچھ یاد ضرور تھا۔

اس نے تو جوت سنگھ کو ایک لمحے کے لئے بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان رسومات سے اجنبی ہے......

اس دوران اس کی نظریں بے چینی سے چکرورتی کے تعاقب میں لگی رہیں لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا کیونکہ چکرورتی اب بھیڑ کا حصہ بن چکا تھا۔ اس ہال میں ہزاروں لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

ایک کونے میں سکھ عورتیں بیٹھی تھیں جبکہ مرد سارے گوردوارے میں بیٹھے ہوئے تھے اور رش کا یہ عالم تھا کہ یہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔

دونوں نے ارداس کے خاتمے پر بڑی زوردار آواز میں "جے کارہ" بلند کیا تھا۔

اب بھیڑ میں کچھ بے چینی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے شاید "کڑاہ پرشاد" تقسیم کیا جا رہا تھا۔

بڑے بڑے لوہے کے ڈول جو دیسی گھی کے حلوے سے بھرے تھے سکھ نوجوان سیوادار لے کے ہجوم میں چل رہے تھے۔

اپنے سامنے گزرنے والے کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں پر وہ مٹھی بھر کر گولے کی طرح بنا ہوا حلوہ رکھ دیتے جو بڑی عقیدت سے ہر کوئی کھا رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں سے چمٹا گیا اپنی زبان سے چاٹ لیتے تھے کیا مجال جو ایک قطرہ بھی زمین پر گرا ہو۔

ان دونوں نے بھی یہی عمل دہرایا اور ایک دوسرے کے تعاقب میں باہر آ گئے......

اس دوران طاہر بے چینی سے مجمع کا جائزہ لیتا رہا لیکن چکرورتی اسے کہیں نظر نہیں آیا۔

اس نے دل ہی دل میں حکمت عملی بھی تیار کرنی شروع کر دی تھی............

اب ایک سوال کا جواب چاہیے تھا کہ کیا چکرورتی یہاں اکیلا ہے؟

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایسا بظاہر تو ممکن تھا لیکن ایسا ہو سکتا تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو مسوری اور ڈیرہ دون کی طرف روانہ کر دیا ہو اور خود کسی ممکنہ امکان کو ذہن میں رکھ کر ادھر آ گیا ہو............ پھر اس نے سوچا چکرورتی کے اکیلے ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟

○ ○ ○

"را" کا اپنا ایک "نیٹ ورک" تھا اور وہ لوگ کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے ایک ہونہار آفیسر کو اس طرح کسی غیر ملکی ایجنٹ کے ہاتھوں اغوا ہو کر سرحد پار کر جانے دیں.......

طاہر جانتا تھا اب یہ ان کی پریسٹیج سے زیادہ غیرت کا مسئلہ بن چکا تھا جس پر وہ لوگ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے.......

"را" نے اپنے ملک کے چپے چپے پر پھیلے نیٹ ورک کو اب تک ان سے متعلق تمام اطلاعات پہنچا دی ہوں گی اور وہ خود ان کے منتظر ہوں گے۔

ایک بات اس کے لئے باعث اطمینان ضرور تھی کہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ سلیم چنگ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا ہو گا۔

اسے گمان گزر رہا تھا کہ سلیم نے یہاں سے فرار کا آسان راستہ تلاش کیا ہو گا اور نیپال کی سرحد عبور کر لی ہو گی۔ اگر وہ سلیم کے ساتھ فرار ہو گیا ہوتا تو اب تک وہ بھی محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

لیکن............ وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔

اس کے لئے بظاہر یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی.......

کامنی اگروال ساری زندگی مسوری میں اس کی منتظر رہتی اور وہ اپنے ملک پہنچ چکا ہوتا۔

اس کی تربیت بھی یہی تھی............

اسے تو اپنے کام سے مطلب تھا.........

اس کی طرف سے باقی سب کچھ جہنم میں جاتا۔ اس کا کام ہونا چاہیے تھا جو ان دونوں نے کامیابی سے کر لیا تھا...........

لیکن...... بات اس سے آگے چلی گئی تھی۔

اگر کامنی اگروال اور اس کے درمیان کوئی جنسی رشتہ قائم ہوتا تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا...... قدرت نے' حالات نے ان دونوں کے بیچ جسمانی سے زیادہ ایمانی رشتہ قائم کر دیا تھا۔

طاہر جانتا تھا کہ وہ مسلمان کے گھر جنم لینے کی وجہ سے مسلمان ہے لیکن کامنی ہندو گھرانے میں جنم لینے کے باوجود ہندو نہیں تھی.......

اس کے اندر ہمیشہ سچائی کو پالینے کی جستجو ہمیشہ موجود رہی تھی اور جب اسے موقعہ ملا اس نے اس سچائی پر لبیک کہا۔

طاہر نے سوچا تھا بھاگ جائے لیکن کسی نادیدہ طاقت نے اسے روک دیا کیونکہ اس کی ایمانی غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ ان حالات میں کامنی اگروال کو دھوکہ نہ دے.......

اس نے یہ بات سلیم سے کی تھی...... اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیا لائحہ عمل اختیار کرے؟

اور اس کی طرح پروفیشنل ایجنٹ سلیم نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر کہا تھا۔

"طاہر زندگی میں سب کچھ پیشہ وارانہ نقطہ نظر ہی سے نہیں کیا جاتا...... بعض چیزیں اور معاملات ان سے بلند ہوتے ہیں۔ ہماری سوچ سے بھی بلند............ بس ہمیں اپنی وہ شناخت یاد رکھنی چاہیے جو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فخر ہے...... کیا تم یہ چاہو گے کہ یہ فخر تم سے چھن جائے......؟

"نہیں......"

طاہر نے مضبوط اور دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"پھر جاؤ اور آخری لمحے تک کامنی کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کرو...... اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو......"

سلیم نے دم رخصت کہا تھا۔

اور.......... اس نے ایسا ہی کیا۔

○○○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نوجوت سیہاں...... یار تمہاری بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس کے لیے تو لنگر کمرے ہی میں لے آنا......"

اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"ویر جی بے فکر ہو جاؤ۔"

نوجوت نے حسب سابق گردن ہلائی۔

دوپہر ہو چکی تھی جب وہ اوداس کر کے باہر نکلے اب انہیں اپنے کمرے کی طرف جانا تھا جہاں نوجوت سنگھ کی ماں بھی اوداس سے واپس آ چکی تھی۔

اس درمیان کامنی گہری نیند سوئی رہی۔ طاہر نے اسے دوا میں خواب آور گولی بھی دے دی تھی وہ جانتا تھا کہ کامنی کے لیے تین چار گھنٹے کی نیند کتنی ضروری تھی۔

جب دونوں کمرے میں پہنچے تو کامنی کی بیدار ہوئے بمشکل چند منٹ گزرے تھے ابھی تک سرداراں واپس نہیں لوٹی تھی۔

کامنی پر غنودگی اچانک ہی طاری ہوئی تھی اب آنکھ کھلنے پر اسے احساس ہوا کہ طاہر نے جان بوجھ کر اسے خواب آور دوا دی تھی تاکہ وہ تھوڑی دیر کے لیے سو سکے۔ کامنی بیدار ہوئی تو اس کا بدن پسینے سے شرابور تھا اور بخار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس مرتبہ طاہر کی دی ہوئی ڈوز بالکل کامیاب رہی تھی اس نے اندازہ لگا کہ طاہر واقعی مکمل ڈاکٹر تھا۔ اس سے پہلے اگر اسے مکمل شفا نہیں ہوئی تھی تو اس میں طاہر کا کوئی قصور نہیں تھا دراصل بے آرامی اور مستقل بھاگ دوڑ نے دوا کو اپنا مکمل

اثر نہیں دکھانے دیا تھا۔

طاہر اور نوجوت کمرے میں داخل ہوئے تو وہ نہانے اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اپنے بال سکھا رہی تھی۔ بال اس کے شانوں پر دھرے تولیے پر بکھرے ہوئے تھے ایک لمحے کے لیے تو طاہر کے ساتھ نوجوت سنگھ بھی ششدر رہ گیا۔

کامنی اگر وال انہیں کسی قدیم مندر کی دیوداسی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے اندر موجود سچائی جسے اب تک جھوٹے بہروپ نے دبا رکھا تھا اب اس کے چہرے پر سج گئی تھی جس سے اس کا حسن دو چند ہو گیا تھا۔ دونوں پر اس کی آنکھوں نے ایک جیسا جنوں پھونک دیا تھا۔

"ست سری اکال۔"

نوجوت سنگھ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے پرنام کیا اس کا پرنام کرنے کا انداز بالکل پجاریوں جیسا تھا۔

کامنی نے بھی جواب میں "ست سری اکال" کہا تھا۔

"میں ماں جی کو دیکھتا ہوں اور لنگر کا بندوبست بھی کروں۔"

اس کے جلوہ حسن کی تاب نہ لا کر شاید نوجوان نوجوت سنگھ نے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب جانا تھا۔"

"کیسی طبیعت ہے اب۔"

سحر زدہ طاہر نے دریافت کیا۔

"بے فکر رہو...... اب شاید تمہیں مزید ٹرنکالائزر دینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

کامنی نے بالوں پر لگے پانی کے قطروں کو جھٹکا دے کر گراتے ہوئے کہا۔

"سوری کامنی...... لیکن یہ ضروری تھا۔"

طاہر بھی مسکرا دیا۔

"اور خود تم .... تمہیں کیا نیند کی ضرورت نہیں۔ تم بھی تو گذشتہ دو راتوں سے مصیبت میں پڑے ہو......... میں جانتی ہوں تم کتنا سوئے ہو........."

کامنی نے گدے پر دھری چادر کو ٹھیک کرتے ہوئے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"آج شام ڈھلنے پر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس نے اچانک ہی کامنی سے کہا لیکن کرنل موتگیا کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔

"کیوں.......... اگر کوئی ایمرجنسی نہیں تو رات یہاں ٹھہر جاتے ہیں۔ طاہر میری بیماری تو قابل برداشت ہے خدانخواستہ مستقل بھاگ دوڑ نے تمہیں بیمار کر دیا تو میں کیا کروں گی ...... مجھے تو تمہارے جنتی دواؤں کا بھی علم نہیں۔"

کامنی نے کہا۔

"بے فکر رہو.......... میں بیمار نہیں ہوں گا۔ اور ہوا بھی تو اپنی دوا کا خود بندوبست کر لوں گا۔"

طاہر نے اس کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔

لیکن.......... ایک پھانس سی کامنی کے دل میں اٹک گئی۔ وہ انٹیلی جنس آفیسر تھی اور جانتی تھی کہ طاہر نے اچانک جو پروگرام بدل لیا ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ رہی ہوگی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی بات کرے سرداراں اندر آ گئی..........

"پاؤں پڑتی ہوں ماں جی۔"

کامنی نے سکھ لڑکیوں کی طرح آگے بڑھ کر سرداراں کے پاؤں چھوئے۔

"جیتی رہو..... جوانیاں مانے.......... رب تجھے شاد رکھے..... کیا حال ہے تیری صحت کا..... معاف کرنا پتری..... میں تجھے سوتی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

سرداراں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

"پرماتما نے بڑی کرپا کر دی ماں جی..... ٹھیک ہوں۔"

کامنی نے کہا اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور اس مرتبہ نوجوت سنگھ ایک اور سیوادار کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

"لو ماں جی..... بھرجائی جی..... ویر جی لنگر آ گیا۔"

اس نے بڑے مودب ویٹر کی طرح کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔

سیوادار نے اندر داخل ہوتے ہی انہیں "فتح" بلائی تھی جواب میں طاہر نے خاصی بلند آواز سے کہا تھا۔

"واہے گورو جی کا خالصہ..... واہے گورو جی کی فتح۔"

"بابا جی گھنٹے کے بعد برتن لے جانا۔"

نوجوت سنگھ نے سیوادار کی مٹھی گرم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

سیوادار آداب کرتے باہر نکل گیا۔

سب نے اکٹھے لنگر کھایا تھا..... جس کے بعد وہ وہیں لیٹ گئے۔ مسلسل بھاگ دوڑ سے طاہر پر جلدی غنودگی غالب آ گئی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کامنی اور ماں جی کے اصرار کرنے پر سو گیا......

طاہر کی آنکھ کھلی تو سورج ڈھل رہا تھا۔ نوجوت سنگھ غائب تھا اور کامنی ماں جی کے ساتھ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی جو شاید نوجوت سنگھ نے اسے لا کر دیا تھا......

طاہر قدرے گھبرا کر اٹھا کیونکہ وہ تین گھنٹے مسلسل سوتا رہا تھا۔ ایسا کامنی کی وجہ سے ہی ممکن ہوا تھا کیونکہ وہ جاگتی رہی تھی......

ماں جی کو "فتح" بلا کر اس نے باتھ روم کا رخ کیا اور دوبارہ کپڑے بدل کر دوسری پگڑی باندھ لی اور پھر اس نے کامنی کو آنکھ سے مخصوص اشارہ کیا جس کا مطلب سمجھ کامنی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اور.......... ذہن میں طے شدہ پلان کے مطابق اس نے ایک مرتبہ پھر کامنی کا ٹمپریچر چیک کرنا چاہا۔

"او مائی گاڈ......"

اس نے ٹمپریچر کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر پریشانی سے کہا۔

"کیا ہوا پتر؟"

سرداراں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ماں جی شما کرنا..... من تو نہیں چاہتا پر مجبوری ہے ہمیں آج رات ہی ڈیرہ دون یا مسوری واپس جانا ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں..... کہیں..... معاملہ زیادہ خراب نہ ہو جائے۔"

طاہر نے کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس کی بات سن کر سرداراں کچھ پریشان اور مغموم سی ہو گئی۔

"بیٹا تیری مرضی...... دل تو نہیں چاہتا کہ تمہیں جانے دوں لیکن بیٹی کی مجبوری ہے اچھا رب خیر کرے۔ تم میرے بیٹے کا امرتسر کا فون نمبر لکھ لو...... ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ وہ مجھے زبردستی امرتسر لے جاتا ہے...... اور وچن دو کہ تم دونوں ضرور ہمارے پاس آؤ گے۔ میرے ساتھ گاؤں میں آ کر رہنا...... کھلی آب و ہوا سے تمہارا دل بہت خوش ہوگا۔"

سرداراں نے اسے اپنے بیٹے کا امرتسر کا ٹیلی فون نمبر لکھواتے ہوئے کہا۔

"ماں جی میں وعدہ کرتا ہوں اگر زندہ رہے تو اگلے چند دنوں میں آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گے کیونکہ مجھے گوردا سپور اپنی موسی جی کے پاس ضرور جانا ہے ورنہ وہ ساری زندگی مجھ سے ناراض رہے گی۔"

اس نے سرداراں کے بڑے بیٹے سنگت سنگھ کا ٹیلی فون نمبر بھی لکھ لیا جو امرتسر میں بزنس کرتا تھا اور وہیں کسی گاؤں میں اپنی نو بیاہتا بیوی کے ساتھ قیام پذیر بھی تھا۔

اب انہیں نوجوت سنگھ کا انتظار تھا جس سے ملنے کے بعد وہ یہاں سے رخصت ہوتے نوجوت سنگھ تھوڑی دیر بعد آ گیا۔ ان کے اچانک جانے کی خبر نے اسے بھی مغموم کر دیا لیکن بھرجائی کی بیماری کا جان کر اسے بھی با دل نخواستہ ان کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔

دم رخصت ان کے ہاں ناں کرنے کے باوجود سرداراں نے زبردستی پانچ سو روپے کامنی کو تھما دیئے۔

آج سے تم میری بیٹی بن گئی ہو...... یاد رکھنا اور اپنی ماں کو کبھی نہ بھلانا۔"

سرداراں نے رندھے ہوئے گلے سے کہا تو کامنی کا دل بھر آیا۔

اس نے سرداراں کو گلے سے لگا لیا۔

"ماں جی .... ہم بہت جلد ملیں گے...... آپ دشواش رکھیے اور ہمارے لئے "پرارتھنا" (دعا) کیجئے۔"

کامنی نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

نوجوت سنگھ نے اپنی پگڑی طاہر کو دے دی تھی اور طاہر نے اپنی پگڑی اسے۔ اس طرح وہ دونوں "پگڑی بدل بھائی" بن گئے تھے......

دونوں ماں بیٹا انہیں باہر اڈے تک چھوڑنے کے لیے بضد تھے، لیکن طاہر نے انہیں زبردستی روک دیا، کیونکہ "شام کی سبھا آرمبھ" ہونے والی تھی اور "گوربانی" کا پاٹھ شروع ہو گیا تھا۔

"آپ نے اکھنڈ صاحب کا بھوگ بھی رکھوایا ہے۔ یہ زیادتی ہو گی......"

اس نے دونوں سے کہا۔

اور........... دونوں ماں بیٹا نے با دل نخواستہ انہیں رخصت کر دیا۔

دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے یہی حال کامنی کا بھی تھا اور طاہر سوچ رہا تھا کہ کامنی نے اپنی شخصیت پر کتنا کچا خول چڑھایا ہوا تھا جو سچائی کا ایک جھٹکا بھی برداشت نہ کر پایا۔

دہشت گردوں کو تربیت دینے والی "را" کی انسٹرکٹر اور تخریب کاری کے خطرناک ترین سنٹر ہنواری کی سٹاف آفیسر کامنی اگروال اندر سے مکمل مشرقی عورت تھی...... خدا جانے اس نے یہ بہروپ کس طرح خود پر طاری کیا تھا......

○ ○ ○

شام ڈھل رہی تھی جب وہ دونوں باہر نکلے......

سرائے سے باہر نکلتے ہی طاہر بے اختیار ہنس دیا۔

"سوگوار چہرے اور فسوں پھونکتی آنکھوں والی کامنی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔"

"خیریت۔"

"میں سوچتا ہوں کامنی کہ تم پر "را" کی تربیت کا کوئی اثر تو ہوا نہیں۔ تم تو بالکل مشرقی لڑکیوں کی طرح ایک لڑکی ہو...... اوہ مائی گاڈ...... کیا بہروپ اپنا رکھا تھا تم نے......"

کامنی سمجھ گئی وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے...... اور جواب میں

دونوں پونا صاحب کے بھرے پرے بازار کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

دکانوں پر رکھے ٹیپ ریکارڈز سے اونچی آوازوں سے نکلتے زرد بلبوں کی بیماری روشنی اندھیروں گوردوارے سے براہ راست کیرتن نشر۔

"کامنی...... میں تمہیں بہروپیا ان دکھائی دیتا تھا۔ پلیٹ فارم کے ایک کونے میں یہاں

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

کے واحد خوانچہ فروش کی ریڑھی جس پر اس نے کینوس کا پردہ ڈال کر گویا چوروں سے محفوظ سمجھ لیا تھا کھڑی تھی۔ جس کے ایک پہیے سے بندھی زنجیر کا دوسرا سرا اس نے پلیٹ فارم کے فرش میں گڑے لوہے کے ہک سے باندھ رکھا تھا۔

''ابھی گاڑی آنے میں شاید دیر ہے..... کوئی نظر نہیں آ رہا۔''

طاہر نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''ہاں..... میرا بھی یہی خیال ہے۔''

کامنی نے کہا۔

دونوں آہستہ آہستہ سٹیشن کی پشت پر آ رہے تھے جہاں قطار میں لگے درختوں کے جھنڈ میں وہ اطمینان سے دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہ کر بیٹھ سکتے تھے۔

''ویل کم ٹو ہیل'' (جہنم میں خوش آمدید)

اچانک ہی ان کی پشت سے آواز سنائی دی اور گردن گھما کر دیکھنے پر دونوں سن ہو کر رہ گئے ان کے سامنے کرنل مونگیا کھڑا تھا..... جس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا پستول موجود تھا۔

طاہر نے اگلے چند لمحوں میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ حالانکہ یہ صورت حال بالکل غیر متوقع اور حواس باختہ کر دینے والی تھی کیونکہ مونگیا کسی بدروح کی طرح اچانک ہی نازل ہوا تھا۔

''Same to you'' (تمہیں بھی.....)۔

اس نے سنبھل کر کہا۔ زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بچھی تھی۔

''خود کو بہت چالاک سمجھتے تھے کیا؟''

مونگیا نے انہیں گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

کامنی ابھی تک خوفزدہ تھی.....

''کم آن کرنل..... کیا نامردوں کی طرح گالیاں بک رہے ہو۔ تم کر گزرو کیا کرنا چاہتے ہو.....؟''

طاہر کی آواز میں کڑکتی رعد نے کامنی کو یقین دلا دیا تھا کہ مونگیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا.....

''شٹ اپ..... میں یہاں جھک مارنے نہیں آیا۔ کچھ کرنے ہی آیا ہوں۔''

مونگیا غصے سے کھولنے لگا۔

یہی طاہر چاہتا تھا۔

''کیا کرو گے تم۔''

اس مرتبہ کامنی نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

''یو بلڈی ٹریٹر۔''

مونگیا کے منہ سے مغلظات کا طوفان برآمد ہوا۔

طاہر کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کا ٹینٹوا دبا دے لیکن ایسا صرف سوچا جا سکتا تھا۔ مونگیا کوئی عام قسم کا فوجی آفیسر نہیں تھا۔

کامنی محسوس کر سکتی تھی کہ طاہر بڑے غیر محسوس انداز میں کچھ آگے بڑھ گیا ہے.....

''میں اس کتیا کو یہیں گولی مار کر پھینک جاؤں گا۔ اور تم..... تمہارے بدن سے کھال الگ کرنے کے بعد تمہیں تمہارے ملک کی سرحد پر پھینک دیں گے۔ جانوروں کا شکار بننے کے لئے۔''

مونگیا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''تم مجھے نہیں مار سکتے..... میرا فیصلہ عدالت کرے گی۔ تم کون ہوتے ہو؟''

کامنی نے طاہر کی پلاننگ کو سمجھتے ہوئے مونگیا کو الجھانا چاہا۔

''شٹ اپ............ بھگوان کا شکر کرنا میں تمہیں یہیں گولی مار کر پھینک جاؤں گا۔ اگر زندہ بھواری تک لے گیا تو میرے کتوں کی خوراک بن جاؤ گی۔''

ایک مرتبہ پھر مونگیا پر گالیوں کا دورہ پڑا۔

''دیکھو چکرورتی یا تم جو کوئی بھی ہو..... میرے جیتے جی تم اسے مار نہیں سکتے..... مرد ہو تو آؤ۔ چلاؤ مجھ پر گولی..... تمہیں بڑا ناز ہے اپنے آپ پر..... آؤ ہم فیصلہ کر لیں.....''

طاہر نے اسے برانگیختہ کرنا چاہا وہ چاہتا تھا کسی بھی طرح کرنل مونگیا اس پر پل پڑے۔

لیکن..... کرنل مونگیا نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

''بچا لو اسے.....''

شاید اس مرتبہ تیر نشانے پر لگا تھا۔ کیونکہ مونگیا نے پستول سیدھا کرتے ہوئے بالکل

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

فائرنگ پوزیشن لے لی تھی......

کسی بھی لمحے اب گولی کامنی کو لگ سکتی تھی...... طاہر نے اندازہ لگالیا تھا کہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے چند لمحوں میں کرنا ہے ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔

"بزدل بے غیرت .... تم اکیلے کیا کم تھے جو اپنے ساتھ ان دونوں کو بھی لے آئے ہو......"

اس نے اچانک ہی اپنا آخری داؤ آزماتے ہوئے مونگیا پر بھرپور نفسیاتی حملے کرتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ سے ایسے اشارہ کیا تھا جیسے اسے مونگیا کے پیچھے دو آدمی دکھائی دیئے ہوں۔

اس کی یہ چال کامیاب رہی......

ایک لمحے کے لئے مونگیا نے گردن گھمائی تھی عین ان لمحات میں طاہر نے اپنے جسم کی ساری طاقت مجتمع کر کے اپنی ٹانگوں میں سمیٹی اور زقند بھر کر اس پر حملہ آور ہوا......

لیکن...... مونگیا بھی اناڑی نہیں تھا۔

عین ان ہی لمحات میں اس نے کامنی کی طرف فائر کیا تھا جب طاہر قریباً مونگیا کے نزدیک پہنچنے والا تھا۔

مونگیا کے پستول سے نکلی گولی طاہر کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں لگی کیونکہ وہ بھی ہاتھ کرنل مونگیا کے پستول والے ہاتھ پر مارنے جا رہا تھا۔

لیکن...... اس کا حملہ بھی خالی نہیں گیا تھا۔

دو عمل اکٹھے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

گولی طاہر کے ہاتھ پر لگی تھی اور اس کی ہوا میں گھومتی ٹانگ مونگیا کے دائیں کندھے پر، پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور اندھیرے میں جا گرا تھا جس پر وہ تململاتا ہوا طاہر کی طرف پلٹا۔

طاہر کے حملے نے اسے پاگل ہی کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار گالیاں نکالتا اس پر جھپٹا اور اس کا زوردار پنچ طاہر کے پیٹ میں لگا جس نے اسے الٹا کر رکھ دیا......

کرنل مونگیا کا واسطہ بھی زندگی میں ایسے سخت جان آدمی سے نہیں پڑا تھا۔ اسے بھی امید تھی کہ اس پنچ کے بعد طاہر جس کے ہاتھ پر گولی لگ چکی ہے زمین سے نہیں اٹھ سکے گا۔

لیکن...... وہ تو کسی ہشت پہلو بلا کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا تھا......

کامنی حیرت زدہ اسے دیکھ رہی تھی اسے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ آگے بڑھ کر پستول اٹھا لے۔ اب طاہر کی باری تھی...... وہ اپنے ہاتھ کا تو زیادہ بھرپور استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ گولی ہتھیلی سے پار ہو گئی تھی اور درد کی ناقابل برداشت لہر اچانک سارے بازو میں اتر آئی تھی۔

اس مرتبہ اس نے کرنل کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور راستے قریب سے اچھل کر اس کی گردن پر دائیں ٹانگ ماری تھی کہ کامنی کے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ کرنل مونگیا لڑکھڑایا لیکن سنبھل گیا۔

اس نے تیزی سے فضا میں اپنا ہاتھ گھما کر مخصوص سٹائل اپنایا تو طاہر کو ڈیوٹی دون والا کیپٹن چکرورتی یاد آ گیا۔

اس مرتبہ وہ انگریزی فلموں کے ہیرو کی طرح اس پر لپکا لیکن طاہر نے وار خالی دیا۔ دونوں کے درمیان مزید حملوں کا تبادلہ ہوا تھا جب کامنی کو اچانک ہوش آ گیا اور وہ تیزی سے پستول کی طرف لپکی......

"مونگیا Stop it......" (رک جاؤ)

اس نے مونگیا کی طرف پستول سیدھا کرتے ہوئے اسے وارننگ دی۔

لیکن...... کرنل مونگیا کو طاہر نے شاید پاگل کر دیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے بھی کامنی کی وارننگ کی پرواہ نہیں کی تھی اور گالیاں دیتا اس پر لپکا......

لیکن...... کامنی بھی "را" کی تربیت یافتہ تھی......

یکے بعد دیگرے اس نے دو گولیاں کرنل مونگیا پر فائر کیں اور وہ پلٹ کر دور جا گرا۔

"ڈیم اٹ۔"

بے عزتی کے احساس اور غصے سے کھولتی کامنی نے آگے بڑھ کر اس کے سر میں پستول کی ساری میگزین خالی کر دی۔

اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار طاہر سے لپٹ گئی۔

کامنی جانتی تھی اگر طاہر اپنے ہاتھ پر اس گولی کو نہ روکتا تو یہ گولی اس کے دماغ میں گھس جاتی۔ کرنل مونگیا ہوا میں اڑتے پرندے پر نشانہ لگانے کے لئے بٹواری کیمپ میں خصوصی شہرت رکھتا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم ٹھیک ہو نا طاہر......تم ٹھیک ہو ناں............"

بچوں کی طرح طاہر سے لپٹتے ہوئے وہ کہے جا رہی تھی پھر شاید اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

پستول پھینک کر اس نے طاہر کا ہاتھ دیکھا جس سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ" ...... کہتے ہوئے کامنی نے جھک کر بیگ کھولا اس میں سے اپنا دوپٹہ نکال کر پھاڑا اور اس کے ہاتھ پر اس طرح سختی سے باندھ دیا کہ خون بہنا بند ہو گیا۔

"چلو......نکلیں یہاں سے......"

قریباً روتے ہوئے اس نے طاہر سے کہا تھا۔

"یہ ضرور یہاں کسی گاڑی پر آیا ہوگا۔"

طاہر نے کہا تھا۔

دونوں بیگ اب کامنی نے اٹھالیے تھے اور وہ طاہر کے تعاقب میں درختوں کے جھنڈ کے دوسری سمت جا رہی تھی جہاں انہیں ایک درخت کے نیچے ایک پرائیویٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ جس کے دروازے بند تھے۔

"بیگ یہیں رکھ دو............آؤ میرے ساتھ۔"

"اس کی جیب سے تمام کاغذات' کرنسی' گاڑی کی چابی نکال لو............ساری جیبیں خالی کر دو۔"

طاہر نے زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا۔

درد کی اذیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ اس کا خون بہنا بند ہو گیا۔ کامنی نے اپنے اوسان مکمل بحال کر لئے تھے اور اپنی تربیت کا بہترین استعمال کر رہی تھی۔ چند سیکنڈ میں اس نے کرنل موگنیا کی ساری جیبیں خالی کر دی تھیں۔ اس کا بٹوہ' کارڈ اور چابی اس کے پاس تھی......

"گاڑی میں بیگ رکھو۔"

طاہر نے اس سے کہا اور خود موگنیا کی ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا نزدیکی جھنڈ کی طرف لے جانے لگا جہاں خودرو جھاڑیاں آسمان کو چھو رہی تھیں......کامنی اس کا مطلب سمجھ گئی تھی وہ

واپس پلٹی اور دوسری ٹانگ پکڑ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

دو تین منٹ میں انہوں نے موگنیا کی لاش ٹھکانے لگا دی۔ اب کم از کم صبح ہونے سے پہلے لاش کا انکشاف مشکل تھا۔

طاہر کے لئے درد نا قابل برداشت ہو رہا تھا......اس نے خود کو نارمل رکھنے میں ساری توانائیاں لگا دی تھیں......لیکن چاند کی ملگجی روشنی میں جب اس کے چہرے پر کامنی کی نظر پڑی تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے زور سے گھونسہ اس کے دل پر مار دیا ہو......

"طاہر! تم ٹھیک تو ہو ناں......؟"

اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

"بے فکر رہو! میں ایسی ویسی گولیوں سے مرنے والا نہیں ہوں۔"

طاہر نے اس کے جذبات کا اندازہ کرتے ہوئے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

کامنی کو اچانک ہی جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے جھک کر بیگ کھولا اس میں سے دو تین گولیاں درد ختم کرنے والی نکالیں اور دودھ کا بند پیکٹ کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک سبز کیپسول بھی دے دو......اس طرح تمہارا بدلہ پورا ہوگا......آخر میں بھی تمہیں یہ سب کچھ کھلا چکا ہوں۔"

اس کی بذلہ سنجی برقرار تھی......

کامنی بے اختیار مسکرا دی..........

اسی لمحے طاہر اسے دنیا کا سب سے عظیم انسان دکھائی دیا جس کو اپنے زخم سے زیادہ کامنی کی فکر دامن گیر تھی......

"آگے بیٹھو۔"

کامنی نے طاہر کو بازو سے پکڑ کر اگلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔ طاہر کے بار بار کہنے کے باوجود اس نے ڈرائیونگ خود کرنے کا فیصلہ کیا تھا..........

O O O

کامنی اب مکمل ہوش و حواس میں تھی وہ جانتی تھی کہ اب طاہر کی ذمہ داری اس پر آ گئی ہے۔ اس نے طاہر کے لئے فوری طور پر فرسٹ ایڈ کا بندوبست کرنا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

چابی لگانے پر اسے اطمینان ہوا کہ گاڑی کی ٹینکی فل تھی...... تیزی سے کار چلاتی وہ پکی سڑک پر آ گئی۔

"کار پہچانتی ہو......"

اچانک ہی طاہر نے سوال کیا۔

"میں یہی سوچ رہی تھی طاہر...... یہ گاڑی آج تک سیکیورٹی سٹاف میں نہیں دیکھی گئی۔ میرے خیال سے کرنل مونگیا کی یہاں موجودگی کا بھی اس کے ساتھیوں کو علم نہیں ہو گا۔ وہ اصل میں کارنامہ دکھانے کے چکر میں مارا گیا...... گاڑی میں ریڈیو وائرلیس نہیں ہے...... جس کا مطلب یہ ہے کہ گاڑی اس نے اپنی شناخت اور یہاں موجودگی چھپانے کے لئے پرائیویٹ استعمال کی ہے......"

کامنی نے کہا۔

"اگر صورتحال الٹ رہی ہو......"

طاہر نے عندیہ ظاہر کیا کیونکہ دونوں کی تربیت یہی تھی کہ تصویر کے دوسرے رخ کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔

"پھر بھی فکر کی بات نہیں...... جب تک مونگیا کی لاش کی شناخت نہ ہو جائے۔ پولیس کے پاس کار کا نمبر نہیں جائے گا...... بہر حال صبح تک ہم محفوظ ہیں...... اور اطمینان رکھو طاہر کامنی کی موت کے بعد ہی اب کوئی تم تک پہنچے گا......"

کامنی کے لہجے کی صداقت بتا رہی تھی کہ جو وہ کہہ رہی ہے وہ کر گزرے گی۔

"ٹھیک ہے...... اب کیا ارادے ہیں......"

طاہر نے اس کا موڈ بدلنا چاہا حالانکہ ان گولیوں نے کچھ زیادہ اثر نہیں دکھایا تھا۔

"اب مجھ پر سب کچھ چھوڑ دو...... اور کم از کم ایک گھنٹہ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرو...... بس صرف ایک گھنٹہ طاہر...... مجھے کوئی خطرہ مول لیے بغیر تمہارے لیے فسٹ ایڈ حاصل کرنی ہے...... میں ان حرام خوروں سے نمٹنا جانتی ہوں...... تم سونے کی کوشش کرو...... گو کہ یہ ممکن نہیں...... لیکن کوشش کرو......"

اس نے طاہر کی سیٹ کا لیور کھینچ کر اسے زیادہ آرام دہ کر دیا تھا اور خود چوکنی ہو کر

سامنے سڑک پر نظریں جمائے انتہائی رفتار سے گاڑی چلا رہی تھی۔

O O O

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ کن انکھیوں سے طاہر کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی جس نے اپنے زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کے سہارے سے اس طرح اوپر اٹھایا ہوا تھا کہ خون بہنے کے امکانات کم سے کم ہو جائیں۔

اس نے بے پناہ قوت برداشت کا مظاہرہ کیا تھا اور کسی نہ کسی طرح صبر کیے بیٹھا تھا لیکن کامنی کو اس اندھیرے راستے پر جہاں کبھی کبھی صرف سڑک کے دو رویہ لگے درختوں کے جھنڈ سے چاند کی روشنی چھن کر آتی تھی اس کا چہرہ ذرا واضح دکھائی دیتا تو وہ چہرے پر آنے والی معمولی سی زردی سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ طاہر پر اس وقت کیا گزر رہی ہے......

طاہر کی حالت دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔

یہ شخص اس کے لئے دیوتا بن گیا تھا...... کس طرح آگے بڑھ کر اس نے کرنل مونگیا کی کامنی کی طرف بڑھتی گولی کو اپنے جسم پر روکا تھا۔

"بے فکر رہو طاہر...... میں بھی تمہیں خود سے پہلے مرنے نہیں دوں گی......"

اس نے دل ہی دل میں اپنے عزم کو دہرایا۔

سڑک کے دو رویہ کرشنا چور (گل مہر) ڈھاک، سنبل اور املتاس کے پیڑ جھکے ہوئے تھے جن کی وجہ سے سڑک ڈھکی اور رنگ برنگ پھولوں میں چھپی دکھائی دے رہی تھی کیونکہ سردیوں کی وجہ سے املتاس کے درختوں نے بسنتی پھولوں کے سہرے اپنے ماتھے پر نہیں سجائے تھے لیکن ابھی تک یہاں کرشنا چور سرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

اسے اپنی نانی یاد آ گئی تھی جس نے سارے گھر کو املتاس کے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔

جب کبھی کامنی اگر وال گھر جاتی اور اپنی موسی سے وہاں کوئی اور درخت یا پھولوں کے پودے لگانے کی ضد کرتی تو وہ سختی سے اسے روک دیتی۔

"تجھے دھرم کرم سے کیا لینا...... بیٹی جہاں املتاس ہوں وہاں دھن برستا ہے۔ لکشمی ماں کی چھتر چھایا ہو جاتی ہے وہاں......"

اس کی موسی کہتی اور اسے خاموش ہونا پڑتا کیونکہ اپنی موسی سے وہ بحث نہیں کر سکتی تھی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

جس نے اسے اپنی گود میں اٹھا کر بچپن کی دہلیز پار کروائی تھی۔

ان کے پرانے گھر کی دیواروں کے ساتھ ساتھ املتاس کے درختوں پر جب بہار آتی اور وہ سنہرے ہاروں سے لد جاتے تو ایک ماورائی سا اجالا پھیل جاتا تھا۔

اسے ہنسی آتی تھی جب وہ اپنی ماں اور موسی کو صبح صبح پیتل کی تھالی میں رنگا کلی کے پھول سجائے دودھ اور سندور کی تھال لئے اپنے گھر کے سامنے گلی کی نکڑ میں پیپل کے پرانے درخت کے سامنے جاتے دیکھتی جہاں وہ صبح صبح پوجا کیا کرتی تھی۔

نجانے کیوں یہاں کے درخت دیکھ کر اسے اپنی موسی یاد آ گئی۔

اچانک ہی بے اختیار جیسے طاہر کے منہ سے "سی" کی آواز نکلی اور کامنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

کیا ہوا.........؟

اس نے تڑپ کر پوچھا۔ سٹیرنگ پر اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے کپکپا گیا تھا۔

"کچھ نہیں مطمئن رہو۔"

طاہر نے کہا۔

لیکن...... وہ مطمئن کہاں رہ سکتی تھی۔

طاہر نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ لی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر بھی "سی" کی آواز کیوں نکلی ہے۔

کامنی نے اچانک ہی گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تھی ہاتھ بڑھا کر اس نے پچھلی سیٹ پر دھرا اپنا بیگ کھولا اس میں اپنی گرم چادر اور "پیتامبر" (پیلا کپڑا جس پر اشلوک وغیرہ لکھے ہوتے ہیں) نکال لیا۔

"پیتامبر" اس نے طاہر کے گلے میں ڈال دیا تھا اور اس کے سر سے بندھی بندھائی پگڑی اتار کر اس کی سیٹ کے نیچے رکھی تھی کہ دوبارہ آسانی سے وہ اسے سر پر رکھ سکے۔ گرم چادر اس نے طاہر کے جسم پر ڈال دی تھی......

"طاہر لیٹ جاؤ...... آنکھیں بند کرلو...... بس آدھا گھنٹہ اور...... صرف آدھا گھنٹہ"

اس نے اپنی گھڑی کی سوئیوں پر نظریں ڈالتے ہوئے اس کی سیٹ کا لیور آخر تک دبا کر

قریباً ساری ٹانگیں پھیلانے کی جگہ بنا دی تھی......

طاہر نے اس کی طرف دیکھا۔ زخمی مسکراہٹ اچھالی اور نہ چاہتے ہوئے بھی محض اس کا دل رکھنے کے لئے ٹانگیں پھیلا دیں۔

"آل رائیٹ میڈم۔"

طاہر نے کہا اور کامنی کی آنکھیں چھلک گئیں۔

بے اختیار ہو کر اس نے روتے ہوئے اپنا سر طاہر کے شانے پر رکھ دیا۔

"کامنی اگر تم حوصلہ ہار گئیں تو پھر دونوں مارے جائیں گے۔"

وقت کی نزاکت کا احساس طاہر نے اسے دلا کر دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

کامنی دوسرے ہی لمحے سنبھل چکی تھی۔

"آئی ایم سوری...... آئی ایم سوری۔"

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھیں اپنی قمیص کی آستین سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے ایکسلیٹر دبا دیا۔ گاڑی ایک مرتبہ پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

○ ○ ○

سولان اس کی منزل تھی...........

ہماچل پردیش کا یہ سرحدی قصبہ اس کے لئے کبھی اجنبی نہیں رہا تھا یہاں اس کے بچپن کی دوست ڈاکٹر شیلا اپنے خاوند کے ساتھ پریکٹس کرتی تھی۔

شیلا اس کی واحد رازدار سہیلی تھی جسے علم تھا کہ کامنی اگروال کی کیا نوکری ہے اور اسے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

شیلا جہاں بھی ہوتی دو تین ماہ بعد کامنی اس سے ملنے وہاں ضرور پہنچ جایا کرتی تھی۔

حیرت کی بات تھی کہ اس نے شیلا کو یاد رکھا تھا ورنہ تو اپنے ماضی کے حوالے سے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ شیلا کو بھی کامنی سے بہت محبت تھی...... اتنی محبت کہ اس نے ڈاکٹر جیکب سے شادی کی اطلاع صرف اسے دی تھی......

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

برا ہمن گھرانے کی ڈاکٹر شیلا کو ڈاکٹر آرتھر جیکب سے ایک سرکاری ہسپتال میں ہاؤس جاب کرتے ہوئے محبت ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے نزدیک آتے گئے۔ اتنے نزدیک کہ ان کے بیچ موجود دھرم اور سماج کی دیواریں ایک ایک کرکے گرتی چلی گئیں......

اس روز جب وہ چھٹی پر گھر آئی تو شیلا بھی گھر آئی ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق گھر میں داخل ہونے پر اس نے سب سے پہلے ڈاکٹر شیلا سے متعلق دریافت کیا۔

"ہرے رام...... ہرے رام۔"

شیلا کا نام سنتے ہی اس کی ماں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کلجگ...... گھور کلجگ۔"

اس کی موسی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

اس نے دونوں کو حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا اس کلموئی کا نام نہ لینا...... اس نے تو خاندان کی لٹیا ڈبو دی۔"

اس کی موسی نے حسب عادت سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اوہو موسی کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو...... کچھ منہ سے بولو گی یا یونہی الٹے سیدھے اشلوک الاپتی رہو گی۔"

کامنی نے چڑ کر پوچھا۔

"اری بٹی...... کیا پوچھتی ہے۔ سنا ہے کسی عیسائی ڈاکٹر سے اس کے تعلقات قائم ہو گئے ہیں اور اب وہاں شادی کا تقاضہ کر رہی ہے۔"

اس کی موسی نے کہا۔

"بس...... اس میں کیا قیامت آ گئی...... کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ شادی اس نے کرنی ہے اور مصیبت آپ نے مول لے رکھی ہے۔"

کامنی نے اپنی موسی سے کہا۔

"دیکھ لے شکنتلا دیکھ لے...... دیکھ لے اپنی لاڈلی کے کرتوت۔ پولیس کی نوکری کیا کر لی...... زبان بھی گز بھر لمبی ہو گئی ہے۔"

اس کی ماں نے موسی کو طعنہ دیا کیونکہ کامنی کا اپنی ماں سے کم اور اپنی موسی سے زیادہ تعلق تھا۔

"ارے گھبرا نہیں...... ٹھیک ہو جائے گی۔ میں سوی واچن کر رہی ہوں اس کے لئے...... ہنومان چالیسہ پڑھ رہی ہوں۔"

موسی نے اس کی ماں کو تسلی دی۔

کامنی اس دوران شیلا کے گھر کی طرف جا چکی تھی جہاں ایک الگ طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیلا کی ماں پھٹ پڑی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا...... ابھی تک اس کا باپ مندر کا پروہت ہے اور یہ چلی ہے ایک عیسائی سے شادی کرنے......"

"اوہو...... موسی اس میں کیا برائی ہے۔"

کامنی نے اس کی ماں کو سمجھانا چاہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے...... تو بھی اس کا ساتھ دے رہی ہے...... گویا تم دونوں ہماری بربادی پر تل گئی ہو......"

ڈاکٹر شیلا کی ماں رو پڑی۔

ڈاکٹر شیلا کا باپ کرشنا مندر کا پجاری تھا۔ ان کا گھرانہ بھی خالص پنڈت گھرانہ تھا۔ اور ان کے ہاں ایسی کسی بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا جو شیلا کرنے جا رہی تھی......

"ارے ماں میں نے کہا ناں کہ وہ ہندو دھرم کے مطابق شادی کرنے کے لئے تیار ہے...... اور کیا چاہیے تمہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے اپنی ماں کو تسلی دینی چاہی۔

لیکن...... اس کی ماں نہیں مانی۔

ایک براہمن لڑکی جس کا باپ مندر کا پروہت ہو ایسی کوئی حرکت کرے تو ان کے لئے اس معاشرے میں زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔

بہت دنگا فساد ہوا۔ شیلا کے بھائی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن خوش قسمتی سے کامنی کی موجودگی نے اسے بچا لیا۔ ڈاکٹر شیلا کو بادل نخواستہ گھر والوں سے الگ ہو کر ڈاکٹر جیکب سے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

شادی کرنی پڑی۔ اس نے شملہ میں کورٹ میرج کر لی تھی۔ جس کی اطلاع صرف کامنی کو تھی جو اس وقت دونوں کے ساتھ کورٹ میں موجود تھی......

ڈاکٹر شیلا کی درخواست پر اس نے ابھی تک اس کا ایڈریس کسی کو نہیں دیا تھا اور اس کے والدین کو بھی بتایا تھا کہ وہ گذشتہ چھ ماہ سے اس سے نہیں ملی......

کامنی کو یقین تھا کہ وہ اپنی کیبل کے پاس محفوظ رہے گی۔

اس نے طاہر کو ڈاکٹر شیلا کا تعارف کروا دیا تھا اور اسے ایک Cover Story بھی سمجھا دی تھی۔

''او۔ کے''

طاہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

سڑک قدرے ویران تھی۔ یہاں اکا دکا کاریں یا ٹرک ہی انہیں راستے میں ملے تھے۔

اچانک ہی بادل زور سے گڑگڑایا اور بارش شروع ہوگئی۔

یہاں موسم ایسا ہی ہوتا تھا......

سولان ابھی بیس بائیس کلومیٹر دور تھا اچانک ہی طاہر ہڑبڑا کر سیدھا ہو گیا۔ کیونکہ سڑک کے عین درمیان انہیں سرخ لائیٹ جلتے دکھائی دے رہی تھی۔

یہ پولیس ناکہ تھا......

''پولیس۔''

اس نے پریشان نظروں سے کامنی کی طرف دیکھا۔

''ہاں میرے خیال سے پولیس ہی ہے...... تم چپ چاپ اسی پوزیشن میں واپس چلے جاؤ۔ ہم گاڑی واپس نہیں موڑ سکتے...... میرے خیال سے یہ ان کا معمول کا ناکہ ہے۔ یہاں سڑکوں پر ڈاکہ زنی ہوتی رہتی ہے...... کوئی خصوصی چیکنگ نہیں...... یہ رکھ لو۔''

کہتے ہوئے کامنی نے ڈیش بورڈ میں دھرا پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ جو طاہر نے اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ کر اسے بالکل فائرنگ پوزیشن میں کرتے ہوئے اپنے اوپر چادر ڈال لی اور لیٹ گیا......!

کامنی نے بڑے اعتماد سے گاڑی روکی تھی۔

ہاتھ میں ٹارچ پکڑے ایک پولیس والا جس نے برساتی اوڑھ رکھی تھی اس کے نزدیک آ گیا۔ کامنی نے اپنی سائیڈ کا شیشہ تھوڑا نیچا کر لیا تھا۔

''اپنے انچارج کو بلاؤ۔''

اس نے پولیس والے کو کوئی سوال کرنے سے پہلے انگریزی میں درشت لہجے میں حکم دیا اور اس نے یوں اثبات میں گردن ہلائی جیسے وہ کامنی کا ملازم ہو۔

خدا جانے اس نے نزدیکی جیپ میں بیٹھے پولیس انسپکٹر سے کیا کہا جو قریباً بھاگتا ہوا کامنی کی کار تک آیا تھا۔

''آئی ایم گریوال......''

کامنی نے اپنا سکیورٹی کارڈ اور انٹیلی جنس کا خصوصی نشان اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''سوری میڈم...... سور...... اصل میں ہم......''

انسپکٹر کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''اٹ از او۔ کے...... کوئی بات نہیں...... ڈیوٹی آفٹر آل ڈیوٹی ہے۔''

کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''یس میڈم۔''

انسپکٹر نے اپنی ایڑیاں جوڑتے ہوئے کہا۔

''ہمیں ''پنچ وریاس'' جانا ہے...... ابھی اور کتنی دیر کا سفر باقی ہے۔''

کامنی نے جان بوجھ کر سولان کے متضاد سمت کے ایک قصبے کا نام لیا تھا۔

''میڈم ابھی دو گھنٹے اور لگیں گے...... ڈونٹ وری...... سڑک بالکل ٹھیک ہے...... آپ سولان بائی پاس سے نکل جائیں...... نئی سڑک بنی ہے...... شہر میں داخل ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔''

اس نے مستعدی دکھائی۔

''او۔ کے تھینک یو...... مسٹر راج۔''

کامنی نے اس کے سینے پر لگی نیم پلیٹ پر نظر ڈال کر کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اور..........انسپکٹر راج کی گردن پھول گئی۔

اس نے کامنی کو باقاعدہ ایڑیاں بجا کر سلیوٹ مارا۔ انسپکٹر کے عقب میں موجود اس کے چار جوانوں نے اس کی تقلید کی تھی...... طاہر منہ پر "پیتامبر" لیے بظاہر گہری نیند سویا رہا۔

○ ○ ○

اگلے پندرہ منٹ میں جب رات کے گہرے اندھیرے نے سولان کو اپنی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔ کامنی کی گاڑی شہر کے ایک کونے میں موجود ماڈرن آبادی سے ذرا ہٹ کر بنے ہسپتال کے سامنے رکی گئی۔

یہ ڈاکٹر شیلا اور جیکب کا پرائیویٹ کلینک تھا۔

گھنٹی بجانے پر دروازہ شیلا نے خود ہی کھولا تھا۔

بارش میں بھیگتی کامنی کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیلا بے اختیار آگے بڑھی اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"پہلے گیٹ کھول باقی باتیں پھر ہوں گی۔"

اس نے کہا اور بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گاڑی اس نے اندر پارک کی تھی اور برآمدے کے نزدیک طاہر کو اتارنے کے بعد اندر کمرے تک لائی تھی..........

"شیلا ڈیئر فوراً ان کی سرجری کا بندوبست کرو...... ایمرجنسی ہے۔ میں گاڑی دوسری طرف لگا دوں۔"

اس نے طاہر کو بٹھاتے ہوئے کہا اور حیران و پریشان ڈاکٹر شیلا کو چھوڑ کر گاڑی کو کلینک کی دوسری طرف موجود اس کے گیراج تک لے آئی۔ گیراج میں اس کی پہلے سے موجود گاڑی کے ساتھ اپنی گاڑی پارک کر کے اس نے سامان باہر نکالا اور گیراج کا دروازہ بند کر کے تقریباً بھاگتی ہوئی کلینک میں آ گئی۔

خدا کا شکر تھا کہ وہاں کوئی مریض بھی نہیں تھا۔

شیلا کو اس کی نوکری اور دھندے کا بخوبی علم تھا اور وہ کچھ اندازہ اسے ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے؟ اس نے طاہر کے ہاتھ کے زخم کو دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ گولی لگی ہے۔ لیکن

ابھی تک کچھ پوچھے بغیر اپنے کام میں جت گئی تھی......

جب کامنی اندر آئی تو وہ طاہر کا زخم دھو رہی تھی۔

"کیا ہوا تھا؟"

اپنے کام میں مصروف ڈاکٹر شیلا نے پوچھا۔

"گولی لگی ہے یار.......... تجھے اپنے سالے دھندے کا علم تو ہے ناں...... بس یہ سمجھ لے تجھ سے ملاقات کا بہانہ بن گیا...... آدھے گھنٹے سے ٹکریں مار رہی ہوں...... پرکاش کو بتا دیا تھا کہ تمہارے متعلق سوچا چلو اس طرح ملاقات کا بہانہ ہی بن جائے گا۔"

اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"بے وقوف آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرنا...... آدھا گھنٹہ پہلے ان کے ہاتھ پر گولی لگی ہے اور تم اب یہاں آئی ہو...... کامنی ابھی تک تمہاری عادتیں نہیں بدلیں...... تم کب سیریس ہو گی۔"

اس نے غور سے طاہر کا زخم دیکھنے کے بعد اپنا کام شروع کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل اس میں کامنی کا قصور نہیں.......... میری غلطی ہے...... کچھ معاملہ ایسا ہے کہ ہم دونوں اپنی شناخت نہیں بتا سکتے تھے...... یہ سیکرٹ آپریشن تھا۔ اچانک ہی Encounter ہوا اور مجھے گولی لگ گئی...... کامنی آپ کا ذکر کرتی رہتی ہے میرے ساتھ۔ میں نے ہی اسے مجبور کیا...... دراصل اس نے اتنی تعریف کر دی تھی آپ کی کہ میرا اشتیاق بہت بڑھ گیا تھا...... اور اس نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔"

طاہر نے گفتگو کا رخ بدلنے کے لئے ڈاکٹر شیلا سے کہا اور وہ اس کا آخری فقرہ سن کر بے اختیار مسکرا دی۔

"اس سالی کی یہی باتیں تو مجھے مار ڈالتی ہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے ایک ہاتھ سے کامنی کی کمر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مسٹر...... زخم گہرا ہے...... اگر تین چار دن آرام نہ کیا یا ذرا سی بھی لاپرواہی کی تو ساری زندگی کے لئے میری دوست کی جان کو روتے رہو گے۔ میڈیسن سختی سے لینا...... تمہارا بہت خون نکل گیا ہے...... چاہیے تو یہ تھا کہ تمہیں کم از کم ایک خون کی بوتل لگائی جائے لیکن نوجوان

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو سنبھل جاؤ گے...... بس احتیاط کرنا...... اور تم بھی......"

اس نے کامنی کو پھر محبت بھری گالی دیتے ہوئے کہا۔

"جیجاجی کہاں گئے۔"

کامنی نے ڈاکٹر جیکب کے متعلق پوچھا۔

"آج ہی گئے ہیں شملہ...... وہاں کانفرنس ہے ناں...... تین چار دن لگیں گے...... اگر تمہارا پتہ ہوتا تو شاید کانفرنس پر ہی نہ جاتا...... کامنی ہمارا ہے کون تمہارے سوا...... ایک تم ہی تو رہ گئی ہو......"

یہ بات کہتے ہوئے ڈاکٹر شیلا کا دل بھر آیا تھا اور آواز بھی بدل رہی تھی۔ طاہر اس کے دکھ کو محسوس کر سکتا تھا۔

"بس...... بس...... اب وحیدہ رحمٰن (انڈین ملکہ جذبات) بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں ابھی چلی جاتی ہوں...... تیرے پاس اپنے غم بھلانے آئی ہوں اور تو...... کتنی مرتبہ تجھے کہوں نہ کہا کر ایسے...... میں کیا مر گئی ہوں...... میں اکیلی کیا کم ہوں تیرے لئے...... ارے سالی! میرے ہوتے ہوئے اگر کسی اور کی گنجائش نکالی تو دیکھ لینا...... یہ تو میری مہربانی سمجھ کہ جیکب کو کچھ نہیں کہا...... اس کے آگے نہ کہنا کچھ۔"

اس نے کہا۔

اور...... آنسو بھری آنکھوں سے ڈاکٹر شیلا اس سے لپٹ گئی۔ اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا۔

طاہر کو اس منظر نے خاصا جذباتی کر دیا تھا۔

اس نے سوچا اگر اس ڈاکٹرنی کو علم ہو جائے کہ اس کی واحد سہیلی بھی اب کبھی اس سے نہیں ملنے آسکے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کو تسلیاں دے کر نارمل کیا۔

طاہر نے اپنے کپڑے بدل لیے تھے۔

ڈاکٹر شیلا نے سے دو انجکشن لگانے کے بعد گلوکوز لگا کر بستر پر لٹا دیا تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی...... اور یہ اس کی کامنی کے لئے محبت کی انتہا تھی کہ اس نے بغیر کچھ

جانے بوجھے طاہر کو اپنے بیڈ پر لٹا کر ڈرپ لگائی تھی۔

کمرے میں ہیٹر چل رہے تھے اور طاہر پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی...... اسے اب بہت سکون محسوس ہو رہا تھا۔

"ابھی انہیں سونے نہ دینا...... کچھ کھانا ضروری ہے...... میں کچھ بنا کر لاتی ہوں۔"

شیلا نے کامنی سے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

○ ○ ○

"آئی ایم سوری طاہر...... تمہیں فسٹ ایڈ میں دیر ہو گئی لیکن مجبوری تھی۔ راستے میں ایک دو سرکاری ہسپتال تھے...... لیکن میں خطرہ نہیں مول لینا چاہتی تھی...... میں جانتی ہوں طاہر کہ کرنل سونگیا کے اوپر بھی ہمارا ایک "چیک سسٹم" ہے ڈیرہ دون کی فوجی اہمیت کی وجہ سے یہاں ایجنسیاں آپریٹ کرتی ہیں...... لیکن "را" کو ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں...... یوں بھی "را" کا "سی آئی" کاؤنٹر انٹیلی جنس سسٹم بہت مضبوط ہے۔ انہیں جیسے ہی میرے فرار کی خبر ملی ہو گی تو جتنے قابل ذکر مقامات ہیں ان کی ہر حساس جگہ پر "را" نے نظریں گاڑی ہوں گی...... طاہر تمہیں بہت تکلیف ہوئی لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ایسی تکلیف خاطر میں لانے والے نہیں ہو...... ہم اب قدرے محفوظ ہیں گو کہ یہ دوسرا صوبہ ہے لیکن کرنل سونگیا اگر پونا صاحب پر نظر رکھ سکتا ہے تو وہ لوگ بھی سو لان کے متعلق سوچ سکتے ہیں......"

بات کرتے کرتے رک کر اس نے طاہر کے چہرے کی طرف دیکھا نقاہت اور کمزوری سے اس کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا۔

"او مائی گاڈ۔"

کہتی ہوئی وہ اس پر جھک کر طاہر کے سر اور ماتھے پر ہاتھ پھیرنے لگی جہاں پسینہ کی ننھی ننھی بوندیں اس قہر کی سردی میں بھی چمک رہی تھیں۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں۔"

اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"ہاں...... اب بالکل ٹھیک ہوں۔ کامنی تم گھبراؤ نہیں...... میں اتنی جلدی چھٹی کرنے والا نہیں ہوں۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس نے مسکراتے ہوئے کامنی سے کہا۔

طاہر کی زخمی مسکراہٹ کامنی کی جان لے گئی۔

''طاہر اب ہم جہاں پہنچ چکے ہیں' اس ملک میں میرے لئے سب سے محفوظ قلعہ یہی ہے۔ شیلا میری جگری دوست ہے اور اس کے موجودہ ٹھکانے کا سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے مختصر الفاظ میں شیلا کی کہانی بھی سنا دی....

اچانک ہی دروازہ کھلا اور شیلا ٹرے اٹھائے اندر چلی آئی۔

''بہت کمزوری ہو رہی ہے۔''

کامنی نے شیلا کو طاہر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی اتنا خون بہہ گیا کیا خون بہنے سے طاقت آئے گی..... اب مجھے تمہارے دھندے کا علم تو ہے ہی..... ورنہ اصولی طور پر ڈاکٹر ایسے مریض کا علاج کیوں کرے جس کا جان بوجھ کر خون بہایا گیا ہو..... اچھا یہ پکڑ۔''

اس نے کامنی کی طرف سوپ کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ شاید وہ طاہر کی حالت کے پیش نظر سوپ بنا کر لائی تھی۔

''بھائی صاحب آپ برا مت مانیے گا۔ میں اسے بہت کچھ سنا چکی ہوں۔ اب اس کم بخت کے سوا میرا اور ہے ہی کون؟''

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

کامنی نے طاہر کو سہارا دے کر پلنگ پر بٹھایا اور اسے سوپ پلانا چاہا۔ لیکن طاہر نے اس سے سوپ لے کر خود ہی پینا شروع کر دیا۔

سوپ پیتے ہوئے اسے قدرے راحت محسوس ہو رہی تھی۔

کامنی نے خالی برتن ایک طرف رکھ دیے۔ طاہر کے بار بار کہنے کے باوجود اس نے خود کچھ نہیں لیا تھا لیکن طاہر کی اس دھمکی کے بعد کہ پھر وہ بھی کچھ نہیں کھائے گا اس نے سوپ پینا شروع کر دیا تھا۔

شیلا نے طاہر کو درد ختم کرنے کی گولیوں کے ساتھ ایک خواب آور دوا بھی دے دی تھی اور اب اس کا بلڈ پریشر اور ٹمپریچر چیک کر رہی تھی۔

''ونڈرفل......''

اس نے بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے طاہر کو دوا دی پھر کامنی سے مخاطب ہوئی۔

''کچھ ٹمپریچر ہے۔ صبح تک کنٹرول ہو گا۔ میں نے سونے کی دوا دے دی ہے۔ نیند آ جائے تو انہیں جگانا نہیں...... اور ڈراپ بھی ابھی کل تک چلے گی۔''

''او۔کے۔''

کامنی نے سر ہلایا۔

تو کچھ کھا لے...... میں ذرا ان کی ''سلائیڈز'' دیکھ لوں۔

شیلا جس نے طاہر کا کچھ خون نمونے کے لئے حاصل کیا تھا۔ اپنی دوست کی خاطر خود ہی لیبارٹری میں اس کا خون ٹسٹ کرنے جا رہی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ طاہر کو کوئی انفیکشن نہ ہو گیا ہو۔

پندرہ بیس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

اس دوران طاہر کو نیند آ گئی تھی۔

شیلا کامنی کو اشارے سے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

''کیسا رہا؟''

کامنی نے چھٹتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

''بڑی ہمت والا ہے۔ سالی تو چھوٹا ہاتھ مارنے والی کہاں ہے۔ کمال ہے بھئی۔ تمام رپورٹس بالکل کلیئر ہیں۔ اب کوئی گھبرانے والی بات نہیں۔ زخم تو دو روز ہی میں ٹھیک ہو جائے گا۔ البتہ اسے بھرنے میں چھ سات دن لگیں گے......''

شیلا نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور کامنی بے اختیار مسکرا دی...... مسکراتے ہوئے اچانک ہی اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ شاید اس کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں تھا!

یہ احساس تشکر تھا جو اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔

شیلا اس کے دلی جذبات سمجھ رہی تھی اس نے بے اختیار کامنی کو گلے لگا لیا۔ حیرت انگیز طور پر کامنی نے نارمل ہونے میں پانچ منٹ لگا دیے تھے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

شیلا کے لیے یہ اچنبھے کی بات تھی۔ اس کی کیلی تو بالکل مرد تھی۔ اور خصوصاً اس نوکری نے اس سے عورتوں والی تمام صلاحیتیں چھین لی تھیں۔

○ ○ ○

"شیلا...... اس کا نام پرکاش نہیں۔"

اس نے نارمل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے کامنی...... یہ ہندو نوجوان نہیں۔"

ڈاکٹر شیلا کے جواب نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کامنی ڈیئر...... میں آخر کو ایک ڈاکٹر ہوں اور یوں بھی مجھے علم ہے کہ اتنی قوت برداشت ہم لوگوں میں نہیں ہوتی۔"

شیلا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو شیلا......"

یہ کہہ کر اس نے شیلا کو ساری کہانی سنا دی۔

لیکن........... بالکل سچی نہیں، کچھ واقعات بدل کر۔

اس نے طاہر کا تعارف انسپکٹر خان کی حیثیت سے کروایا تھا اور بتایا کہ دونوں کے درمیان گہرے تعلقات قائم ہو چکے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتے جبکہ اس کے اعلیٰ افسران اور سماج کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے اس لیے وہ جان بچا کر بھاگ آئے ہیں۔ طاہر پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس نے انہیں بھاگنے پر مجبور کیا ہے۔

"ہوں ں ں...... تو یہ بات ہے۔ سالی بڑی باتیں کرتی تھی۔ اب بتا تو بھی پھنسی ہے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ نہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے محبت سے اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"شیلا......تم ٹھیک کہتی ہو......میں نے زندگی میں کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ بس تو یہ سمجھ لے جس پیشہ سے میرا تعلق تھا اس نے میرے اندر موجود رہی سہی انسانیت کو بھی ختم کر دیا ہے......لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ اس طرح اتنی بے اختیار ہو جاؤں گی......شیلا! شاید میں کبھی اتنی ہمت نہ کر پاتی۔ میرے سامنے تیری مثال نہ ہوتی۔"

اس نے آخری بات کہہ کر ڈاکٹر شیلا پر زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا جس نے شیلا کو چاروں شانے چت کر دیا۔ اس نے ایک لیکچر محبت کے حق میں ہندو سماج کے خلاف دیا اور اسے جذبہ تحسین پیش کرنے کے بعد صبح تک آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی......

یوں تو کامنی پہلے ہی مطمئن تھی۔

لیکن......شیلا کے رویے نے اس میں زیادہ اعتماد پیدا کر دیا اسے امید تھی کہ اب وہ اس نرک (جہنم) سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

طاہر گہری نیند سو رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر شیلا کی دوا کا اثر تھا۔ کامنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی دانست میں اس کی نبض چیک کی اور مطمئن ہو کر سر ہلاتی اس کے بستر کے نزدیک ہی ایک آرام دہ کرسی پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ رہی......اس نے اپنے پاؤں طاہر کے پلنگ پر رکھے ہوئے تھے۔

کامنی سونا چاہتی تھی......لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ طاہر کو ابھی تک بخار تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اسے اونگھ سی آئی اور وہ کرسی پر ہولے سے سو گئی......

طاہر کی آنکھ معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز کے وقت کھلی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سرہانے لٹکی گلوکوز کی بوتل خالی تھی......کامنی نے اس سے ڈرپ الگ کر دی تھی لیکن اس کے بازو میں سرنج لگی ہوئی تھی۔

طاہر کو کامنی کی حالت کا اندازہ تھا وہ جانتا تھا کامنی صرف جسمانی ہی نہیں روحانی کرب کا بھی شکار ہے۔ خصوصاً اسے گولی لگنے کے بعد سے وہ لاشعوری طور پر خود کو اس کا ذمہ دار سمجھ کر نا کردہ احساس گناہ کا شکار ہے۔

اسے اس حالت میں لیٹے دیکھ کر طاہر کا دل بھر آیا۔

کرسی میں ٹیڑھی میڑھی سو رہی کامنی کی گردن ایک طرف کرسی کی پشت سے لگی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر اس لمحے ایک زمانے کی معصومیت سمٹ آئی تھی۔ طاہر حیران ہو رہا تھا کہ یہی "را" کی انسٹرکٹر کامنی اگروال ہے؟ اس کے سامنے ایک معصوم اور مظلوم بچی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پھر کسی نادیدہ ہستی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی کہ یہی کامنی کا اصلی روپ ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ بھی تھا وہ اصلیت نہیں تھی وہ تو ایک خول تھا جو حالات اور سماج نے اس کے چہرے پر زبردستی چڑھا رکھا تھا۔ جیسے ہی اسے موقعہ ملا اس نے نقاب نوچ کر پھینک دیا۔

طاہر نے کروٹ بدل کر اندازہ کیا کہ اس کی توانائیاں واپس لوٹ آئی ہیں۔ اپنی دانست میں وہ آواز پیدا کئے بغیر اٹھ کر بیٹھا۔

لیکن......ابھی اس نے مسہری پر بیٹھتے ہوئے بمشکل زمین پر پاؤں رکھے ہی تھے جب اچانک کامنی کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا ہوا......تم ٹھیک تو ہو ناں......"

اس نے بے چینی سے دریافت کیا اور بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا......

"کامنی میں بالکل ٹھیک ہوں......لیکن تم کیوں خود کو بیمار کرنے پر تلی ہو۔ چلو اٹھو شاباش کچھ دیر کے لئے سو جاؤ۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

طاہر میں بالکل آرام سے ہوں۔

کامنی نے اس کی تشویش جان کر کہا۔

لیکن......اس مرتبہ طاہر نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا اور اسے بادل نخواستہ ساتھ والے پلنگ پر لیٹنا پڑا۔

طاہر اب باتھ روم کا رخ کر چکا تھا۔ پانچ دس منٹ بعد وہ باہر آیا تو اس کا چہرہ دھلا ہوا تھا۔ شاید اس نے وضو کیا تھا......کامنی کی آنکھوں میں نیند کہاں وہ بظاہر آنکھیں بند کئے لیٹی رہی تھی لیکن کن انکھیوں سے طاہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس نے کمرہ میں کھڑے ہو کر میز پر رکھی اپنی گھڑی سے سمت کا اندازہ کرنے کے بعد کرسی پر دھرا کامنی کا دوپٹہ اٹھایا۔ اسے ایک ہاتھ سے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

زمین پر بچھانے کے بعد اسے مصلے کی شکل دے کر نماز پڑھنے لگا۔

کامنی بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی...... نماز پڑھتے ہوئے طاہر کے چہرے پر سکون کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔

کامنی نے اس سے پہلے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا تھا لیکن ایسا سکون اور طمانیت اسے کم ہی دکھائی پڑی تھی۔ دعا مانگتے ہوئے اس نے طاہر کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے دوپٹہ دوبارہ اپنی جگہ رکھا اور اسی کرسی پر اطمینان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا جس پر تھوڑی دیر پہلے کامنی بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنا زخمی ہاتھ اس نے سینے پر رکھا ہوا تھا تاکہ خون کا بہاؤ اور دباؤ ہاتھ کی طرف زیادہ نہ ہو۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی حالت میں لیٹی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی......

"مجھے نیند نہیں آ رہی......"

اس نے طاہر کے نزدیک کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوشش کرو کامنی...... ہمیں ابھی لمبی جنگ لڑنی ہے۔ خود کو تھکاؤ نہیں۔ تازہ دم رکھو۔ تازہ دم...... تم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ہمارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔"

"طاہر کبھی بھول کر بھی یہ گمان دل میں نہ لانا کہ میری وجہ سے تم پر کوئی مصیبت آئے گی۔ اس سے پہلے میں مرنا پسند کروں گی۔"

اس نے کہا۔

اور...... طاہر سہم کر رہ گیا۔

"او میرے خدایا...... یہ تم کیوں ہر وقت مرنے مارنے کی باتیں کرتی رہتی ہو۔"

اس نے قدرے غیر سنجیدگی سے کہا تاکہ کامنی کا موڈ بدل جائے۔

کامنی اس کے لئے ناشتہ بنانے چلی گئی تھی اس نے ڈاکٹر شیلا کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن کچن میں شیلا اس سے پہلے موجود تھی۔

"شیلا تم اتنی جلدی اٹھ جاتی ہو کیا؟"

اس نے شیلا کو حیرانگی سے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے کون کمبخت اٹھتا ہے اتنی جلدی آج تو یوں بھی "ویک اینڈ" ہے لیکن تیری

خاطر اپنی نیند حرام کرنی پڑے گی ناں......"

اس نے کامنی کی طرف دیکھ کر حسب عادت آنکھ دبائی۔

"اچھا! اچھا! زیادہ قربانی دینے کی ضرورت نہیں۔ تم جا کر اپنے مریض کو چیک کرو۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں......"

اچھا...... تیری مرضی۔ میں تو چاہتی تھی اپنے مریض کی تیمارداری تو ہی کرے۔"

شیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور...... کامنی کا جواب سن کر بیڈروم کی طرف چل دی۔

"ہیلو مسٹر خان...... کیسے ہیں آپ؟"

"اس نے کرسی پر سکون سے بیٹھے طاہر سے کہا۔

"ایک دم شاندار...... آپ کی دوا نے تو کمال کر دیا...... میرے خیال سے کل تک سب اچھا ہو جائے گا۔"

طاہر نے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کامنی اسے بتا گئی تھی کہ اس نے شیلا کو اعتماد میں لے لیا ہے لیکن اس نے شیلا کو اصلی کی بجائے وہ کہانی سنائی تھی جو طاہر نے تیار کی تھی۔

"میری دوا یا آپ کی اس جاسوسہ کی دعا......"

ڈاکٹر شیلا نے سٹیتھسکوپ گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس کا کریڈٹ بھی آپ کو جاتا ہے ڈاکٹر شیلا۔ وہ بھی آپ کی دوست ہے...... ایک ہفتے سے آپ کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی۔ اب تو حادثاتی طور پر آپ کے پاس آ گئے۔ ایسا نہ بھی ہوتا تو اگلے تین چار روز میں ہمیں یہاں آنا ہی تھا...... سوان بڑا خوبصورت ہل سٹیشن ہے میں یہاں پہلے آ چکا ہوں۔"

طاہر نے کمال ہوشیاری سے جھوٹ بول دیا۔

"ایک بات کہوں خان بھائی۔"

اس نے سٹیتھسکوپ ایک طرف رکھ کر اس کی جسمانی حالت سے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"فرمایئے......"

طاہر ہمہ تن گوش تھا۔

"مجھے علم نہیں کہ آپ میں سے پہل کس کی طرف سے ہوئی تھی لیکن کامنی کا دل جیتنا مہابھارت جیتنے سے زیادہ بڑا کارنامہ ہے۔ ہمارا بچپن، لڑکپن اور اب جوانی بھی اکٹھے گزرے ہیں...... میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں...... کامنی جب کوئی فیصلہ کر لے تو اس پر آخری دم تک قائم رہتی ہے...... بس اسے اپنے ایک فیصلے کا پچھتاوا ہوا تھا کہ اس نے "را" کی نوکری کیوں کر لی...... شاید قدرت نے تم دونوں کا ملاپ ہی اس لئے کروایا ہے کہ اب اسے کامنی کی مزید ٹینشن برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ خان بھائی مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں! کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا لیکن کہے دیتی ہوں معلوم نہیں زندگی میں اب کب ہمارا ملاپ ہوگا...... ہوگا بھی کہ نہیں...... سوچتی ہوں نہ کہہ سکی تو ایک خلش سی دل میں رہ جائے گی...... خان بھائی...... شاید تمہیں یقین نہ آئے کہ کامنی اور میں دونوں دھارمک ہندو گھرانوں میں جنم لینے کے باوجود کبھی ہندو نہیں بن پائیں...... شاید شروع ہی سے ہم سچائی کی تلاش کے مشن پر تھے...... میں اپنی بات تو نہیں کہتی لیکن کامنی کے متعلق ضرور کہوں گی کہ مر سکتی ہے کبھی اپنا قول نہیں ہار سکتی...... خان بھائی! ممکن ہے زندگی میں ایسے مواقع آئیں کہ آپ کو کامنی پر غصہ آئے لیکن تب اپنی اس بہن کی خاطر اسے معاف کر دینا......"

ڈاکٹر شیلا نے کہا۔

طاہر اس کے انداز گفتگو اور چہرے کے جذبات سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ ڈاکٹر شیلا کو اپنی دوست سے کتنی محبت ہے اور وہ اس کے لئے کیا کچھ کر گزرے گی۔

"ڈاکٹر شیلا...... میرے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس کے ذریعے ناپ تول کر کے میں اپنی سچائی اور جذبے کی قوت ثابت کر سکوں...... لیکن ایک بات ضرور ہے کہ میں کامنی اور آپ دونوں کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا یہ میرا وعدہ ہے......"

اس نے اپنا دایاں ہاتھ ڈاکٹر شیلا کی طرف بڑھا دیا۔

"وش یو آل دی بیسٹ......" Wish you all the best

ڈاکٹر شیلا نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے دبایا اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا نہ ہی اداکاری کر رہا ہے۔

دروازہ کھلا اور کامنی ناشتے کی ٹرے دھکیلتی اندر آ گئی۔

"کیا چل رہا تھا؟"

"ورغلا رہی تھی خان بھائی کو...... لیکن مشکل ہے بھئی......"

شیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

تینوں نے ناشتہ اکٹھے ہی کیا تھا۔

ڈاکٹر شیلا نے انہیں بتایا تھا کہ تین چار دن تک ڈاکٹر آرک نہیں آ سکتے اور وہ اکیلی اپنے دو تین ماتحتوں کے ساتھ کلینک چلا رہی ہے۔

طاہر نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ پرائیویٹ قسم کا چھوٹا سا ہسپتال تھا جسے دونوں میاں بیوی مل کر چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر ماہر سرجن تھا اور شیلا بہت اچھی فزیشن بھی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ آج یہاں کوئی موجود نہیں ورنہ یہاں عموماً دو تین مریض ضرور زیر علاج رہا کرتے تھے۔ دونوں نے سرکاری نوکری پر اسے ترجیح دی تھی البتہ ڈاکٹر ابھی تک سرکاری ہسپتال سے وابستہ تھے اور اسی سلسلے میں شملہ گئے ہوئے تھے۔

"مجھے اب کلینک میں جانا ہے۔ یہاں گھر کے اس حصے میں کوئی ٹریفک نہیں ہوتی۔ تم جانتی ہو نوکر رکھنا ہم دونوں پسند نہیں کرتے اس لئے اطمینان سے یہاں جب تک رہنا چاہتے ہو رہو...... مجھے کہنا تو نہیں چاہیے لیکن کہے دیتی ہوں کہ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا اس کی ہر شے پر تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا میرا یا آرک کا......"

○ ○ ○

کامنی نے استفسارانہ نظروں سے طاہر کی طرف دیکھا شاید اگلا پروگرام جاننا چاہتی تھی......

"میرے خیال سے ہمیں جلدی نکل جانا چاہیے کہیں ہماری وجہ سے ڈاکٹر شیلا پر......"

"نہیں طاہر......"

کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں۔ کم از کم آج سارا دن اور اگلی رات تمہیں یہیں گزارنا ہوگی۔ یہ تمہارے آئندہ سفر کے لئے ضروری ہے۔ شیلا مجھے زندگی بھر معاف نہیں کرے گی اگر ہم یہاں سے اسے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

بتائے بغیر نکل گئے وہ کل صبح تک تمہارے زخم کی کیفیت جاننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرے گی۔"

"ہوں...... جیسی تمہاری مرضی۔"

طاہر نے سرِ تسلیم خم کیا۔

"تم زیادہ آرام کرنے کی کوشش کرو...... میرے خیال سے ہمیں اب یوپی کی طرف واپس جانے کے بجائے ہماچل پردیش ہی میں کچھ عرصہ چھپنا پڑے گا۔ اس طرف ان لوگوں کا خیال کم ہی جائے گا...... یوں بھی وہ سرحدوں کی طرف جانے والے تقریباً تمام ممکنہ راستے اب تک سیل کر چکے ہوں گے...... اور سب سے اہم بات یہ کہ اب سے تھوڑی دیر بعد تک انہیں کرنل سونگیا کی لاش مل جائے گی جس کے بعد ممکن ہے وہ اس گاڑی کے متعلق جانکاری حاصل کریں جو ہمارے قبضے میں ہے......"

کامنی نے عندیہ ظاہر کیا۔

"ہاں...... یہ سب سے اہم بات ہے۔ گاڑی ٹھکانے لگانا ضروری ہے اور یہ بھی علم نہیں ہونا چاہیے کہ گاڑی ڈاکٹر کے کلینک تک آئی...... میرے خیال سے پولیس والوں کو تو کچھ یاد نہیں رہے گا۔ تم نے اسے غلط منزل بتائی تھی۔"

طاہر نے کہا۔

"ویل...... مجھے سب سے پہلے گاڑی کو ٹھکانے لگانا ہوگا وہ بھی فوراً...... یہاں صبح صبح زیادہ موومنٹ Movement نہیں ہوتی...... فل سیشن ہے اور کل یہاں مشہور "جوالا مکھی" میلا شروع ہو جائے گا۔ قدرت ہمارے حال پر خود ہی مہربانی کر رہی ہے۔"

کامنی نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اپنا خیال رکھنا اگر مناسب سمجھو تو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم مطمئن رہو...... مجھے علم ہے کہ کیا کرنا ہے...... تم آرام سے بیٹھے رہو...... زیادہ مناسب یہی ہے کہ سونے کی کوشش کرو...... طاہر تم اندازہ نہیں کر سکتے شیلا مجھ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ اگر تمہارا بخار نہ اترا تو وہ کبھی ہمیں یہاں سے نہیں جانے دے گی...... کبھی بھی......"

کامنی نے میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"گڈ لک...... خدا حافظ۔"

طاہر کے لئے اس وقت کامنی کی بات ماننے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔ کامنی اس علاقے سے آگاہی رکھتی تھی ذہنی اور جسمانی طور پر بھی فی الوقت وہی زیادہ ایکٹو تھی۔ ڈاکٹر شیلا کا کوٹ پہن کر وہ باہر نکل گئی۔ طاہر دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لئے دعا کرنے لگا۔ اس نے بوریت سے بچنے کے لئے ٹی وی آن کر لیا...... ڈاکٹر شیلا نے کیبل لگائی ہوئی تھی اور طاہر ڈش کے پروگراموں سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

ابھی تک ڈاکٹر شیلا کا کوئی ملازم ڈیوٹی پر نہیں پہنچا تھا۔ کامنی نیچے اس کے کلینک میں آ گئی تھی۔

"کیا ہوا۔"

ڈاکٹر شیلا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"گیٹ کھولو...... میں گاڑی یہاں سے لے جاؤں اور کہیں اور چھوڑ دوں گی......"

کامنی نے اسے بتایا اور شیلا سمجھ گئی وہ کیا چاہتی ہے۔

"چلو......"

اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کامنی نے گیراج کے ایک کونے میں دھرے ڈرم سے ایک پلاسٹک کین میں کچھ پٹرول لے لیا تھا یہاں لوگ مٹی کا تیل اور پٹرول اکثر سٹور رکھتے تھے۔ ڈبہ گاڑی میں رکھ کر اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور باہر آ گئی......

شدید سردی نے باہر کے ماحول کو منجمد کر دیا تھا۔ دھند کی وجہ سے چند گز دور بھی کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کامنی نے اپنے ذہن میں اس سڑک پر گذشتہ سال کے سفر کو دہرایا اور ایک فیصلے پر پہنچ کر گاڑی آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی شہر سے باہر لے آئی۔

○ ○ ○

اس نے جنوب کی سمت سفر شروع کیا تھا یہ ٹیڑھا میڑھا پہاڑی راستہ تھا جس پر درخت کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے شیلا نے جان بوجھ کر یہ راستہ اپنایا تھا۔ اب وہ تقریباً پکی سڑک پر

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔

عام حالات میں شاید ایسے خطرناک راستے پر اس موسم میں کوئی سفر کرنے کا خطرہ مول نہ لیتا لیکن اس کے لئے ناگزیر تھا۔ اب وہ جنگل کے اندر ہی اندر چلتی جا رہی تھی قریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں راستہ گہری کھائی نے مکمل بند کر دیا تھا۔

جنگل میں درختوں سے شبنم کے قطرے مینہ کی طرح زمین پر ٹپک رہے تھے۔ کامنی نے ڈیش بورڈ سے سارے کاغذات نکال لیے تھے اور اب وہ کار کی نمبر پلیٹ کار ہی میں موجود ٹول بکس سے پیچ کس نکال کر کھول رہی تھی جلد ہی اس نے دونوں نمبر پلیٹیں الگ کر لیں۔

سب سے پہلے اس نے گاڑی کے تمام کاغذات ایک ایک کر کے جلا دیے۔ پھر مطمئن ہو کر سر ہلاتی ہوئی گاڑی کے نزدیک آ گئی۔ گاڑی کو خطرناک حد تک اسی کھائی کے نزدیک لے آئی تھی۔

سٹارٹ گاڑی سے وہ نیچے اتر آئی اور اس نے گاڑی میں دھرا پٹرول نکال کر اسے گاڑی کے اگلے حصوں پر اندر سیٹوں پر اچھی طرح چھڑک کر خالی کر لیا......

گاڑی میں صفائی والے کپڑے کو اس نے ایک لکڑی سے باندھ کر آگ دکھائی اور جب وہ باقاعدہ جلنے لگا تو کامنی نے گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر ہاتھ ڈالا اور اسے گیئر میں ڈال دیا جلتی ہوئی لکڑی اس نے کچھ فاصلے پر رکھ دی تھی۔

گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھی اور اسی رفتار سے کامنی نے زقند بھر کر جلتی لکڑی اٹھائی اور کھلے دروازے سے اندر پھینک دی۔ اگلا منظر دیکھنے کے لیے وہ یہاں ایک پل بھی نہیں رکی تھی اور پوری رفتار سے بھاگتی ہوئی دور چلی گئی تھی......

پٹرول نے بارود کا کام کیا۔ بھک کی آواز سے گاڑی جلنے لگی اور جلتی ہوئی آگ کا گولہ سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں جا گرا۔

تھوڑی دیر بعد کامنی دوبارہ وہاں پلٹی تو اسے نیچے سینکڑوں فٹ گہرائی میں جلتی ہوئی گاڑی کا ڈھانچہ دکھائی دیا مطمئن ہو کر اس نے سر ہلایا اور دونوں نمبر پلیٹیں اٹھا کر سڑک کی طرف چل دی۔

سردی ہڈیوں میں اتر رہی تھی......

لیکن...... اس کے لئے ایسے موسمی شدائد برداشت کرنا معمول کی بات تھی۔ یہ اس کے تربیت کا اعجاز تھا۔ کچھ فاصلے پر موجود جھاڑیوں میں اس نے نمبر پلیٹ کی مدد سے زمین کھودی اور دونوں پلیٹیں اس میں دبا کر مٹی ڈال دی اب اس نے اپنی دانست میں گاڑی کا نام و نشان ختم کر دیا تھا۔

یہاں سے سڑک تک قریباً آٹھ کلو میٹر کا فاصلہ تھا جو اسے پیدل طے کرنا تھا۔ دور دور تک کسی ذی نفس کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یوں بھی یہاں کسی جانور کی موجودگی تو ممکن تھی انسان کی موجودگی ممکن نہیں تھی۔

کامنی نے دونوں ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے۔ سر پر گرم ٹوپی اوڑھی ہوئی تھی جو اتنی لمبی تھی جس سے قریباً سارا چہرہ ڈھک جاتا تھا۔ گردن پر اس نے سکارف باندھا ہوا تھا۔

کامنی نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے اور جیب میں اپنا پستول اس طرح رکھا ہوا تھا کہ ضرورت پڑنے پر فوراً اسے استعمال میں لا سکے۔

اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس نے گھڑی پر وقت دیکھا صبح کے نو بج رہے تھے۔ کامنی کو امید تھی کہ اول تو کسی نے جلتی ہوئی کار دیکھی ہی نہیں ہوگی۔ اگر ایسا ہوا تو بھی یہاں پہنچنے کے لئے بھی کم از کم آدھا گھنٹہ تو یہاں پہنچنے تک لگتا۔

عادت کے مطابق اپنے کام سے مطمئن ہو کر اس نے سر ہلایا اور سڑک کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا۔ درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان وہ کسی جنگلی ہرن کی طرح راستہ بناتی چلی جا رہی تھی اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ راستے میں کسی جانور کا سامنا نہ ہو اس طرح اسے فائر کرنا پڑتا اور یہاں سے سڑک تک فائر کی آواز آسانی سے جا سکتی تھی کیونکہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے کافی گونج پیدا ہوتی۔

شاید قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا اور وہ ایک گھنٹہ میں سڑک تک پہنچ گئی تھی جہاں اب اکا دکا بسیں اور گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں ان میں زیادہ تعداد میں وہ لوگ سفر کر رہے تھے جو سولان میں "جوالا مکھی" کا میلہ دیکھنے آ رہے تھے۔

کامنی نے یہاں سے کسی بس پر سوار ہونے کے بجائے پیدل چلتے چلے جانے کو ترجیح دی اور قریباً ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل پیدل چلنے کے بعد وہ ایک اور چھوٹے سے قصبہ تک پہنچنے میں

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

کامیاب ہوئی۔

○ ○ ○

یہاں موجود ایک پرائیویٹ پی سی او سے اس نے سب سے پہلے ڈاکٹر شیلا کو فون کیا اور طاہر سے بات کر کے اسے اطمینان دلایا اس کی خیریت دریافت کی اور اپنی منزل بتائے بغیر فون بند کر دیا۔

طاہر جانتا تھا کامنی بھی اس کی طرح تربیت یافتہ انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ اس نے فون پر اپنا نام تک نہیں بتایا تھا۔ صرف آواز سے ہی شناخت کروائی تھی۔ اس نے شاید ابھی تک اس امکان کو ذہن میں رکھا تھا کہ "را" نے یہاں حساس مقامات پر لگے فون بگ کرنے کا انتظام نہ کروا لیا ہو اسے علم تھا کہ "را" کے کاؤنٹر انٹیلی جنس سیل کے پاس فون ٹیپ کرنے کا جدید ترین موبائل نظام ہے اور وہ کسی بھی جگہ اس نظام کو ویگن میں رکھ کر لے جا سکتے ہیں۔

سولان تک واپس پہنچنے کے لئے کامنی اگروال نے پانچ مختلف بسیں تبدیل کی تھیں اور دوپہر کے بعد ڈاکٹر شیلا کے کلینک کی دیوار پھاند کر طاہر کے کمرے تک اس طرح پہنچی تھی کہ طاہر اور شیلا کو بھی اس کی خبر دروازہ کھول کر اندر آنے پر ہی ہوئی۔

"تمہاری یہ جاسوسوں والی عادت نہیں گئی...... یہاں کیا مصیبت آئی ہوئی ہے جو تم چوروں کی طرح آئی ہو۔"

شیلا نے جو کھانا اس کے انتظار میں رکھے بیٹھی تھی کہا۔

"تم ابھی بچی ہو مائی ڈیئر ڈاکٹر شیلا آرزک...... تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گی......!"

کامنی نے محبت سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"کامنی ٹھیک کہتی ہے۔ بہن جی...... میری آپ سے بھی درخواست ہو گی کہ یہاں ہماری موجودگی کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہونا چاہیے...... میرے زخم سے متعلق، دواؤں سے متعلق، علاج سے متعلق کچھ بھی نہیں......"

طاہر نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اب آپ کامنی کی طرح سمجھانا شروع کر دیں......" اس نے قہقہہ لگایا۔

تینوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ طاہر کا ٹمپریچر اب نارمل تھا جس پر شیلا نے دل ہی دل میں اس کی بے پناہ قوت ارادی کو سراہا تھا کیونکہ اب تک اس نے خود کو اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر ہی قائم رکھا ہوا تھا۔

میری طرف سے اس مرحلے پر کوئی پریشانی محسوس نہ کرنا...... کامنی! مجھے علم ہے جلد یا بدیر وہ لوگ جو تمہاری تلاش میں ہیں یہاں تک پہنچ جائیں گے لیکن اطمینان رکھنا کہ میں جیتے جی کبھی اس بات کا اقرار نہیں کروں گی کہ میں نے تمہیں شادی کے بعد کبھی دیکھا ہے...... تم جانتی ہو کامنی کہ میں سچ بول رہی ہوں......"

اچانک ہی ڈاکٹر شیلا نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

"اتنی سیریس نہ ہو شیلا...... تمہارے جذبات کا اندازہ مجھ سے بہتر اور کون کر پائے گا۔ میں تمہیں بچپن سے جانتی ہوں...... اس مرحلے پر جب کہ یہاں کی فضائیں اور ہوائیں ہماری دشمن ہیں صرف تم ایک ایسی ہو جس کے پاس میں مکمل اعتماد سے آ گئی ہوں...... شیلا شاید تم اس بات کو نہ سمجھ پاؤ کہ "کسی پر بھی اعتماد نہ کرنا" ہمارے بزنس کا پہلا اور بہترین اصول مانا جاتا ہے...... ہمیں یہی تربیت دی جاتی ہے کہ ہمارے بزنس میں کوئی لائق اعتبار نہیں...... لیکن تمہارے معاملات الگ ہیں۔ میں چاہتی تو پونا صاحب ہی سے ان کے زخم کا علاج کروا کر کسی اور طرف نکل جاتی لیکن شیلا! ایک خلش سی دل میں رہ جاتی کہ آخری مرتبہ تجھے مل کر نہیں آئی...... تو جانتی ہے ہم نے زندگی کا کوئی بڑا فیصلہ ایک دوسرے کو بتائے بغیر نہیں کیا...... جب تو نے اس معاہدے کو کبھی نہیں توڑا تو میں ایسا کیوں کرتی؟......"

کامنی نے کہا تو شیلا نے اٹھ کر بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

"مجھے علم تھا کامنی تو کبھی غلط اور چھوٹا فیصلہ نہیں کرے گی۔ دراصل ہم دونوں اپنے سماج کی باغی ہیں۔ ہم دونوں میں اپنے دھرم کے شوہر کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھیں...... لیکن یہ کبھی نہ بھولنا کامنی کہ یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات نہیں ہے...... ایسا ممکن ہی نہیں کہ میں زندہ ہوں، تم زندہ ہو اور ہم مل نہ سکیں...... دوبارہ کبھی ایسی بات زبان پر نہ لانا۔"

دونوں سہیلیاں قدرے جذباتی ہو رہی تھیں اور طاہر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ عورت کیسا ہی روپ کیوں نہ اختیار کر لے وہ بہرحال عورت ہوتی ہے......

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

○ ○ ○

اس روز "جوالا مکھی" میلے کا آغاز ہو گیا تھا۔ سولان جیسے چھوٹے ہل سٹیشن پر رونقیں لوٹ آئی تھیں۔ ہر طرف پیلے پیلے سبز جھنڈے اور دوپٹے نظر آ رہے تھے۔ دور دراز سے کئی میلوں کا پیدل سفر طے کر کے یاتری یہاں کی مخصوص "بھلا پوجا" میں شرکت کے لئے آئے تھے اور انہوں نے کچھ دنوں ہی کے لئے سہی اس علاقے کو آباد کر دیا تھا۔

وہ رات دونوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈاکٹر شیلا کے اصرار ہونے پر یہاں بسر کی تھی کیونکہ اگلے روز وہ خود طاہر کے زخم کا جائزہ لینا چاہتی تھی......

اس کے بس میں ہوتا تو ساری زندگی دونوں کو یہاں سے نہ جانے دیتی لیکن با دل نخواستہ ان کی حفاظت کے مدنظر بالآخر اس نے دل پر پتھر رکھ کر انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

ڈاکٹر شیلا نے ایک بیگ میں طاہر کے زخم سے متعلق تمام ادویات اور پٹیاں وغیرہ رکھ دی تھیں دونوں کو اپنا خاص خیال رکھنے کی تلقین کی تھی اور کامنی سے کہا تھا کہ وہ پانچ روز کے بعد اس کے زخم کے ٹانکے کھلوا دے......

اس نے کامنی سے اس کی اگلی منزل دریافت نہیں کی تھی...... لیکن اسے اپنی خیریت سے مطلع رکھنے کے لئے کہا تھا۔

"ایک بات شاید دل میں رہ جائے تو خلش سی رہے گی...... کامنی...... کاش تم میرے ساتھ آدھا سچ نہ بولتیں...... میں جانتی ہوں خان بھائی کا تعلق اس دیش سے نہیں...... لیکن تو نے مجھ سے یہ کیوں چھپائے رکھا اس کا علم نہیں ہو پایا۔"

جاتے ہوئے شیلا نے کہا۔

"شیلا تو جانتی ہے کبھی کبھی پورا سچ بہت خطرناک ہو جاتا ہے...... بعض باتیں نہ ہی کہی جائیں تو بھی اپنے پیاروں تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک بات تھی......"

کامنی نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے......

"خان بھائی...... یہ اپنی بہن کی طرف سے حقیر سا نذرانہ سمجھنا...... مجھے یہ علم ہے

تمہارے لئے اسے قبول کرنا مشکل ہو گا لیکن میری خواہش سمجھ کر رکھ لینا...... ابھی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آئیں گے جب ہم ایک دوسرے کے لئے بہت کچھ کر سکیں............"

یہ کہہ کر اس نے لفافے میں بند کچھ نوٹ طاہر کو تھما دیئے۔

بڑی عجیب صورتحال تھی طاہر کے لئے انہیں واپس لوٹانے سے قبول کرنا زیادہ آسان تھا کیونکہ اس مرحلے پر وہ ڈاکٹر شیلا کی کسی خواہش کو رد نہیں کر سکتے تھے......

شیلا کی آنکھیں اچانک ہی چھلک پڑی تھیں وہ فوراً دوسرے کمرے میں چلی گئی......

کامنی کی حالت بھی مختلف نہیں تھی......

"کامنی خود کو نارمل رکھو...... ہمیں ڈاکٹر شیلا کو مزید دکھ نہیں دینا۔ اس کی عظمت کا اعتراف کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ اپنے جذبات پر قابو رکھو۔"

اس نے کامنی سے کہا اور کامنی کو جیسے ہی اس کی بات سمجھ آئی وہ نارمل ہو گئی۔

اس مرتبہ ڈاکٹر شیلا کمرے میں آئی تو اس نے ایک بڑا گرم کوٹ اٹھا رکھا تھا ایسے کوٹ کو جنہیں مقامی زبان میں "برانڈی" کہا جاتا تھا یہاں کے موسم کی ضرورت اور ناگزیر ہوتے تھے......

"خان بھائی یہاں تو کوئی ڈھنگ کا نہیں ہے...... چند روز پہلے شملے سے آتے ہوئے میں نے آنرک کے لئے یہ کوٹ خریدا تھا...... میرا جی تو چاہتا تھا تمہارے ساتھ جا کر خود تمہارے لئے کوٹ خریدتی لیکن ایسا ممکن نہیں...... اسے اپنی بہن کی طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا......"

اس نے یہ کہتے ہوئے کوٹ اس کی طرف بڑھا دیا......

دونوں گنگ ہو چکے تھے......

ڈاکٹر شیلا کے بے پناہ خلوص اور کامنی سے محبت نے دونوں کو مبہوت کر دیا تھا اس نے کامنی کے لئے بھی بہترین گرم کپڑے دیئے تھے اور دونوں کو اپنی دعاؤں، آنسوؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

ان کی خواہش اور کامنی کی ضد پر وہ انہیں رخصت کرنے کے لئے باہر تک بھی نہیں آئی تھی...... اور گھر کے دروازے سے ہی جو کلینک کے دروازے کی دوسری سمت تھا انہیں رخصت کر کے آنسو بہاتی واپس لوٹ گئی تھی......

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے خلوص نے طاہر کو بے پناہ متاثر کیا تھا اور زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ بھی قدرے جذباتی ہو رہا تھا۔ کامنی کے لئے تو اپنے آنسوؤں پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہا تھا..........

○ ○ ○

بریگیڈیئر ملہوترہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی...... کل سے اب تک کرنل مونگیا نے اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ یہ خلاف معمول اور انتہائی غلط بات تھی۔ گو کہ کرنل مونگیا اپنی پراسرار اور پریشان کن عادات کی وجہ سے ہمیشہ ہی ایک الگ مقام کا حامل رہا تھا...... لیکن اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ڈسپلن کے معاملہ میں کسی بھی غیر اصولی کا مظاہرہ کرے گا۔

ہنواری کیمپ کے تمام سیکیورٹی انتظامات ملٹری انٹیلی جنس کرتی تھی اور کرنل مونگیا بھی وہیں سے آیا تھا۔ گو کہ یہاں ہونے والی کسی بھی "گھٹنا" (آفت) کی اطلاع انہیں فوری طور پر صرف ملٹری انٹیلی جنس ہی کو دینی ہوتی تھی......

لیکن...... کامنی اگروال کا تعلق چونکہ "را" سے تھا جسے انہوں نے تخریب کاروں کی تربیت کے لئے "را" سے بطور خاص درخواست پر مانگا تھا اس لئے اس کی گمشدگی کی اطلاع "را" کو دینا ضروری تھا۔

یوں بھی بریگیڈیئر ملہوترہ کسی بھی صورت کم از کم "را" کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا اور یہاں کی صورت حال کو سنبھالتے ہی براہ راست دہلی ہیڈ کوارٹر سے بات کی تھی۔

یہ الگ بات تھی کہ اس کے فون سے پہلے یہاں ٹوٹنے والی قیامت کا علم "را" کو ہو چکا تھا۔ "را" کا مقامی یونٹ بہت چوکس تھا خصوصاً ایسے حساس ایریا میں وہ اپنے انتہائی اہم اور لائق سٹاف کو تعینات کرتے تھے۔

"را" کا مقامی یونٹ انچارج میجر پردیپ سنگھ پہلے آرمی کی سپیشل انویسٹی گیشن ٹیم میں تھا اور تین سالوں میں اپنے زیر تفتیش پندرہ نوجوانوں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ یوں تو اسے تین سال کے لئے ڈیپوٹیشن پر "را" میں بھیجا گیا تھا لیکن بعد میں اس کی خدمات مستقل "را" کو سونپ دی گئیں......

پردیپ سنگھ نام سے سکھ تھا لیکن وہ جاٹ کے بجائے مذہبی سکھ تھا اور اس کا باپ اس کی

پیدائش سے چند سال پہلے ہی اپنی قوم چمار کر چھوڑ کر سکھ دھرم میں داخل ہوا تھا۔

اگر سکھوں کو علم ہو جاتا کہ اس کے ہاں جنم لینے والا پردیپ سنگھ سکھوں کے لئے مستقبل میں ڈریکولا بن جائے گا تو وہ کبھی پردیپ سنگھ کے باپ کو "امرت نہ چکھاتے"...... لیکن ہونی شدنی......

پردیپ سنگھ نے کیس رکھے ہوئے تھے اور بظاہر سکھوں والی تمام عادتیں اپنائی ہوئی تھیں لیکن اندر سے وہ کھال اتارنے والا مکمل چمار تھا۔ اس نے انسانی کھال اپنے ہاتھوں اتار کر درندگی کی انتہاؤں کو چھوا تھا۔

تین ماہ پہلے اسے ڈیرہ دون کا سیکورٹی چیف بنا کر بھیجا گیا تھا اور یہاں پہنچنے کے چند دنوں بعد اس نے ہنواری کیمپ کے اندر اور باہر اپنے مخبروں کا ایسا جال بن دیا تھا کہ یہاں ہونے والی کسی بھی کارروائی کی خبر اسے فوراً پہنچ جاتی تھی۔

دھماکوں کے آغاز سے دو گھنٹے بعد ہی اس کے "سورس" حوالدار آتما رام نے جو اس وقت اپنے کوارٹر میں موجود تھا۔ طوفانی رات میں "را" کے مقامی سیف ہاؤس پر پہنچ کر پردیپ سنگھ کے ایک ماتحت تک یہ خبر تفصیل سے پہنچا دی تھی۔ جس کے اگلے ہی لمحے پردیپ سنگھ کو نیند سے جگا کر یہ اطلاع دی تھی جہاں سے یہ اطلاع فوراً دلی پہنچا دی گئی......

ابھی تک انہیں دھماکوں کے کارن (وجہ) کا علم نہیں ہوا تھا۔

صبح تک ساری پوزیشن ان کے سامنے آ گئی تھی اور پردیپ سنگھ کی طرف سے اس اطلاع کے بعد کہ دونوں مسلمان دہشت گردوں کے ساتھ ان کی انسٹرکٹر کامنی اگروال بھی غائب ہے سب کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

"ایسا ممکن ہے وہ اپنے طور پر لاپتہ ہو............"

دہلی سے ڈی۔ جی نے بے یقینی کے لہجے میں کہا تھا۔

"نو سر...... میں نے مکمل انکوائری کی ہے......She is involve with (وہ ملوث ہے) شاید وہ لوگ کامنی کو ورغلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں سر......"

"ڈیم اٹ............"

دوسری طرف ڈی۔ جی غصے میں اتنے زور سے چیخا کہ پردیپ سنگھ کے ہاتھ میں فون

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

لرز کر رہ گیا۔

"پردیپ سنگھ مجھے لڑکے چاہئیں مجھے فوراً بتاؤ...... جو بھی چاہیے میں دوں گا یہاں دہلی سے میں تمہاری مکمل مدد کروں گا...... But مجھے ہر صورت کامنی اگروال چاہیے...... اگر وہ بارڈر کراس کر گئی تو ہم سب کے لئے خودکشی کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا...... کوئی راستہ نہیں...... تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں......"

"یس سر...... سر! آپ مطمئن ہو جائیں مجھے پانچ لڑکے فوراً بھیجنے میں "فری ہینڈ" چاہتا ہوں سر...... پھر دیکھوں گا سالی کو۔"

اس نے کامنی کو موٹی سی گالی دی......

"تمہیں سب کچھ ملے گا پردیپ سنگھ سب کچھ Get in touch مجھے ایک ایک موومنٹ کی خبر دو...... ایک ایک لمحے سے باخبر رکھو...... کسی کو خاطر میں نہ لانا...... کسی کی پرواہ نہ کرنا...... پردیپ I Want result (مجھے نتیجہ چاہیے) ہر صورت میں...... تم چوبیس گھنٹے میں کسی بھی سمے پر مجھے کال کر سکتے ہو...... جتنی فورس چاہو گے یہاں سے پہنچ جائے گی...... لڑکے تمہارے پاس اگلے دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔ میں ہیلی کاپٹر ارینج کرتا ہوں۔"

ڈی۔جی نے کہا۔

اب اس کی آخری امید پردیپ سنگھ ہی تھا۔

اگر کامنی اگروال ان کے ہاتھ سے نکل جاتی تو "را" کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا۔

پردیپ سنگھ نے ہیڈکوارٹر سے اجازت لینے کی حجت بھی پوری کر لی تھی...... ایک مرتبہ نیند سے جاگنے کے بعد اس نے دوبارہ بیڈروم کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ اپنے آفس میں موجود تھا جو اسی عمارت کے گراؤنڈ فلور پر بنا ہوا تھا جہاں وہ رہتا تھا......

O O O

آدھی رات کو اسے آفس میں دیکھ کر اس کے سارے ماتحت چونکے ہوئے تھے۔ پردیپ سنگھ نے ایک عرصے سے اپنی مرضی کی ٹیم اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو میجر صاحب کے مزاج سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ انہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ

مراعات حاصل تھیں۔ لیکن وہ "بہترین رزلٹ" دینے میں سب سے آگے تھے...... سارا عملہ چوکس ہو گیا۔

جو سو رہے تھے انہیں جاگنے والوں نے جگا دیا اور اب ایک پش بٹن کے فاصلہ پر ہر ماتحت اس کا منتظر تھا۔ اس کے کسی بھی حکم پر پلک جھپکتے عمل کرنے کو تیار......!!

سب سے پہلے پردیپ سنگھ نے اپنا کمپیوٹر آن کیا......

اس کمپیوٹر کی سکرین پر انسٹرکٹر کامنی اگروال سے متعلق تمام معلومات موجود تھیں۔ جو معلومات اس سکرین پر آ گئی تھیں ان کو جمع کیا جاتا تو ایک مکمل کتاب بن سکتی تھی۔

اس میں کامنی اگروال کی پیدائش سے اب تک ایک ایک لمحے کی تفصیل درج تھی...... اس کی عادتیں، پسند ناپسند، دوستیاں، دشمنیاں، خیالات، دھرم، سماج، راج نیتی سے متعلق اس کے وچار، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، عام زندگی، خاص زندگی، غرض کوئی شعبہ زندگی ایسا نہیں تھا جس سے متعلق سب کچھ درج نہ ہو......

پردیپ سنگھ کی نظریں بڑی تیزی سے سکرین پر پھیلے الفاظ سے پھسلتی اور ایک ایک لفظ اس کے دماغ پر نقش ہوتا چلا جاتا۔

کمبخت نے بلا کا ذہن پایا تھا۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ بیٹھی کرخت چہرے اور درمیانی عمر کی ایک لڑکی کو جو اس کی سیکرٹری تھی کاغذ پنسل سنبھالنے کا حکم دیا اب وہ اپنے لئے اہم معلومات جن کی اسے مستقبل میں ضرورت پیش آ سکتی تھی اپنی ماتحت کو لکھواتا جا رہا تھا......

آخر میں اس نے اپنی ماتحت نیلم سے تمام معلومات دہرانے کے لئے کہا اور مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

"آل رائٹ...... اب تم لوگ صبح آٹھ بجے تک اپنی نیند پوری کر لو...... آٹھ بجے تک باقی دوست بھی آ جائیں گے جس کے بعد پھر اپنا حملہ شروع کریں گے......"

اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یس سر"

نیلم نے سر جھکا کر صاد کیا اور باہر آ گئی اس نے باقی سٹاف کو بھی پردیپ سنگھ کے حکم

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

سے مطلع کر دیا تھا اور اب یہاں معمول کی ڈیوٹی انجام دینے والے گارڈز رہ گئے تھے باقی سب لوگ اپنے بستروں میں پہنچ گئے تھے۔ انہیں اب اس کیس کے خاتمے تک جتنی بھی نیند میسر آتی وہ ان کے لئے بونس ہی تھا کیونکہ پردیپ سنگھ جب کسی کیس کو ہاتھ میں لیتا تو نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ماتحتوں کی نیند بھی حرام کر دیا کرتا تھا۔

○ ○ ○

صبح سات بجے ہیڈ کوارٹر سے پانچ بہترین ایجنٹ یہاں پہنچ چکے تھے۔ انہیں مقامی کمان کے ڈائریکٹر جنرل نے خصوصی ہدایات اور تیاریوں کے ساتھ یہاں بھیجا تھا۔ ان کے پاس کامنی کی درجنوں تصاویر تھیں۔

یہ وہ تصویریں تھیں جو ''را'' کے ریکارڈ میں تھیں اور جن کی کاپیاں یہ لوگ تیار کروا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔

یہ تصاویر پردیپ سنگھ نے سارے سٹاف میں تقسیم کر دیں۔ اب اس نے سب کو بریفنگ ہال میں اکٹھے کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تین مختلف ٹیمیں تشکیل دے کر انہیں اپنے اپنے کمانڈر کے ماتحت تین مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں اس کا مقامی ماتحت جواب ہواری کیمپ پہنچ چکا تھا اسے پل پل کی خبر اور وہاں ہونے والی ڈویلپمنٹ سے متعلق رپورٹ دے رہا تھا۔

ابھی تک انہیں کرنل موگمبیا کی اگلی منزل اور عزائم کی خبر نہیں ہوئی تھی گو کہ ''را'' کا ایک ''سورس'' مستقل اس سے چپکا ہوا تھا لیکن موگمبیا نے اپنے ماتحتوں کو بھی اپنی اگلی منزل نہیں بتائی تھی۔

''ڈیم اٹ...... گدھا...... الو کا پٹھا۔''

اس نے موگمبیا سے متعلق آخری بات کرنے پر اسے تین چار موٹی موٹی گالیاں سنا دیں۔

اس کے علاوہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہاں ہر ایجنسی اپنی حیثیت میں آزاد تھی اور یہ لوگ معاصرانہ چشمک کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعاون کے بجائے ایک دوسرے کو دھوکے میں رکھ کر اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

کریڈٹ لے جانے کی دوڑ میں وہ اپنے ہمکاروں کو پچھاڑنے میں کوشاں رہتے تھے اور کوئی ایجنسی دوسری ایجنسی کو برداشت نہیں کرتی تھی۔

موگمبیا جانتا تھا کہ پردیپ سنگھ بھی ایکٹو (Active) ہو گا اور وہ اپنے ہوتے ہوئے مفروروں کی گرفتاری کا کریڈٹ کسی اور کو دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔

اس نے اپنی تمام صلاحیتیں اس بات پر صرف کر دی تھیں۔ کہ ''را'' کو اس کے منصوبے اور حکمت عملی کا علم نہ ہونے پائے اور وہ تمام ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خود مفروروں کو گرفتار کرنے کا کریڈٹ حاصل کر لے۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو مفروروں سے متعلق ملنے والے کسی بھی سراغ کی خبر کسی اور ایجنسی کو دینے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

ایسی ہی ہدایات باقی ایجنسیوں کے لوگوں کو بھی ان کے اعلیٰ افسران کی طرف سے ملی تھیں اور وہ سب اب اپنی اپنی حیثیت میں اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔

○ ○ ○

پردیپ سنگھ اپنی ماتحت نیلم کماری کے ساتھ صبح نو بجے ایک خصوصی فلائیٹ سے دہلی جا رہا تھا۔

یہ ایک فوجی جہاز تھا جو کچھ افسران کو لے کر خصوصی مشن پر دہلی جا رہا تھا اور ''را'' کے ڈی۔ جی کی درخواست پر مقامی او۔ سی نے پردیپ سنگھ اور اس کی سیکرٹری نیلم کماری کے لئے دو سیٹیں اس میں رکھ لی تھیں۔

اسے اپنی تفتیش اور تلاش کا آغاز کامنی اگروال کے گھر سے کرنا تھا جس کے لئے اس نے ہر غیر انسانی طریقہ اپنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ یوں تو وہ مقامی پولیس کی مدد بھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس نے دانستہ ایسا نہیں کیا تھا۔

دہلی آنے پر اس کے استقبال کے لئے ''را'' کی ایک اور مستعد ٹیم تمام ساز و سامان کے ساتھ موجود تھی......

ایئر پورٹ ہی کے ایک کمرے میں انہوں نے اپنی Modus operandi (طریقہ واردات) تیار کی اور یہاں موجود پانچ مختلف ٹیموں کو مختلف ذمہ داریاں سونپ کر خود کامنی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اگروال کے پاس سورج اگروال کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ نیلم کماری کی منزل کامنی اگروال کا گھر تھی۔

اس نے کامنی کی سوسی جاگی دیوی کو قابو کرنا تھا کیونکہ ان کے پاس موجود اطلاعات کے مطابق اس کے گھر کی خواتین میں کامنی اگروال سب سے زیادہ اپنی سوسی جاگی دیوی کے نزدیک تھی۔

O O O

جاگی دیوی معمول کے مطابق کرشنا مندر سے اپنی پوجا ختم کرنے کے بعد "پرشاد" لے کر "ہرے اوم...... ہرے اوم" کا جاپ کرتی گھر کی طرف واپس آ رہی تھی جب اچانک ہی اس کی نظر ایک سمارٹ لڑکی پر پڑی۔

لڑکی نے پتلون قمیص پہن رکھی تھی لیکن اس کے کپڑے ایسے چست اور جسم سے چپکے ہوئے تھے کہ جاگی دیوی نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگا لیے اور "ہرے اوم...... ہرے اوم" کی تکرار زیادہ تیز کر دی۔

"جاگی سوسی......"

اچانک ہی لڑکی نے اس کے نزدیک آ کر کہا اور وہ چونک گئی۔

جاگی دیوی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ وہ اسے بالکل نہیں پہچانتی تھی۔

"آپ جاگی دیوی ہی ہیں ناں۔"

اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں......"

جاگی دیوی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"میں نیلم ہوں...... کامنی کی دوست۔ ارے جاگی سوسی کامنی نے تمہارے متعلق اتنا کچھ بتا دیا ہے کہ میں نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ تم ہی جاگی سوسی ہو گی۔"

اس نے جاگی دیوی کے استفسار سے پہلے ہی کہہ دیا۔

بے یقینی کے انداز میں جاگی دیوی نے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن میں تمہیں نہیں جانتی۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں آؤ تمہیں کامنی سے ملوا دوں...... دراصل ہم لوگ دہلی دو تین گھنٹے کے لیے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ خود بری طرح پھنسی ہوئی تھی...... مجھے کہہ دیا کہ تمہیں لے کر ہی آؤں......!"

نیلم نے اس کے مزید نزدیک آتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے...... میں گھر والوں کو بتا دوں۔"

جاگی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کامنی نے ملاقات کا یہ کون سا طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ اسے کامنی سے یہ امید ہرگز نہیں تھی...... نہ ہی وہ یہ ماننے کے لئے تیار تھی کہ واقعی یہ لڑکی سچ بول رہی ہے۔

"ارے جاگی سوسی ہمارے پاس پہلے ہی وقت کم ہے اور تم.........."

اس نے یہ کہتے ہوئے جاگی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

جاگی نے اگلے ہی لمحے صورتحال کی سنگینی کا احساس کر لیا کہ اس کے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے وہ حیران و پریشان ہو گئی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ جاگی دیوی چیخ کر کسی کو مدد کے لئے بلواتے اچانک ہی سامنے سے ایک تیز رفتار جیپ ان کے نزدیک جھٹکے سے آ کر رک گئی جس کے پچھلے حصے میں ایک لمبا تڑنگا جوان بیٹھا تھا وہ جیپ رکتے ہی نیچے اتر آیا۔

اس کے ساتھ ہی نیلم کماری نے جاگی دیوی کو جھٹکے سے اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور جیپ کے پچھلے حصے میں پھینک دیا۔ جاگی کے ہاتھ میں پکڑی "پرشاد" کی تھالی باہر ہی گر پڑی جسے نوجوان نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا تھا۔

یہ کافی مصروف گزرگاہ تھی۔ لوگ اس طرف متوجہ بھی ہوئے لیکن ان کے کچھ سمجھ آنے سے پہلے ہی جیپ جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھی اسی طرح برق رفتاری سے غائب ہو گئی۔

کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا۔

"کون ہو تم...... کیا.........؟"

خوف سے سہمی اور پریشان حال جاگی دیوی نے بمشکل آواز نکالی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

"چپ کر سالی..... ابھی بتاتی ہوں تجھے۔"

نیلم کماری نے اسے تین چار گالیاں دیتے ہوئے جانکی دیوی کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کیا کہ بے چاری جانکی کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

اذیت اور ذلت کے احساس سے بے بس جانکی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

لیکن..... ایک بات کی اسے سمجھ آ گئی کہ ضرور کامنی نے کوئی چاند چڑھا دیا ہے تب ہی تو اس کے گھر والوں پر مصیبت آئی تھی۔

اس نے سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔

"چپ کرتی ہے یا......"

نیلم کماری نے نجانے کس طرح اسے دھمکایا تھا کہ خوف سے جانکی دیوی گنگ ہو کر رہ گئی۔

جس گاڑی میں اسے لے جایا جا رہا تھا اس کے شیشوں میں سے کچھ باہر کا منظر دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ نیلم کماری نے جانکی کو اس طرح اپنی ٹانگوں کے درمیان بٹھایا ہوا تھا جیسے قربانی کے بکرے کو قصائیوں نے پکڑا ہوتا ہے۔

ڈرائیور کی سیٹ کے ساتھ آگے وہی لمبا تڑنگا نوجوان بیٹھا تھا جو پچھلے حصے سے اترا تھا۔

اب تک دونوں میں سے کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا نہ ہی نیلم کماری نے کوئی بات کی تھی......

اچانک ہی جیپ میں لگے وائرلیس میں زندگی جاگی اس نوجوان نے مائیک اٹھایا تھا۔

"آپ کے لئے میڈم........."

یہ کہہ کر اس نے مائیک پیچھے بیٹھی نیلم کماری کی طرف بڑھا دیا۔

"یس۔"

نیلم کماری نے کہا۔

دوسری طرف پردیپ سنگھ تھا جس نے صرف "رپورٹ اوور" کہہ کر اسے بولنے کا موقع دیا

تھا۔

"آن ٹارگٹ سر۔"

نیلم کماری نے مختصر جواب دیا۔

"ویل ڈن......Coming (آ رہا ہوں) آؤٹ............!"

کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

○ ○ ○

جو سلوک جانکی دیوی کے ساتھ ہوا تھا اس سے کچھ الگ سورج اگروال کے ساتھ بھی نہیں ہوا۔ بے چارہ سورج اگروال جس کا گناہ صرف کامنی اگروال کا باپ ہونا تھا پردیپ سنگھ کی شکل پر نظر پڑتے ہی گھبرا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرے پردیپ سنگھ نے اسے اپنا تعارف کروا کر اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا تھا۔

سورج اگروال نے اسے اپنی بے عزتی جانا۔ آخر وہ بھی ایک سرکاری آفیسر تھا اور اس کی بیٹی "را" کی آفیسر تھی پردیپ سنگھ نے اپنا تعلق سی بی آئی سے بتایا تھا۔ یہ ان کی تربیت تھی کہ وہ کبھی اپنا تعارف اپنی اصلی ایجنسی کے حوالے سے نہیں کرواتے تھے۔

اس سے پہلے کہ سورج اگروال پردیپ سنگھ کو اخلاقیات سکھانے کی کوشش کرتا اس کے ہمراہی نے سورج اگروال کی گدی میں ہاتھ ڈالا اور اسے اٹھا کر جیپ میں پھینک دیا۔

غصے اور بے عزتی کے احساس سے کھولتے ہوئے سورج اگروال نے شاید بہت عرصے بعد کسی کو گالی دی تھی۔

لیکن..... اس گالی کا خمیازہ اسے بڑا بھگتنا پڑا۔

دو آدمیوں نے اسے جیپ کے اندر دھنک کر رکھ دیا اور سورج اگروال خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔

اس کے روئیں روئیں سے درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ بے عزتی کا احساس الگ سے جان کو آ رہا تھا لیکن صورت حال جانے بغیر بھی انہیں علم ہو گیا تھا کہ ضرور کامنی اگروال نے کوئی ایسی حرکت کر دی ہے جس کا انہیں اس طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا اور اب وہ معتوب ہو رہے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھے۔

جانکی دیوی اور سورج اگروال کو الگ الگ راستوں سے ایک ہی عمارت تک پہنچایا گیا تھا۔ یہ ”را“ کا مقامی انٹیروگیشن سنٹر تھا۔ جہاں اب ان دونوں سے الگ الگ تفتیش کی جا رہی تھی۔

”جانکی دیوی.......... ہمارا تعلق فوج کے جاسوسی کے محکمے سے ہے کامنی اگروال دیش دروہی نکلی وہ ایک مسلمان کے ساتھ بھاگ گئی ہے..... اور ہم نے اسے بھارت سے نکلنے نہیں دینا۔ وہ دیش اور دھرم کی غدار ہے۔ تم دھارمک عورت ہو۔ اپنے دیش اور دھرم سے تمہارا رشتہ کامنی سے زیادہ مضبوط ہونا چاہیے تمہیں اس کی گرفتاری میں ہماری مدد کرنی ہو گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا..... یا ہم سے کچھ چھپایا تو یاد رکھنا میں تمہیں زندہ گاڑ دوں گی۔“

وہ الگ اسے ایک کمرے میں لے آئے تھے جہاں اسے ایک آرام دہ کرسی پر بٹھایا گیا تھا۔ نیلم کماری اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور ایک ٹیپ ریکارڈر اس کے سامنے رکھا تھا۔

نیلم کے منہ سے کامنی کا کارنامہ سن کر جانکی دیوی کو یوں لگا جیسے اچانک اس پر یمراج (موت کا فرشتہ) حملہ آور ہوا اور اس کی آدھی جان نکال کر اسے زندہ در گور چھوڑ گیا ہو......

وہ پھٹی پھٹی نظروں سے نیلم کماری کی طرف دیکھنے لگی پھر اچانک پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کامنی اگروال کو بددعائیں دینے لگی۔

”یہ سارا اس حرام خور شیلا کا کیا دھرا ہے۔ اس نے میری بچی کو گمراہ کیا ہو گا۔“

بالآخر اس نے کہا اور نیلم کماری چونکی۔

”کون ہے یہ شیلا۔“

اس نے پوچھا۔

اور..... جواب میں جانکی دیوی نے شیلا کے متعلق اسے مرچ مصالحہ لگا کر ساری کہانی سنا دی۔ لیکن نیلم کماری بہت زور لگانے کے بعد بھی ڈاکٹر شیلا کا موجودہ ایڈریس معلوم نہ کر سکی۔

○ ○ ○

دوسری طرف کامنی کے پتا سے بھی کوئی مختلف سلوک نہیں ہوا تھا۔

ان کے ساتھ پردیپ سنگھ نے وہ کچھ کر دیا تھا۔ جس کا انہوں نے زندگی میں کبھی تصور

بھی نہ کیا ہو۔ شام ڈھلنے تک تینوں گروپس جو الگ الگ تفتیش کر رہے تھے اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اگر کامنی کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ بھارت میں محفوظ ترین ہے تو وہ صرف ڈاکٹر شیلا ہے۔ اب انہیں ڈاکٹر شیلا کو تلاش کرنا تھا۔ جس کی اطلاع اس کے گھر والوں کو بھی نہیں تھی۔ اگلے روز دوپہر تک وہ مختلف مفروضوں پر زور آزمائی کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے شیلا کے گھر والوں کو اتنا ڈرایا دھمکایا تھا کہ اس کی بوڑھی ماں کو دل کا دورہ پڑا اور بمشکل وہ اس دورے سے جانبر ہو پائی تھی۔

دوپہر کے بعد تک ”را“ کے دہلی ہیڈ کوارٹر کا علم ہو چکا تھا کہ یہاں کسی کے پاس بھی شیلا کا ایڈریس نہیں ہے۔

اس کی آخری پوسٹنگ راجستھان میں ہوئی تھی جہاں سے بعد از خرابی بسیار اطلاع ملی کہ شیلا نے سرکاری نوکری سے شادی کی افواہ پھیلتے ہی استعفیٰ دے دیا تھا اور اپنی نئی منزل کا کسی کو علم نہیں ہونے دیا تھا۔

”اس سالے جیکب پر کام کرو۔ اسے ڈھونڈو۔ آخر وہ دونوں زندہ ہیں۔ مر نہیں گئے۔ کہیں نہ کہیں تو ملیں گے ہی۔“

پردیپ سنگھ نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے شیلا کے خاوند سے متعلق ممکنہ حد تک حاصل کردہ معلومات کو ”را“ کے مین کمپیوٹر سنٹر نے ملک کے کونے کونے میں پہنچا دیا تھا۔

شام گئے تک وہاں جیکب نام کے درجنوں ڈاکٹروں سے متعلق اطلاعات جمع ہو چکی تھیں۔

اب اگلا مرحلہ شروع ہوا اور وہ یہ تھا کہ ”اصلی ڈاکٹر جیکب کی تلاش۔“

رات گئے بالآخر انہیں کو ہر مقصود ہاتھ لگ گیا اور ڈاکٹر جیکب کے تین چار ممکنہ ٹھکانوں کا علم ہو ہی گیا۔

اب انہیں بیک وقت ان تمام ٹھکانوں پر ریڈ کرنا تھی جس کے لئے وہ خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ رات ہونے تک انہیں ڈاکٹر جیکب کے دو چار ٹھکانے مل سکے وہ ملک کے چار الگ الگ صوبوں میں تھے۔ یہ وہاں کے ہسپتال تھے جہاں اس نام کے اور اس

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

مخصوص بیماری کے ماہر ڈاکٹر جیکب کام کر رہے تھے۔

ڈاکٹر جیکب کا شبہ شیلا کے باپ کی طرف سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد تھی۔

چار مختلف ٹیمیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ روانہ کر دی گئیں۔ اسی روز دلی کے ایک ہوائی اڈے سے جو ایک دور دراز حصے میں صرف "را" کے لئے مخصوص تھا موجود چاروں ہیلی کاپٹر ایک ہی مشن لے کر الگ الگ سمتوں میں روانہ ہوئے تھے۔

ان چاروں ٹیموں کے پاس ڈاکٹر شیلا کی تصویریں موجود تھیں تاکہ ان کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئے۔

پردیپ سنگھ خود راجستھان کی طرف عازم سفر تھا کیونکہ سب سے زیادہ ڈاکٹر جیکب کے ملنے کے امکانات یہیں پائے جاتے تھے۔

○ ○ ○

ڈیرہ دون میں کرنل مونگیا کے ساتھیوں نے چپہ چپہ چھان مارا تھا لیکن یہاں انہیں نہ کچھ ملنا تھا نہ کچھ ملا۔ زیادہ تشویشناک بات تو یہ تھی کہ ابھی تک ان کا رابطہ کرنل مونگیا سے نہیں ہوا تھا۔ جو ماضی کی روایات کے برعکس تھا۔

کرنل مونگیا بڑا ایڈونچر پسند تھا وہ اپنے دشمن کو "سرپرائز" دینے میں مشہور تھا۔ لیکن ۲۴ گھنٹے تک اس کا رابطہ اپنے ہیڈ آفس سے نہ ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

اس کی جیپ میں بہت طاقتور وائرلیس سیٹ نصب تھا جس پر مسلسل پیغام بھیجے جا رہے تھے لیکن دو دن سے انہیں کسی پیغام کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

تیسرے روز جب کیپٹن ناگرے نے ایس او ایس سگنل دیا تو دوسری طرف سے جواب موصول ہو گیا۔

لیکن.......... حیرت انگیز طور پر یہ کرنل مونگیا نہیں بلکہ اس کی یونٹ کی ایک کمپنی کا کوئی میجر تھا جو ان سے بات کر رہا تھا۔ یہ کمپنی "پونا صاحب" کے علاقے میں کوئی ایکسر سائز کر رہی تھی۔

"کرنل صاحب دو روز پہلے اپنی جیپ یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے آج تک واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اور سختی سے تاکید تھی کہ کوئی وائرلیس پیغام موصول نہ کیا جائے لیکن

اب چونکہ ہمیں بھی تشویش ہونے لگی ہے اس لئے آپ کے پیغام کا جواب دے رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور..........

کیپٹن ناگرے کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور دال میں کچھ کالا تھا۔ ورنہ یہ کچھ ممکن نہ ہوتا۔ ان کے لئے کرنل مونگیا کا اپنی جیپ اپنی یونٹ میں کھڑی کر کے غائب ہو جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے دوسرے لائق افسروں کی طرح کرنل مونگیا کو بھی "معاصرانہ چشمک" کا عارضہ لاحق ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے جیپ وائرلیس سے اس کے متحارب "را" کے لوگ کوئی کلیو تلاش کر کے اس کے کئے کرائے پر پانی پھیر کر اپنے نمبر بنائیں۔ اس لئے اس نے حسب روایت اپنی جیپ یہاں کھڑی کر کے کسی پرائیویٹ کار کے ذریعے سفر کیا ہوگا۔ یا پھر کوئی اور طریقہ اپنایا ہو گا۔

"پلیز یہاں بہت ایمرجنسی ہے۔ آپ اپنی مقامی یونٹ سے درخواست کریں کہ کرنل مونگیا کو تلاش کرے۔ صورت حال بہت خطرناک ہے۔"

کیپٹن ناگرے نے اپنی درخواست دہرائی اور دوسری طرف سے اثبات میں جواب ملنے پر بریگیڈیر ملہوترہ سے رابطہ کر کے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

ملہوترہ کے لئے بھی یہ خبر تشویشناک تھی۔

"تم اپنے لوگوں کے ساتھ پونا صاحب کی طرف نکلو۔ فوراً۔"

اس نے مختصر سا حکم دے کر فون بند کر دیا۔

کیپٹن ناگرے کو اگر یہ حکم نہ بھی ملتا تو بھی اس نے مسوری کی طرف رخت سفر باندھ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کرنل مونگیا ضرور اس طرف گیا ہوگا۔

اپنے تین تو جوانوں کے ساتھ وہ جیپ کو اڑاتا ہوا مسوری پہنچا تھا جہاں اس نے فوراً ہی مقامی پولیس چیف سے رابطہ کیا۔ کیپٹن ناگرے نے تو پولیس فورس کی مدد حاصل کرنے کے لئے رابطہ کیا تھا لیکن یہاں سے جب اسے آج صبح ایک نامعلوم لاش ملنے کی خبر ملی جس کی تصویر تھوڑی دیر تک ایس پی آفس پہنچنے والی تھی تو وہ تصویر کا انتظار کرنے کے بجائے مقامی تھانے کی طرف بھاگا۔ جہاں سے اجنبی لاش کو مردہ خانے روانہ کر دیا گیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیپٹن ناگرے اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ جب مقامی سول ہسپتال کے مردے خانے ڈیوٹی پر موجود پولیس کے دو جوانوں نے اسے روکنا چاہا تو اس نے دونوں کو دھکا دے کر ایک طرف کر دیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پائیں کیپٹن ناگرے کے عقب میں آنے والے اس کے جوانوں نے اس پر قابو پالیا۔

مردہ خانے میں صرف ایک لاش پڑی تھی۔

لاش کے منہ سے کپڑا ہٹا کر جب کیپٹن ناگرے نے اس کا چہرہ دیکھا تو گھبراہٹ سے چادر کا پلو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس نے بمشکل اپنے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ آواز کا گلا دبایا تھا۔

"اف بھگوان۔"

بالآخر کپکپائی آواز میں اس نے کہا۔

کیونکہ دوسری مرتبہ بھی کپڑا الگ کر کے دیکھنے پر نتیجہ مختلف برآمد نہیں ہوا تھا۔

اس کے سامنے کرنل مونگیا کی لاش پڑی تھی۔

"کرنل مونگیا مارا گیا۔"

اس نے سنبھل کر بے یقینی کے انداز میں سر ہلایا اور سارے جسم سے چادر اتار دی۔

اب شبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔

کیپٹن ناگرے جس رفتار سے اندر گیا تھا اسی رفتار سے باہر آیا۔

"انہیں قابو رکھو۔"

اس نے دونوں پولیس گارڈز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے جوانوں کو حکم دیا اور خود جیپ کے وائرلیس سیٹ کی طرف دوڑا۔

سب سے پہلے اس نے بریگیڈیئر ملہوترہ کو یہ منحوس خبر سنائی تھی جس نے تین بار مختلف انداز میں اپنا سوال دہرا کر اس بات کی تسلی کرنا چاہی تھی کہ کہیں کیپٹن ناگرہ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ایسی بات نہیں تو بادل نخواستہ اس نے یہ بات ہائی کمان تک پہنچا دی۔

کیپٹن ناگرہ کو اس نے وہیں ٹھہر کر پوزیشن سنبھالے رکھنے کا حکم دیا تھا۔

قریباً پندرہ بیس منٹ بعد تین آرمی کی ایمبولینس اور گاڑیاں اس طرف آتی دکھائی دیں۔ یہ کرنل مونگیا کی یونٹ کے لوگ تھے جو اس کی لاش یہاں سے اٹھا کر فوراً ملٹری ہسپتال لے گئے۔

کیپٹن ناگرہ نے دونوں پولیس والوں کو سختی سے تاکید کر دی تھی وہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے اور پولیس کی ہائی کمان سے کہہ دیا گیا تھا کہ لاش کو نامعلوم قرار دے کر اپنی کاغذی کارروائی مکمل کرلے۔

کرنل مونگیا کی موت معمولی بات نہیں تھی۔ اس کا پوسٹ مارٹم فوراً ہی شروع ہو گیا تھا اور اگلے تین گھنٹوں میں اس کی مکمل پوسٹ مارٹم رپورٹ متعلقہ افراد کے سامنے پہنچ گئی تھی۔

مسوری میں موجود فوج کی سیکیورٹی نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہاں موجود باقی تمام ایجنسیوں نے اپنے الگ الگ بندوبست کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

وہ شخص جس نے سب سے پہلے کرنل مونگیا کی لاش کی خبر دی تھی۔ مقامی سٹیشن ماسٹر تھا۔ جسے تھوڑی دیر بعد ہی اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا احساس ہو گیا کیونکہ صبح سے رات گئے تک درجنوں افسر اس سے الگ الگ الٹے سیدھے سوالات کر چکے تھے ابھی تک اس بے چارے کو کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ مرنے والا کون ہے۔

لیکن اسے آرمی انٹیلی جنس نے ضرور اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس کے گھر والوں کو مطمئن کر دیا گیا تھا اور سختی سے زبان بند رکھنے کی تلقین بھی کی گئی تھی۔

فوج اور پولیس کے اعلیٰ افسران نے وہاں کے چپے چپے معائنہ کیا تھا جہاں سے لاش ملی تھی۔

فوج کے تربیت یافتہ کتوں نے وہاں ایک اور شخص کے خون کی نشاندہی بھی کی تھی۔

شاید یہ قاتل کا خون تھا جس کے تعاقب میں کتے ایک کار کے ٹائروں کے نشانات تک گئے اور پھر پکی سڑک تک پہنچنے کے بعد اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر بھونکنے لگے کیونکہ اس سے آگے کار کے ٹائروں کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔

لیکن وہ جس سڑک تک آئے وہ شملہ کی طرف جا رہی تھی۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

پروپ سنگھ کا ہیلی کاپٹر لینڈ کر رہا تھا جب اسے "پونا صاحب" سے کرنل سونگیا کی لاش اور اب تک ہونے والی تفتیش کی رپورٹ ملی۔

"ڈیم اٹ.........."

اس نے غصے سے گلا پھاڑتے ہوئے کہا۔

مقامی ہسپتال پر اس کی جس ڈاکٹر جیکب سے ملاقات ہوئی اس کا شکار نہیں تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ہیلی کاپٹر پر "پونا صاحب" کی طرف عازم سفر تھا۔ اس نے اپنے مقامی ماتحت کو تمام تفصیلات ہیڈ کوارٹر کو دینے کی ہدایت کر دی تھی اور اب ہیلی کاپٹر کے وائرلیس ریڈیو پر اپنے ہیڈ کوارٹر میں بات کرنے کے بعد ان سے اگلی ہدایات موصول کر رہا تھا۔

ооо

طاہر نے کامنی کی آنکھوں میں نمی بڑی واضح محسوس کی تھی۔ وہ جانتا تھا اس وقت کامنی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ شیلا اور کامنی کی محبت کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ شیلا کو شاید اس بات کا علم نہ رہا ہو لیکن کامنی تو جانتی تھی کہ اب زندگی میں شاید ہی وہ اپنی دوست سے دوبارہ مل پائے۔

دونوں کچھ دیر تک خاموشی سے پیدل چلتے رہے۔ طاہر سمجھتا تھا کہ کامنی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ شاید وہ خاموش رہ کر کامنی کو اپنی حالت سنبھالنے اور نارمل ہونے کا موقع دے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں ایک دوسرے سے بات کر لینی چاہیے۔"

بالآخر اس نے خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔"

کامنی بے ساختہ مسکرا دی۔

دونوں نے ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھایا۔ طاہر کو اگر کامنی کی ذہنی حالت کی فکر دامن گیر تھی تو کامنی اس کے زخم سے متعلق پریشان تھی۔ ابھی تک زخم پر ٹانکے لگے تھے۔ طاہر کی انگلیاں بینڈیج سے محفوظ تھیں۔ اس لئے اس نے دونوں ہاتھوں پر اونی دستانے چڑھائے ہوئے تھے۔ یہی حال کامنی کا تھا۔ جس نے نہ صرف ہاتھوں پر دستانے بلکہ گرم کوٹ کے علاوہ اپنے سر پر گرم ٹوپی اوڑھنے کے بعد ایک شال سے اپنا منہ قریباً چھپا رکھا تھا۔ دونوں نے آنکھوں پر عینکیں چڑھا رکھی تھیں۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

شدید سردی کی وجہ سے یہاں کے لوگ ایک مخصوص قسم کی ٹوپی اپنے سر پر پہنتے تھے جو سر کے بعد کانوں سے ہوتی ہوئی گردن تک پہنچ جاتی تھی اور اس میں صرف پہننے والے کی آنکھیں ہی دکھائی دیتی تھیں۔ شیلا نے ان کے سامان میں یہ ٹوپیاں بھی رکھ دیں تھیں لیکن دونوں نے انہیں استعمال کرنا فی الوقت مناسب نہیں جانا تھا۔

تھوڑی دور تک پیدل چلنے کے بعد انہیں اپنے اردگرد "یاتریوں" کی بھیڑ دکھائی دینے لگی۔ یہ وہ لوگ تھے جو مقامی میلے میں شرکت کرنے کے لئے آئے تھے۔ شدید سردی نے بھی ان کے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کیا تھا۔ اور وہ سب زور زور سے اونچی اونچی آواز میں بھجن الاپتے اس پہاڑ کی طرف رواں دواں تھے جہاں ایک مندر میں آج کی مخصوص عبادت کی جارہی تھی۔

اس بھیڑ کے بیچوں بیچ رستہ بناتے دونوں اطمینان سے اپنی اگلی منزل کی طرف رواں دواں تھے ایک مرتبہ پھر کامنی نے مسوری میں خریدے ہوئے "پیتامبر" اپنے اور طاہر کے کندھے پر ڈال دیئے تھے۔ اب وہ یاتریوں کی بھیڑ کا حصہ ہی بنے چل رہے تھے۔

کامنی تو نہیں چاہتی تھی کہ طاہر زیادہ دیر تک پیدل چلے لیکن طاہر کسی خطرے کو ایک لمحے کے لئے بھی نظرانداز نہیں کرسکتا تھا اس نے کامنی کے کہنے کے باوجود پیدل چلنا ہی مناسب جانا۔ یوں بھی اب وہ جسمانی طور پر مکمل فٹ تھا۔ ڈاکٹر شیلا نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دونوں کو پیدل چلتے قریباً پون گھنٹہ ہوگیا تھا۔ اور اب وہ مختلف پہاڑی راستوں کا چکر کاٹنے کے بعد اس مقامی بس سٹینڈ تک آگئے تھے جہاں سے چلنے والی ویگنیں اور بسیں شملہ جاتی تھیں۔ ان کو مقامی ٹرانسپورٹ ہی کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ یہ سروس صرف سولان سے شملہ تک ہی چلتی تھی۔

دونوں ایک ویگن میں خاموشی سے سوار ہوگئے۔

ان کے اطوار سے یہی دکھائی دے رہا تھا جیسے نوبیاہتا جوڑا کوئی منت پوری کرنے کے لئے یہاں بادل نخواستہ اتنی سردی میں آیا ہو۔

سولان سے شملہ تک اگر سرکاری ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کیا جاتا تو وہ دو گھنٹے میں پہنچ جاتے لیکن اس بس نے انہیں تین ساڑھے تین گھنٹوں میں پہنچایا تھا کیونکہ ہر پندرہ منٹ کے بعد اس کا اگلا سٹاپ آجاتا تھا۔

کامنی اگروال نے یہ قدم بطور احتیاط اٹھایا تھا وہ جانتی تھی کہ ایسی مقامی قسم کی ٹرانسپورٹ کو زیادہ چیک نہیں کیا جاتا۔

شملہ میں زندگی اپنے مکمل جوبن پر دکھائی دے رہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکتی دھوپ نے سفید رنگ کے برف میں ڈھکے پہاڑوں پر سرمئی رنگ کا عجیب سا جال بن دیا تھا۔ ویگن ایک بس سٹینڈ کے نزدیک ہی رُکی تھی دونوں اپنے اپنے بیگ سنبھالے۔ اب کسی "ڈھابے" کی تلاش میں رواں دواں تھے۔

کامنی کی خواہش تھی کہ طاہر کوئی بیگ نہ اٹھائے لیکن طاہر نے زبردستی دو بیگ سنبھالے ہوئے تھے جب کہ تیسرا بیگ کامنی کے پاس تھا جس میں طاہر کی دوائیاں اور بینڈیج کا سامان رکھا تھا۔ کامنی نے سولان سے روانگی پر ہی پانی کی بوتل اپنے ساتھ کرلی تھی اور راستے میں ایک لمحے کے لئے بھی اسے دوا دینے میں چوک نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر شیلا نے بطور خاص ہدایت کی تھی کہ وہ طاہر کو بروقت دوا دیتی رہے کیونکہ شدید سردی اور بے آرامی کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں درد ہوسکتا تھا۔ البتہ وہ زخم میں ہونے والے ممکنہ انفیکشن کی طرف سے مطمئن تھی کیونکہ یہاں برف باری کی وجہ سے آلودگی کے زیادہ امکانات نہیں تھے۔ یوں بھی انفیکشن روکنے کا مکمل اہتمام اس نے کردیا تھا۔

دونوں کچھ دیر پیدل چلتے اب ایک ڈھابے پر آگئے تھے۔

ڈھابے کا مالک "پاپا سکھ" تھا جو اپنی بڑی سی توند کھدری داڑھی اور میلی سی پگڑی سر پہ رکھے خود ایک تخت پوش پر رکھی بڑی سی فوم کی گدی پر آلتی پالتی مارے کمبل اوڑھے کاؤنٹر کے سامنے بیٹھا تھا جب کہ اس کے ملازم گاہکوں کے سیوا میں مصروف تھے۔

اس کی کاروباری نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ اس کے ڈھابے پر آنے والا نوبیاہتا جوڑا کسی اچھے گھرانے کا لگتا ہے۔ اس لئے وہ خود اپنی سیٹ سے اٹھ کر گرم پانی جگ میں لے کر ان کی طرف گیا تھا۔

"مہاراج جی جل پانی (ہاتھ دھو) کرلیں۔"

اس نے طاہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سردار جی دھنواد۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ کہہ کر کامنی نے اس کے ہاتھ سے پانی کا جگ پکڑ لیا اور اپنی طرف مخاطب کر کے دال میں دیسی گھی کا تڑکا لگانے کی ہدایات دینے لگی۔

"اپنی نگرانی میں ذرا اچھی طرح بنوایئے۔"

اس نے اگلی بات کہہ کر سردار جی کو وہاں سے ہٹا دیا۔

سردار جی کو کامنی کے طور اطوار نے احساس دلا دیا تھا کہ وہ کوئی سرکاری قسم کی افسر ہے اور اپنے گھر والے کو بھی اس نے دبا کر ہی رکھا ہوگا۔ وہ لڑکوں کو اونچی آواز میں ہدایات دیتا واپس کاؤنٹر کی طرف چل دیا اور کامنی نے ڈھابے (ہوٹل) کے ایک کونے میں موجود واش بیسن پر اپنے ہاتھوں سے پانی انڈیلتے ہوئے طاہر کا ایک ہاتھ اور منہ دھلوا دیا تھا۔ اس نے طاہر کو سختی سے اپنا دوسرا ہاتھ دستانے میں ہی رکھنے کی تلقین کی تھی۔

یہاں گرم پانی کا جگ کسی وی آئی پی کو ہی پیش کیا جاتا تھا۔ ورنہ تو لوگ برفیلے پانی سے ہی ہاتھ دھوتے تھے۔

کامنی اب طاہر کو لے کر ڈھابے کے ایسے کونے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے طاہر اطمینان سے ایک ہاتھ سے کھانا کھا سکتا تھا جبکہ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر ڈھابے کے اندر باہر اور سارا منظر دیکھ سکتی تھی۔

سردار جی نے واقعی خصوصی ہدایت کے ساتھ تڑکے والی دال اور پھلکے بھیجے تھے۔ دیگر لوازمات الگ تھے۔ کامنی کے بضد ہونے پر طاہر نے ضرورت سے زیادہ ہی سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت پر کامنی کے حکم پر سردار صاحب نے ایک اور جگ گرم پانی کا بھیج دیا تھا۔ جس سے دونوں نے ہاتھ دھوئے اور بل کی ادائیگی بھی اب کامنی نے کی تھی۔

اب تو سردار قسم کھا سکتا تھا کہ اس کا خاوند بالکل ہی "چھڑو" قسم کا آدمی ہے اور اس کے نیچے لگا ہوا ہے۔

دونوں اطمینان سے ڈھابے سے باہر آ گئے تھے..........!!!

کامنی طاہر کی جسمانی حالت کے پیش نظر اسے رات یہاں گزارنے کا مشورہ دے رہی تھی لیکن طاہر کے بضد ہونے پر بادل نخواستہ اس نے آگے سفر کا ارادہ کیا تھا کیونکہ طاہر کسی بڑے سٹیشن کی بجائے کسی چھوٹے سٹیشن پر رات گزارنا زیادہ مناسب سمجھتا تھا۔

کامنی کو بالآخر اس کی بات ہی ماننی پڑی اور شام تک کا وقت وہاں گزارنے کے بعد وہ ایک بڑی بس کے ذریعے ڈلہوزی کی طرف روانہ ہو گئے۔

بس شملہ سے کلی کوری ہوتی ہوئی "منڈی" پہنچی تھی اور یہی ان کی منزل تھی۔ کامنی حیران تھی کہ طاہر کو اس سے زیادہ اس علاقے کی خبر کیسے ہے۔

رات ڈھل چکی تھی جب بس نے انہیں شہر کے وسط میں اتارا۔ دور دور تک کوئی دکان کھلی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ البتہ دو تین پرائیویٹ کاروں میں سکڑے سمٹے ڈرائیور ان کی طرف ضرور بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

"یس سر۔"

"یس میڈم۔"

تینوں نے بار بار انہیں مخاطب کیا تھا۔

"ادھر کوئی اچھا ڈاک بنگلہ ہے کیا"

طاہر نے افسرانہ لہجے میں ان سے دریافت کیا۔

"یس سر! یس سر! میں لے جاتا ہوں آپ کو۔"

ان میں سے ایک قدرے ڈھلتی عمر کے نوجوان نے کہا۔

"او۔ کے"

طاہر نے شان حکمت سے کہا۔

ابھی اس کے منہ سے یہ دو لفظ نکلے ہی تھے جب اس نے بجلی کی سی پھرتی سے ان کے تینوں بیگ اٹھا کر اپنی ٹیکسی کی طرف دوڑ لگا دی۔

باقی دونوں حسرت سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ بے چارے شاید ایک سواری کی امید پر ہی یہاں کھڑے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور کو بھی اندازہ ہوا تھا کہ طاہر کوئی بڑا سرکاری افسر ہے۔ یوں تو ان کے نزدیک یہاں آنے والا ہر شخص ہی کوئی بڑا آدمی ہوتا تھا لیکن طاہر تو اپنی چال ڈھال سے بھی کوئی بڑا آفیسر لگتا تھا۔

دونوں کو وہ جس ڈاک بنگلے میں لایا تھا اس کے باہر ایک کونے پر بورڈ پر لٹکتے بلب کی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مدھم روشنی میں "سی آر پی ایف" (سنٹرل ریزرو پولیس فورس) کے الفاظ پڑھ کر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خواہ مخواہ مسکرا دیے۔

کامنی نے تو یہاں سے کہیں اور جانے کا ارادہ باندھا تھا لیکن طاہر نے اس کا عندیہ بھانپ کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ مطمئن اور خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

طاہر نے جان لیا تھا کہ یہاں وہ خود نہیں آئے بلکہ قدرت انہیں لے کر آئی ہے ضرور اس میں کوئی حکمت ہی ہوگی۔

ان کا استقبال ایک مستعد گارڈ نے کیا تھا دونوں نے اپنا تعارف ڈاکٹرز کی حیثیت سے کروایا اور بغیر کسی تحقیق کے انہیں ایک آرام دہ کمرہ مل گیا۔

رات کا کھانا انہیں کمرے ہی میں مقامی میس سے سپلائی کیا گیا تھا اور اب وہ دونوں کمرے میں لگے آتش دان کے سامنے آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔

حیرت کی بات تھی کہ دونوں کو کسی سوال و جواب کے بغیر کمرہ ملا تھا۔ صرف طاہر نے ایک رجسٹر پر شملہ کے ایک سرکاری ہسپتال ڈاکٹرز ہوسٹلز کا اپنا ایڈریس لکھ دیا تھا۔

کامنی نے اطمینان سے یہاں اس کی بینڈیج تبدیل کی اور پرانی پٹیاں وہاں پھینکنے کے بجائے انہیں ایک پولی تھین کے لفافے میں بند کر کے کمرے کی کھڑکی سے باہر اس نالے میں پھینک دیا تھا جو پہاڑوں سے بہتا ہوا اس ڈاک بنگلے کی پشت سے گزرتا تھا۔ طاہر نے اسے اطمینان دلانے کے لیے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو اچھی طرح جنبش دی تھی تا کہ کامنی کو اطمینان رہے کہ اس کا زخم مندمل ہو چکا ہے اور ہاتھ بھی صحیح کام کر رہا ہے۔

کامنی نے بطور خاص دیکھا تھا کہ زخم نارمل تھا اور اس میں پیپ وغیرہ نہیں پڑی تھی۔ جو بہت اچھا شگون تھا اب وہ اگلے روز اطمینان سے اس کے ٹانکے نکلوا سکتی تھی۔

دونوں رات دیر گئے تک آتش دان کے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کامنی نے اسے اپنے ماضی کی کہانیاں سنانی شروع کیں اور سناتی چلی گئی۔

اس نے اپنے بچپن لڑکپن جوانی اور عملی زندگی کا ایک ایک ورق کھول کر طاہر کے سامنے رکھ دیا تھا۔

طاہر ایک ماہر نفسیات کی طرح اس کی ایک ایک بات کا تجزیہ کر رہا تھا اور آدھی رات گئے جب بوجھل دل اور رندھے ہوئے گلے کے ساتھ اپنی کہانی ختم کرتے ہوئے بے اختیار وہ طاہر کے سینے سے جا لگی تو طاہر کو احساس ہوا کہ کامنی کے ساتھ کتنی زیادتی ہوئی ہے۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کامنی اپنے سماج میں کبھی مطمئن رہی ہی نہیں اور بچپن ہی سے اس کے اندر قدرتی طور پر ایک انقلاب جنم لے چکا تھا۔ یہ تبدیلی بہت قبل رونما ہوئی تھی۔ اس نے بہرحال حق سچ پر لبیک کہا تھا۔

طاہر کے بضد ہونے پر وہ بستر پر لیٹ گئی جبکہ طاہر زمین پر آتشدان کے نزدیک کمبل پھینک کر لیٹ گیا۔

دونوں تھوڑی دیر ہی سوئے تھے جب صبح ہو گئی۔

صبح کا ناشتہ بھی انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا۔ پھر ایک ٹیکسی وہیں منگوا کر اس کے ذریعے بظاہر یہاں کے سول ہسپتال کا رخ کیا کیونکہ انہوں نے یہی تاثر دیا تھا جیسے یہاں ان کا تبادلہ ہوا ہے۔

ٹیکسی کو رخصت کرنے کے بعد ہسپتال کے دوسرے دروازے سے نکل کر دونوں پیدل چلتے بازار کے ایک کونے میں بس سٹینڈ تک پہنچے۔ جہاں سے ایک بس کے ذریعے وہ ڈلہوزی کی طرف جا رہے تھے۔

○○○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈاکٹر شیلا معمول کے مطابق اپنے کلینک سے فارغ ہو کر کچھ دیر ستانے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آئی تھی۔ وہ دوپہر کو تین گھنٹے کا وقفہ کرتی تھی۔ اس دوران لنچ اور کچھ دیر سونے کے بعد پھر رات دیر گئے تک وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔

کاشی کو یہاں سے گئے آج دوسرا دن تھا اور اس کا دل کہتا تھا کہ وہ دونوں جہاں بھی ہیں ضرور اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گئے ہوں گے۔

ڈاکٹر جیکب کا کورس ابھی چل رہا تھا اور آج ہی اس نے شملہ سے فون کر کے شیلا کی خیریت بھی معلوم کی تھی۔

ڈاکٹر شیلا نے اپنی دانست میں کوئی ایسا نشان گھر میں نہیں رہنے دیا تھا جس سے کاشی اور طاہر کی یہاں موجودگی کا شائبہ بھی گزرتا ہو۔

آج مقامی میلہ ہونے کی وجہ سے مریض کچھ زیادہ ہی آئے تھے اور دو تین شدید زخمیوں کو داخل کرنا پڑا تھا۔ شیلا قدرے تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی اور اب اپنے بستر پر گر کر لمبے سانس لے کر گویا تھکاوٹ دور کر رہی تھی۔ آج وہ اتنا تھک گئی تھی کہ اب اس کا دل کچن میں جا کر لنچ تیار کرنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

جیسے تیسے اس نے رات کے سالن کے ساتھ ایک روٹی زہر مار کی اور کپڑے بدل کر اپنے بستر پر گر گئی۔

اس نے اپنے اسسٹنٹ واڈیکر سے کہہ دیا تھا کہ شدید ضرورت پر بھی اسے نہ اٹھائے

واڈیکر خود ایک مکمل ڈاکٹر تھا اور اپنی مالکن ڈاکٹر شیلا کی انسان دوستی کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

اس نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر شیلا جیسی دردِ دل رکھنے والی ڈاکٹر نہیں دیکھی تھی جو بظاہر تو یہ پرائیویٹ ہسپتال چلا رہی تھی لیکن عملاً صورت حال یہ تھی کہ یہاں آنے والے مریضوں کو کسی بھی جنرل ہسپتال سے زیادہ سہولیات حاصل تھیں۔

آدھے سے زیادہ مریضوں کا علاج یہاں مفت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی واڈیکر کو مریضوں پر غصہ بھی آتا کہ وہ جان بوجھ کر جنرل ہسپتال جانے کے بجائے یہاں کیوں چلے آتے ہیں کیونکہ ڈاکٹر شیلا ان کو ادویات بھی خود خرید کر دیا کرتی تھی۔

اس نے جب بھی ڈاکٹر شیلا کو اپنا رویہ بدلنے کے لیے کہا۔ شیلا مسکرا کر رہ جاتی۔ اس نے واڈیکر سے ایک روز کہا کہ مقامی آبادی کی غربت کا اندازہ کیا اسے نہیں ہے؟ یہ لوگ کہاں سے اتنے مہنگے علاج کے لیے پیسے لائیں؟ اور ڈاکٹر شیلا کی مجبوری یہ تھی کہ اسے یہ ہل سٹیشن بہت پسند آیا تھا اور وہیں بسیرا کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت ہسپتال میں واڈیکر اور دو نرسیں اپنے کام میں مصروف تھیں اور ڈاکٹر شیلا اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اچانک وہاں ایک طوفان بدتمیزی گھس آیا۔

چار جیپیں یکے بعد دیگرے وہاں آ کر رکیں جن میں سے سویلین کپڑوں میں ملبوس آٹھ دس جوان جنہوں نے ہاتھوں میں آٹومیٹک اسلحہ تھام رکھا تھا ہسپتال میں گھس آئے۔ انہوں نے یہاں داخلے کے لیے جو غیر مہذب طریقہ استعمال کیا تھا اس نے واڈیکر کا پارہ چڑھا دیا۔

تین چار دیوار پھاند کر باقی سامنے اور پیچھے کے دروازے سے اندر آئے اور انہوں نے ہسپتال کے مختلف کونوں میں ایسے پوزیشن سنبھال لیں جیسے اچانک ہونے والے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی جاتی ہے۔

پردیپ سنگھ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ اوپر ایمرجنسی روم میں گھس آیا جہاں تین مریضوں کو گلوکوز کی بوتلیں لگی ہوئی تھیں اور ایک کونے میں واڈیکر اور دو نرسیں اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالے بیٹھے تھے۔

"شیلا کہاں ہے؟"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

اس نے اندر گھستے ہی واڈیکر سے بڑی بدتمیزی سے دریافت کیا۔

"آپ کون ہیں؟"

واڈیکر نے قدرے خوف اور غصے سے ملے جلے جذبات سے پوچھا کیونکہ اس کے دونوں ساتھیوں نے وہاں لیٹے مریضوں کے نزدیک پہنچ کر انہیں گھورنا شروع کر دیا تھا جیسے وہی ان کے مطلوبہ ملزم ہوں۔

"شٹ اپ.......... تم سے جو پوچھا جائے اس کا جواب دو۔"

پردیپ سنگھ نے واڈیکر کو گالی دیتے ہوئے کہا۔

واڈیکر کو اس سے گالی کی توقع نہیں تھی۔ اس نے زندگی میں شاید ہی کسی سے گالی کھائی ہو۔ بے عزتی اور نرسوں کے سامنے.......... اس صورتحال نے اس کا دماغ گرم کر دیا۔

"کیا بکتے ہو؟ تمیز سے بات کرو۔ یہ ہسپتال ہے۔ تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ بات کیسے کی جاتی ہے؟"

واڈیکر نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"سالے تجھے تو پہلے سیدھا کروں۔"

یہ کہہ کر پردیپ سنگھ نے واڈیکر کے منہ پر اتنا زور سے تھپڑ مارا کہ وہ سامنے کی دیوار سے ٹکرا کر گر پڑا۔

دونوں نرسیں خوفزدہ ہو کر اسے لعن طعن کر کے واڈیکر کی مدد کو آگے بڑھیں تو پردیپ سنگھ نے انہیں بازوؤں سے جھٹکے دے کر الگ کر دیا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے ان کی طرف بندوقیں تان لی تھیں۔

حیرت انگیز طور پر واڈیکر خوفزدہ ہونے کے بجائے غصے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور پردیپ سنگھ کی طرف بڑھا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے.......... اگر تم کوئی سرکاری آدمی ہو تو یاد رکھنا تمہیں اس تھپڑ کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں.......... تمہیں کیا کام ہے..........؟ اور یہ کیا طریقہ ہے؟"

اس نے بدقت تمام اپنے منہ میں پردیپ سنگھ کے لیے آنے والی گالیوں کو روک کر محض

اتنا ہی کہا۔

"کہاں ہے اس کا کمرہ..........؟"

پردیپ سنگھ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

دونوں نرسیں جو سہم کر خوف سے کانپ رہی تھیں اب ان میں سے ایک باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

دوسری نے اس مصیبت سے نکلنے کی شاید یہی آسان ترکیب سوچی کہ واڈیکر کے مزید کسی سوال نما جواب سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"اوپر.......... میڈم اوپر رہتی ہیں۔"

"دیکھو تمہیں جو بھی بات کرنی ہے مجھ سے کرو۔ اس وقت میڈم کو.........."

واڈیکر کی بات نامکمل ہی رہ گئی۔ جب پردیپ سنگھ نے اسے دھکا دے کر ایک طرف کیا اور جدھر نرس نے اشارہ کیا تھا۔ اس طرف کی سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے ابھی تک ان کی طرف بندوقیں تانی ہوئی تھیں۔

○ ○ ○

شیلا کی ابھی بمشکل آنکھ ہی لگی تھی جب ایک زوردار جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے یوں لگا جیسے اچانک زوردار دھماکہ ہوا اور شیلا کے پلنگ نے اسے پیروں پر اچھال کر بٹھا دیا۔

یہ دھماکہ کسی بم کا نہیں بلکہ اس کے بیڈروم کے دروازے کا تھا جو کسی نے بدتمیزی اور زور سے کھولا تھا کہ وہ اندر کی دیوار سے ٹکرایا اور زوردار آواز پیدا ہوئی۔ پریشان کن اور حیرت زدہ آنکھوں کے ساتھ ڈاکٹر شیلا نے دیکھا۔ دروازے کے عقب میں ایک لڑکی اس کی طرف پستول تانے کھڑی ہے۔

یہ نیلم تھی..........!

پردیپ سنگھ کی ماتحت.......... جسے اپنے باس کی طرح کارنامے دکھانے کا شوق تھا۔

ابھی شیلا بمشکل سنبھل پائی تھی جب نیلم کے عقب میں اسے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا پردیپ سنگھ دکھائی دیا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ان کی شکلوں پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر شیلا کو بہت کچھ سمجھ آ گیا۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اوسان بحال رہے۔

"تم ڈاکٹر شیلا ہو؟"

پردیپ سنگھ نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

"یس............ تم لوگ کون ہو؟"

جواب کے ساتھ اس نے پردیپ سنگھ سے بڑے کرخت لہجے میں اس کی شناخت بھی دریافت کر لی۔

پردیپ سنگھ نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کی ڈاکٹر نہیں ہے اور وہ قدرے محتاط ہو گیا تھا۔

"ہمارا تعلق آئی۔ بی سے ہے اور ہمیں آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

اس نے تربیت کے مطابق اپنی ایجنسی غلط بتائی۔

"کیا آئی۔ بی والے اس طرح شریف شہریوں کے گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔"

شیلا کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔

"ہمیں افسوس ہے میڈم لیکن یہ معاملات بہت سیریس ہیں۔ ہم دو خطرناک اور ملک دشمن ایجنٹوں کا تعاقب کرتے یہاں تک آئے ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ آپ کے پاس موجود ہیں۔"

پردیپ سنگھ نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ میرے گھر میں بغیر تلاشی وارنٹ کے تمہیں داخل ہونے کی ہمت کیسے ہوئی؟"

شیلا نے نفسیاتی حربہ آزمایا۔

"دیکھئے میڈم............ یہ وقت ایسے سوالات کا نہیں ہے۔ آپ برائے مہربانی ہمارے ساتھ تعاون کریں اور میرے سوالات کے جوابات دیں۔ ہمیں قانونی طور پر آپ سے سوالات کرنے کی اجازت ہے اور اپنی حدود کا علم بھی ہے۔"

نیلم کے لئے اپنے باس کا یہ لہجہ قطعی اجنبی تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ پردیپ سنگھ کو اتنی تمیز سے گفتگو کرتے سنا تھا۔

شیلا اس دوران بستر سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھو مسٹر............ تم جو کوئی بھی ہو۔ میں صرف اس لیے تمہاری باتوں کے جواب دے رہی ہوں کہ میں ایک وطن دوست بھارتی ناگرک (شہری) ہوں اور میری وجہ سے اگر کوئی "دیش دروہی" (ملک دشمن) پکڑا جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ لیکن تمہارے یہاں گھسنے کا طریقہ مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔

اس نے بڑے نارمل لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری میڈم............ لیکن میں نے آپ کو بتایا ناں............"

پردیپ سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے............ میرے خیال سے تمہارے سورماؤں نے اب تک میرے مریضوں کو خاصا ہراساں کر لیا ہوگا اور میرے گھر کی تلاشی بھی لے لی ہوگی۔ اس لئے برائے مہربانی تم لوگ سامنے ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ میں وہاں آ کر تم سے بات کرتی ہوں۔ کسی خاتون کے بیڈ روم میں گھسنا سوائے بدتمیزی کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

یہ کہہ کر اس نے پردیپ سنگھ کا جواب سنے بغیر دروازہ دھک سے بند کر دیا۔

O O O

نیلم نے چاہا کہ دوبارہ دروازے کو لات مار کر کھولے............ لیکن پردیپ سنگھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے نارمل کر دیا۔

اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اس نے نیلم کو اشارے سے دوسرے کمرے میں آنے کے لیے کہا اور دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ "سالی پہنچی والی لگتی ہے۔ کوئی اور پھڈا نہ پڑ جائے۔ یہ بھی تو ممکن ہے ہمارا اندازہ غلط ہو۔"

اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نیلم سے کہا۔

دونوں یہ بات جانتے ہی تھے کہ ان کے ساتھیوں نے اب تک اس ہسپتال کا چپہ چپہ چھان مارا ہوگا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ڈاکٹر شیلا نے بظاہر تو باتھ روم کا رخ کیا تھا لیکن اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالنے کے فوراً بعد اس نے بیڈروم کے فون سے مقامی ایس پی کو جس کی ساری فیملی دونوں میاں بیوی کی مریض تھی' بڑی خاموشی سے اپنے ساتھ ہونے والی ایمرجنسی سے باخبر کر کے فوراً پہنچنے کی درخواست کی تھی......

اور..........

ایس پی نے اسے مطمئن رہنے کے لئے کہا تھا۔

تین چار منٹ بعد جب وہ بظاہر نارمل ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے یوں انہیں مخاطب کیا جیسے اپنے مریضوں سے بات کیا کرتی ہے۔

پردیپ کے اشارے پر نیلم نے اس کی طرف دونوں تصویریں بڑھا دیں...... دونوں کو وہ پہچانتی تھی۔

"آپ ان لوگوں کو جانتی ہیں؟"

پردیپ سنگھ نے دریافت کیا۔

"میں...... یہ تو میری بچپن کی سہیلی کامنی ہے۔ دوسری تصویر کس کی ہے' میں نہیں جانتی۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"غور سے دیکھئے۔ میڈم شاید آپ اسے بھی پہچان جائیں۔"

اس مرتبہ زہرخندہ مسکراہٹ کے ساتھ نیلم نے کہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں اور آپ سے بہتر اپنی نظر کے متعلق جانتی ہوں۔ میری آنکھیں بھی بھگوان کی کرپا سے بالکل صحیح ہیں۔"

اس نے قدرے تلخی سے جواب دیا۔

"آل رائٹ...... آپ یہ بتا دیجئے کہ کل کامنی یہاں کیا کرنے آئی تھی۔" اپنی دانست میں پردیپ سنگھ نے بڑا زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

"کل...... یہ آپ سے کس نے کہہ دیا...... کاش! وہ میرے پاس آئے۔ اس نے تو میرے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔ ایسی بے وفا نکلی...... گھر والوں کی طرح اس نے بھی ملنا چھوڑ دیا۔ مجھے اس کی امید نہیں تھی۔ بہرحال دنیا شاید اسی کا نام ہے.........." ڈاکٹر شیلا نے سوگوار لہجے

میں کہا۔

"گویا آپ کو یقین ہے کہ وہ کل یہاں نہیں آئی تھی؟"

پردیپ سنگھ نے زہرخندہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"لک مسٹر.......... میں ایک بات کا جواب ایک مرتبہ ہی دیا کرتی ہوں۔ شادی کے بعد سے میں کامنی کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں.......... سمجھے تم...... وہ میری بچپن کی دوست ہے۔ میں نے اس سے کب انکار کیا۔ اب تو وہ انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ اگر وہ کوئی قاتلہ بھی ہوتی تو بھی میرے اس کے لیے یہی جذبات ہوتے۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں اسے جانتی بھی نہیں...... لیکن وہ یہاں کبھی نہیں آئی...... شادی کے بعد کبھی نہیں آئی۔ حرام خور...... الو کی پٹھی...... کاش......! ایک مرتبہ مل جائے۔"

ڈاکٹر شیلا کالج کے زمانے میں بہترین اداکارہ مانی جاتی تھی اور آج اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کر رہی تھی۔

"دیکھئے میڈم.......... ہمارے پاس اس بات کے مکمل ثبوت موجود ہیں کہ وہ آپ کے پاس آئی تھی اور اب وہ کوئی انٹیلی جنس آفیسر نہیں ایک غدار ہے۔ جس نے اپنے دیش کو تباہ کرنے کی سازش میں حصہ لیا ہے۔"

پردیپ سنگھ قدرے جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔

"اگر تمہارے پاس ثبوت ہیں تو اسے یہاں سے برآمد کر لو.......... اور خبردار میرے سامنے کامنی کے متعلق کوئی غلط بات نہ کہنا۔"

شیلا کے آخری نفسیاتی حملے نے تو اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ پردیپ سنگھ اگلا سوال کرے' سیڑھیوں سے مقامی ایس پی اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اوپر آتا دکھائی دیا۔

○ ○ ○

"وٹس پرابلم......؟"

اس نے ڈاکٹر شیلا سے ہاتھ ملاتے ہوئے دریافت کیا۔

"آپ کے یہ بہادر افسران یہاں مجرم ڈھونڈنے آئے ہیں.......... شاید میں کوئی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

دہشت گرد ہوں کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔"

شیلا نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

پردیپ سنگھ کو اس دوران اطمینان ہو چکا تھا کہ واقعی وہ لوگ یہاں نہیں آئے اور اسے اس طرح حملہ آور نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"کون ہیں جناب آپ؟"

ایس پی نے پردیپ سنگھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اس طرف آیئے۔"

پردیپ سنگھ نے شاید اسے کوئی خاص اشارہ کیا تھا۔ دونوں دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی، اس کا اندازہ تو ڈاکٹر شیلا کو نہ ہو سکا۔ لیکن تین چار منٹ بعد جب وہ باہر نکلے تو پردیپ سنگھ نے اس سے معذرت کرتے ہوئے درخواست کی تھی کہ وہ اس سارے واقعہ کو اپنے تک ہی محدود رکھے۔ اس نے شیلا سے کہا تھا کہ کامنی اگروال ایک غیر ملکی دہشت گرد کے ساتھ ملک کا بہت بڑا نقصان کر کے فرار ہو گئی ہے اور وہ لوگ اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر وہ یہاں آئے تو برائے مہربانی انہیں خبر دے۔ اس کے ساتھ اس نے ڈاکٹر شیلا کو اپنا مقامی نمبر بھی دیا تھا۔

ایس پی نے خود بھی اس سے درخواست کی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک میز پر چائے پی رہے تھے جو ڈاکٹر شیلا نے ان کے لئے تیار کی تھی۔ اس دوران پردیپ سنگھ خود کو بہت شرمندہ محسوس کر رہا تھا اور اس نے واڈیکر کے ساتھ ہونے والے سلوک پر معذرت بھی کی تھی۔

لیکن..... پردیپ سنگھ نے یہ سب کچھ ٹھنڈے پیٹوں نہیں کہا تھا۔ ایس پی نے اُسے کہا تھا کہ شیلا کے متعلق غلط رائے قائم ہی نہیں کی جا سکتی۔ جب پردیپ سنگھ نے اسے کہا کہ کامنی نے اسے اصل صورت حال کہاں بتائی ہوگی، وہ اسے دھوکے میں رکھ کر اس کی مدد حاصل کرنا چاہتی ہو گی تو ایس پی نے یہ کہہ کر اسے لاجواب کر دیا تھا کہ ڈاکٹر شیلا کو ایک مرتبہ یہ علم ہونے کے بعد کہ کامنی اور اس کا ساتھی کون ہیں؟ اس سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی اور وہ کامنی کی اصلیت جاننے کے بعد ضرور اسے بتا دیتی کہ وہ یہاں آئی تھی یا نہیں۔

اس علاقے میں ڈاکٹر شیلا اور اس کے خاوند کی سماجی حیثیت جاننے کے بعد ایک بات

کا اندازہ تو "را" والوں کو ہو گیا تھا کہ اگر ڈاکٹر شیلا کے متعلق یہ ثبوت بھی مل جاتا کہ مفرور یہاں آئے تھے اور شیلا نے ان کی مدد کی تھی تب بھی وہ ڈاکٹر شیلا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔

ان کے لیے صرف ایک ہی چانس تھا کہ وہ کامنی اگروال اور طاہر کو یہاں سے گرفتار لیتے اور یہ چانس وہ کھو چکے تھے۔

گو کہ پردیپ سنگھ وہاں سے ناکام لوٹ آیا تھا' لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اور ڈاکٹر شیلا کی مستقل نگرانی کے لئے اپنے دو ماتحت وہاں چھوڑ آیا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو شیلا کے خلاف اس بات کا ثبوت حاصل کرے کہ اس نے دونوں کو پناہ دی تھی۔

یہ بات تو ثابت تھی کہ ان دونوں میں سے ایک زخمی ضرور ہے۔ جس کا ثبوت انہیں مسوری میں مل چکا تھا۔ اب انہیں صرف اسی ایک کلیو کو بنیاد بنا کر انہیں تلاش کرنا تھا۔

اور..... یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔

OOO

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ایک مرتبہ پھر دونوں ڈلہوزی کی طرف عازم سفر تھے۔

کامنی نے ابھی تک طاہر سے اپنی اگلی منزل نہیں پوچھی تھی نہ ہی اس نے اپنی طرف سے طاہر کو ابھی تک کوئی صلاح دی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ طاہر کے ذہن میں تیار شدہ پلان کے مطابق ہی عمل کیا جائے کیونکہ وہ طاہر کو اپنا سب کچھ مان چکی تھی اور یہ سچائی اس پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ طاہر کو اپنا راہنما ماننے کا فیصلہ شاید اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔

علی الصبح جب وہ ڈلہوزی کی جانے والی بس پر سوار ہوئے تو انہیں دس فٹ کے فاصلے پر بھی کوئی شے ڈھنگ سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

دھند اور برف کے گالوں نے سارے منظر کو دھندلا کر دیا تھا اور طاہر کا دل اس وقت ڈاکٹر شیلا کے لیے بے پناہ احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو جاتا جب اسے احساس ہوتا کہ اگر شیلا زبردستی اسے لمبا گرم کوٹ نہ دیتی تو شاید اس کی ہڈیاں منجمد ہو جاتیں۔

اس نے کامنی کو زبردستی اپنی جیکٹ بھی پہنا دی تھی۔

سردی سے بچنے کے لئے انہوں نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنے جسم پر اتنا کچھ پہن رکھا تھا کہ ڈھنگ سے کسی کی شکل مکمل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

کامنی نے سر پر بھی گرم اونی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور اپنے منہ کو گرم مفلر سے اس طرح ڈھانپا ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں ہی بمشکل دکھائی دے رہی تھیں۔ طاہر کی طرح اس نے بھی ہاتھوں میں گرم اونی دستانے پہن رکھے تھے۔

طاہر نے تو اس سے بھی زیادہ اہتمام کیا تھا۔

شاید وہ زندگی میں کبھی وہ گرم ٹوپی نہ پہنتا جو کامنی اگروال نے ایک طرح زبردستی سے اسے پہنا دی تھی۔ جس نے اسے سر سے گردن تک ڈھانپ دیا تھا اور اس کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں جن پر عینک موجود تھی۔

طاہر نے بھی کامنی کی طرح گرم دستانے پہنے ہوئے تھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو خصوصاً زیادہ حدت پہنچائے رکھنے میں کوشاں تھا۔

لیکن.......... سردی جو ہڈیوں میں اتر رہی تھی اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔ اسے اپنے ہاتھ میں درد کا احساس ہو رہا تھا۔

بہر حال یہ کوئی ایسا درد نہیں تھا جو اسے پریشان کرتا۔ یوں بھی اسے اب خود کو نارمل رکھنا تھا کیونکہ کامنی کے لیے یہ اطلاع بڑی پریشان کن ہوتی کہ اس کے ہاتھ میں درد ہونے لگا ہے۔

بس ڈرائیور نے شاید بہت پہلے سے انجن سٹارٹ کیا ہوا تھا کیونکہ ڈیزل کی بو دور تک پھیل گئی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اسے دوبارہ بس کا انجن سٹارٹ کرنے میں کافی وقت پیش آتی۔ یہاں تو سردی سے یہ عالم تھا کہ خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ڈیزل کی تو بات ہی اور تھی......

خدا خدا کر کے بالآخر بس چل پڑی۔

حیرت انگیز طور پر سواریاں پوری تھیں۔ ان میں زیادہ تعداد ملازم پیشہ یا پھر وہ نوبیاہتا جوڑے تھے' جو ہنی مون منانے کے عزم سے ڈلہوزی جا رہے تھے۔ یہی روپ ان دونوں نے بھی دھارا تھا۔

بس چلی تو کامنی نے بیگ سے گرم شال نکال کر طاہر اور اپنی ٹانگوں پر ڈال دی۔ طاہر بظاہر اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن کامنی کا جو تعلق اس سے بندھ گیا تھا اس کے بعد طاہر کی کسی بھی تکلیف سے بے خبر رہنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

''درد تو نہیں ہو رہا اب..........؟''

اس نے اچانک ہی طاہر سے دریافت کیا۔

''نہیں......!''

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

طاہر نے بے ساختہ کہہ دیا۔

اور............ کامنی نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس نے طاہر کے ناں ناں کرنے کے باوجود کھڑکی کے ساتھ گرم چادر کی ایک تہہ بنا کر طاہر کو اس کے ساتھ اس طرح بٹھا دیا تھا کہ اسے گرم چادر کی گرمائش کا احساس ہوتا رہے۔ اس کے بائیں طرف وہ خود طاہر سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس طرح اس نے اپنی دانست میں طاہر کے بدن کو گرم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ اب اس نے طاہر کا بایاں بازو اپنی گود میں رکھ کر آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا تو طاہر کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہونے لگا۔

اس کا درد کم ہونے لگا تھا............!

قریباً آدھ گھنٹہ تک بس رینگ رینگ کر چلتی رہی۔ اب وہ شہر سے باہر اس پہاڑی سڑک پر آ گئے تھے جو ڈلہوزی جاتی تھی۔ انہیں آٹھ گھنٹے کا سفر طے کرنا تھا اور یہی وہ واحد بس تھی جو اپنی اچھی سروس کے لیے مشہور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شدید سردی میں بھی جب اپنے بستروں سے نکلنا ممکن نہیں ڈلہوزی جانے والے مسافر اس بس تک پہنچ چکے تھے۔

کامنی کی نظریں بار بار اپنی گھڑی کے ڈائل پر جاتی تھیں۔ گھڑی کی سوئیاں جیسے ہی آٹھ پر پہنچیں' اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے تین مختلف گولیاں نکالیں۔ اپنے قدموں میں دھرے تھرماس سے چائے ایک کپ میں انڈیلی اور گولیاں طاہر کی طرف بڑھا دیں...... طاہر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"کم از کم دوران سفر تو نرسنگ بھول جایا کرو۔"

"چپ چاپ اچھے بچوں کی طرح نگل جاؤ۔ تمہیں ابھی یہاں کی سردی کا اندازہ نہیں۔ امید ہے کہ مجھے تمہارے منہ میں خود دوا نہیں ڈالنی پڑے گی۔"

کامنی نے تھرماس کا ڈھکن بند کرتے ہوئے کہا۔

طاہر اب اسے اپنی محبوبہ سے زیادہ محسنہ جاننے لگا تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن...... کامنی نے اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ مسیحائی کا جو انداز اپنایا تھا اس نے طاہر کو بہت متاثر کیا۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب کامنی کے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ گذشتہ تین دنوں سے اس کے چہرے پر جو سکون ٹھہر گیا تھا اور جس طرح اس کی آنکھیں پرسکون رہنے لگی تھیں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اب اس کا ضمیر اپنے کسی بھی عمل پر مطمئن ہے اور اس کے دل اور دماغ میں اگر کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے کوئی جنگ جاری تھی تو وہ اب ختم ہو چکی تھی۔

ڈلہوزی تک کے سفر میں بس دو تین مرتبہ رکی تھی۔

خیریت گزری کہ راستے میں کوئی لینڈ سلائیڈنگ نہیں ہوئی تھی جس نے انہیں بروقت ڈلہوزی پہنچا دیا۔

دوران سفر انہوں نے صرف ایک جگہ چائے کے ساتھ بسکٹ کھائے تھے ورنہ تو کامنی بھی اس کی طرح سفر خالی پیٹ کرنے کی عادت تھی۔

○ ○ ○

ڈلہوزی میں بس جہاں رکی' وہاں تین چار بسیں پہلے سے موجود تھیں۔ یہاں خاصی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ سہ پہر کے چار بج رہے تھے اور دھوپ اپنے پورے جوبن پر تھی۔ ان کی نظروں کے سامنے تا حد نگاہ ڈھلان پر برف روئی کے گالوں کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ قدرت نے بڑی مہارت سے سارے منظر پر جیسے سفید چادر تان دی تھی' جس پر سورج کی سنہری کرنوں کا رقص آنکھوں کے لیے بڑا طمانیت بخش تھا۔

گرمیوں میں تو یہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی لیکن شدید سردی کے اس موسم میں یہاں کچھ زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ بس کے کلینر نے ان کا سامان جو دو بیگ پر مشتمل تھا بس کی چھت سے اتار دیا۔

کامنی کے لیے ڈلہوزی کوئی نئی جگہ نہیں تھی۔ اپنی سٹوڈنٹ لائف میں اور پھر دوران سروس وہ متعدد بار یہاں آ چکی تھی۔ ایسے ہل سٹیشن ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہے تھے۔

طاہر کے لیے البتہ یہ جگہ اجنبی تھی۔ اسے ہماچل پردیش کا صرف نقشے کی حد تک ہی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے یہاں آنے سے پہلے ہی کامنی کو اپنا رہنما بنا لیا تھا اور اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اب یہاں انہوں نے جو تین دن گزارنے ہیں' وہ کامنی کی ہدایات کے مطابق ہی گزاریں گے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاہر نے اپنے ذہن میں جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق انہیں یہاں تین چار دن گزارنے تھے۔ اس طرح اپنی دانست میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کر رہا تھا جب کہ کامنی کے لیے اس کا یہاں تین چار روز قیام اس لیے باعث طمانیت تھا کہ اس کے زخم کے ٹانکے کھلنے کے بعد اس طرح اس کا زخم مندمل ہو سکتا تھا۔

اب طاہر بھی مستقل دستانے پہنے رکھنے سے کافی الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ کیونکہ اس نے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اپنے جسم اور ہاتھوں پر کپڑوں اور دستانوں کا اتنا زیادہ بوجھ لادا تھا۔

طاہر کے منع کرنے کے باوجود کامنی نے ایک بیگ خود اٹھا لیا تھا جب کہ سفری بیگ پہلے ہی سے اس نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ تو طاہر کو بوجھ اٹھانے ہی نہیں دے رہی تھی......

دونوں آہستہ آہستہ بس اڈے سے باہر آ رہے تھے۔

کامنی اگروال کے ساتھ ساتھ اب وہ اس سڑک پر پیدل چل رہا تھا جس نے انہیں کامنی کے ذہن میں محفوظ ہوٹل تک لے جانا تھا۔

دھوپ اب ڈھلنے لگی تھی......!

ڈھلتی ہوئی مدھم دھوپ کے ساتھ فضا میں سنا برای، آخروٹ، رسونت اور خودرو بیلوں کی ملی جلی خوشبو تیر رہی تھی۔

دیودار کے گھنے جنگلوں کا سلسلہ سڑک کے دونوں اطراف پھیلتا چلا گیا تھا۔ خوشبو کی یہ لہر ان درختوں اور پات نما بچھو بوٹی سے ٹکرانے کے بعد ان کے دل و دماغ میں اتر رہی تھی۔

طاہر کو قدرے آسودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

سڑک کے ایک کونے پر ایک قطار میں تین چار ڈھابے بنے ہوئے تھے اور اس بس کے مسافر ان ڈھابوں کے سامنے رکھے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھ کر سستا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چھ سات جوڑے اور بھی اس طرف آ گئے تھے۔

یہ سب لوگ یہاں ہنی مون منانے آئے تھے اور وہ بھی فی الوقت ایک نو بیاہتا جوڑے کی حیثیت سے یہاں وارد ہوئے تھے۔

ڈھابوں کے اندر تیل کے چولہے جل رہے تھے جن پر دھری لوہے کی کڑاہیوں میں

بڑی بڑی توندوں والے بھاپے سکھ کو بھی "آلو بینگن اور سبز مرچوں کے پکوڑے تل رہے تھے۔ پوری بھاجی" آلو کے پراٹھے اور ٹکیاں......... ان کڑاہیوں سے نکال نکال کر لوہے کی بڑی بڑی چھلنیوں پر پھینکتے چلے جاتے جو پلک جھپکنے میں سامنے بنچوں پر موجود کھانے والے کے سامنے پہنچ جاتیں۔

ان کے ملازمین جنہوں نے اپنے سر رنگین مفلروں میں لپیٹ رکھے تھے "میلے کچیلے سویٹر اور کوٹ پہنے بھاگ بھاگ کر گاہکوں تک گرم گرم پلیٹیں پہنچا رہے تھے۔ اس دوران ڈھابے کے مالک انہیں برابر صلواتوں سے بھی نوازتے جا رہے تھے تاکہ ان کی کارکردگی کسی طور پر کم نہ پڑے۔

مٹی کے تیل کی بو ڈھابوں سے اٹھ کر فضا میں موجود خوشبو کے ساتھ مل کر اپنا الگ تاثر بنا رہی تھی۔

کامنی کے ساتھ طاہر ایک بنچ پر بیٹھ گیا تھا۔ ان کے سامنے دو انگریز ٹورسٹ بیٹھے تھے جن میں ایک قدرے درمیانی عمر کا مرد اور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ دونوں پر یہاں کی سردی کچھ زیادہ اثر انداز نہیں ہو رہی تھی کیونکہ انہوں نے باقی لوگوں کے برعکس صرف ایک ایک جیکٹ اور پتلون پہننے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

اپنی کمر سے بندھے بوجھ کو انہوں نے اتار کر ایک طرف رکھ دیا تھا اور اپنے سامنے دھرے چائے کے مگ اپنے ہونٹوں سے لگائے ان پکوڑوں کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جو کامنی نے اپنے اور طاہر کے لیے منگوائے تھے۔ شاید وہ اپنے مخصوص بجٹ سے اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

طاہر نے ان کی اس کمزوری کو جان لیا تھا اور تھوڑی دیر ایک دوسرے سے علیک سلیک کے بعد اب دونوں ٹورسٹ ان کے ساتھ پکوڑے کھانے میں شامل ہو گئے۔

چند منٹ کی اس ملاقات نے انہیں آپس میں دوست بنا دیا تھا۔ دونوں جرمن تھے اور گذشتہ تین ماہ سے بھارت کی سیاحت پر نکلے ہوئے تھے۔

طاہر نے دائیں ہاتھ کا دستانہ اتار دیا تھا اور کامنی کو فکر دامن گیر تھی کہ کب وہ دوبارہ دستانہ پہن لے۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

طاہر نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اسے اب دستانے پہننے سے الجھن سی ہونے لگی جب کاشی نے بالآخر اسے متوجہ کیا اور دستانہ پہننے کی تلقین کی۔

''کیا کہہ رہی ہے؟''

جرمن سیاح لڑکی نے پوچھا۔

کاشی نے اسے انگریزی میں بتایا کہ اپنے خاوند سے کہہ رہی ہے کہ دستانہ پہنے رہے ورنہ اسے انفلوئنزا ہو جائے گا۔

وہ لوگ حیرانگی سے کاشی کی طرف دیکھنے لگے جسے خود سے زیادہ اپنے ''خاوند'' کی فکر دامن گیر تھی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے جرمن جوڑا رخصت ہو گیا۔ طاہر جانتا تھا کہ انہیں کسی سستی رہائش کی تلاش ہوگی جس کے بعد وہ گانجے کی تلاش میں نکل جائیں گے

کاشی اسے اب اوپر لے جا رہی تھی۔ قریباً ایک فرلانگ مزید اوپر جانے کے بعد وہ کاشی کے مطلوبہ ہوٹل ''سی ویو'' میں پہنچ گئے۔

مسلسل سیڑھیاں چڑھنے سے ان کے جسموں کو قدرے گرماہٹ نصیب ہوئی تھی اور اب وہ دونوں بھاری بھرکم کپڑوں میں قدرے الجھن سی محسوس کرنے لگے تھے۔

مسٹر اینڈ مسز آکاش ملہوترہ کے نام پر طاہر نے کمرہ بک کرایا اور کمرے میں پہنچتے ہی اپنے کوٹ ٹوپی مفلر اور دستانوں سے نجات حاصل کر لی۔

کمرے کے ایک کونے میں چمنی کے نیچے آتش دان میں آگ روشن تھی۔ دونوں وہیں دھری کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کاشی نے سامان سلیقے سے لگا دیا تھا اور اب بیرے کو کافی لانے کا آرڈر دے کر طاہر کے پاس آ گئی تھی......

''آج آپ کو اپنے ٹانکے کھلوانے ہیں۔ میرے خیال سے کسی مقامی ڈاکٹر سے مل لیتے ہیں۔ یہاں کے سرکاری ہسپتال کا بھی مجھے علم ہے۔''

اس نے کہا۔

''نو......... کاشی ہمیں معمولی سا خطرہ بھی مول نہیں لینا۔''

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا مطلب.........؟'' ''کیا آپ اپنا ہاتھ ایسے ہی رکھیں گے؟''

''نہیں کاشی اس طرح تو زخم خراب ہونے کا خطرہ ہے......... یہ ٹانکے آج ہی کھلیں گے لیکن انہیں ڈاکٹر نہیں، میں خود کھولوں گا۔''

طاہر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے خدانخواستہ......''

کاشی نے پہلی مرتبہ ''خدانخواستہ'' اپنے منہ سے کہا تھا اور بات نامکمل چھوڑ دی۔

''مطمئن رہو...... کچھ نہیں ہوتا۔ یہ معمولی کام ہے...... پہلے اطمینان سے کافی پی لو۔''

طاہر نے اسے تسلی دی۔

کاشی اب بھی یہی کہہ رہی تھی کہ انہیں خطرہ مول نہیں لینا چاہیے لیکن طاہر نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا کہ اس نے مکمل ڈسپنسنگ کا کورس کیا ہوا ہے۔ اور کاشی نے اس کی بات کا یقین کر لیا کیونکہ طاہر کے ہاتھوں اس نے انجکشن لگوایا تھا اور یہ بھی مان لیا تھا کہ وہ ادویات کا علم بھی جانتا ہے۔

اس سب کے باوجود وہ باول نخواستہ ہی اس کام کے لئے تیار ہوئی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ بیرا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ طاہر اپنا ہاتھ اس سے چھپانے کے ارادے سے باتھ روم میں چلا گیا۔

کاشی نے برتن میز پر رکھوا کر بیرے کو بل اور ٹپ دے کر فارغ کر دیا اور ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا سائن کمرے کے باہر لٹکا کر دروازہ بند کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں آگ کے سامنے بیٹھے کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

○ ○ ○

''آؤ اب اس سے نجات حاصل کر لیں۔''

طاہر نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا اور کاشی نے بیگ میں رکھا ہوا سامان نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

طاہر نے اس کے سامنے ایک پیالے میں سپرٹ ڈال کر اس میں اپنے پاس موجود چھوٹی سی قینچی ڈالی اور کاشی نے اس کے ہاتھ سے پٹی اتار کر زخم ننگا کر کے اس کی ہدایات کے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

مطابق زخم پر میڈیسن پاؤڈر چھڑک دیا۔

"شاباش..........اب یہ قینچی پکڑو اور احتیاط سے اوپر والی آخری ٹانکے کا دھاگہ کاٹ دو۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

"طاہر مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔"

وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔

"ارے پھر کیا..........یہ جو کچھ تم کر رہی ہو کیا ایسے پہلے بھی کیا تھا......؟ بھئی حالات اور وقت کے مطابق سب کچھ کرنا پڑتا ہے......کم آن کامنی......! تم انٹیلی جنس چیپ Chap ہو۔ تمہیں تو سب کچھ کرنے کے لیے تیار رکھا جاتا ہے......کیری آن..........!"

اس نے اس انداز سے کہا کہ کامنی بے ساختہ ہنس دی۔

اور..........حیرت انگیز طور پر اس نے طاہر کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اس کی تمام سٹیچز بڑی آسانی سے نکال دیں۔

ڈاکٹر شیلا تو ویسے ہی کمال کی سرجن تھی لیکن طاہر کے لئے تو اس نے بطور خاص بڑی مہارت دکھائی تھی۔ کیا مجال جو ٹانکے نکلنے کے بعد ہاتھ پر معمولی سے نشان بھی باقی رہے ہوں۔

"ویل ڈن کامنی......ویل ڈن ڈاکٹر شیلا......تھینک یو......! تھینک یو......ویری مچ......! اگر زندہ رہے تو تمہارے اس احسان کا شکریہ ضرور ادا کریں گے۔"

طاہر نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو باری باری جنبش دیتے ہوئے کہا۔

کامنی کا دل بھر آیا۔

اسے شیلا بے اختیار یاد آ گئی۔ تب اس نے دل ہی دل میں اپنا یہ عہد دہرایا کہ وہ بھی اپنی اس سہیلی سے کبھی الگ نہیں ہوگی۔

اس کی آنکھوں میں اچانک نمی سی اتر آئی تھی۔ اپنی دلی کیفیات جواب چہرے پر آنے لگی تھیں، طاہر سے پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے سارا سامان اٹھا کر باتھ روم کا رخ کیا اور جب پیالہ وغیرہ دھو کر وہ باہر نکلی تو بالکل نارمل ہو چکی تھی۔ طاہر کے زخم پر معمولی سی مرہم پٹی کرنے کے بعد اس نے طاہر کے ہاتھ سے اترنے والا سب کچھ ٹوکری سے نکال کر ایک پولی تھین بیگ میں بند

کیا جو اس مقصد کے لئے اس نے پہلے ہی سے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے اور بیگ ٹیپ سے بند کر کے باتھ روم والی ٹوکری میں رکھ آئی۔

طاہر کی ہتھیلی باہر سے صاف تھی۔ اندرونی طرف البتہ دوا لگانے کے بعد کامنی نے ڈاکٹر شیلا کی طرف سے ملی ہوئی بینڈ ایج لگا دی تھی جس کو مٹھی بند کر کے چھپانا بہت آسان تھا۔

"تمہاری دوست بہت عظیم عورت ہے کامنی......اسے واقعی تمہاری ہی دوست ہونا چاہیے تھا۔ کامنی اپنا دل بوجھل نہ رکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ زندگی میں تم دونوں ضرور آپس میں ملتی رہو گی اور میں اپنی بساط بھر کوشش کے ساتھ ایسا ممکن بناؤں گا۔"

کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے دور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

کامنی خاموشی سے اس کے برابر آ کر کھڑی ہو گئی..........کھڑکی کے سامنے سے پردہ ہٹا کر وہ باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔

ان کی کھڑکی کے سامنے ہوٹل کا طویل گھرا سبزہ لان موجود تھا جہاں رنگ برنگی کیاریاں دھنک کا سا سماں باندھ رہی تھیں۔

سورج کی کرنیں شاید سارے ڈلہوزی سے سمٹ کر سنی ویو ہوٹل کے اسی لان پر مرتکز ہو گئی تھیں جہاں بھارت کے مختلف کونوں سے آئے نو بیاہتا جوڑے اور کچھ فیمیلیز اپنے بچوں سمیت قیام پذیر تھیں۔

ان کی نظر بھی سرداروں کے ان بچوں پر لگی تھیں جو ایک دوسرے سے اٹکھیلیاں کرتے لان میں بچھی کینو پیوں کے گرداگرد چکر کاٹ رہے تھے۔

طویل لان کے کونوں پر خوبصورت ریلنگ موجود تھی جس کے بعد پہاڑیوں کے چھوٹے چھوٹے سلسلے شروع ہو جاتے تھے۔

ان پہاڑیوں کے دامن سے جھانکتے جنگلوں کی اوٹ میں سورج ڈھل رہا تھا۔ سبز درختوں پر اس کی سنہری کرنیں شام کا آخری سلام کر رہی تھیں اور پہاڑیوں کی سرسبز چوٹیاں سورج کا کرمزی پیراہن اوڑھ رہی تھیں۔

سبز پہاڑوں کے دامن میں کہیں کہیں جمی برف پر سورج کی کرنوں کا رقص جاری تھا اور اس رقص کے دامن سے سنہری روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

○ ○ ○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

سطح سمندر سے دو ہزار میٹر کی بلندی پر واقعہ ڈلہوزی سلسلہ کوہ دھولدار میں پانچ پہاڑیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ بیلوں' ٹھمکام' پتر ہمن' ٹہرا اور بکروٹہ.......... ان پہاڑیوں کے دامن میں خوبصورت وادیاں' گھنے جنگلات' بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں انسانی آنکھ کے لیے بے پناہ حیرت اور سبحان تیری قدرت کے نظارے وا کرتی چلی جاتی ہیں۔

ڈلہوزی کی وادیوں کے گہرے سرمئی شہابی پہاڑیوں کا پانی جتنا گدلا ہے' راوی کا اتنا ہی دودھیا اور شفاف..........!

گرمیوں میں چمکتے اور سنہرے دنوں میں ان شہابی پہاڑیوں کے درمیان بہتے ان دریاؤں کو دیکھنے کے لئے سارا بھارت یہاں امڈا چلا آتا ہے۔ مقامی اور غیر مقامی سیاح دریاؤں سے پھوٹتے ندی نالوں کے کنارے گھنٹوں بیٹھے قدرت کی اس فیاضی سے جی بھر کے لطف اندوز ہوتے ہیں...... جہاں کہیں دریا قدرے میدانی علاقوں میں گزرتے ہیں' وہاں ساحلوں پر ریت اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کی تہہ بچھائے چلے جاتے ہیں۔

کسی نامعلوم جذبے کے اسیر طاہر نے کھڑکی کا پٹ کھول دیا تھا اور باہر سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے مشام جان کو معطر کر گیا تھا۔

کامنی اس کے ساتھ لگی کھڑی تھی..........

دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا سننا چاہتے تھے۔

لیکن.......... دونوں خاموش تھے.......... سامنے لان میں کھیلتے بچوں پر دونوں کی نظریں لگی تھیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کے معمول کے مطابق سورج ایک دم سے اپنے پیچھے سرخ رنگ کی لکیر چھوڑتا سبز پہاڑیوں کے عقب میں غائب ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی آسمان سے برفیلی چادر اتر کر چپکے سے ہواؤں میں شامل ہو گئی..........

چنار درختوں سے لدے جنگل کی تاریکی اور ان سے لپٹے حشرات الارض کا شور ایک دم سے جاگ اٹھا۔

ہوٹل کی بیرونی روشنیاں جلنے لگی تھیں اور باہر لان میں بیٹھے جوڑے اور فیملیز ایک ایک کر کے اپنے کمروں میں سمٹ رہے تھے۔

ہوٹل کا ہیٹنگ سسٹم صرف مرکزی ہال کمرے کے لیے ہی تھا۔ پھر بھی اس نے اندر

کے ماحول کو خاصا آرام دہ بنا دیا تھا۔

کامنی نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔

"منجمد ہونے کے ارادے ہیں کیا؟"

اس نے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ.......... واقعی سردی زیادہ ہی ہو گئی۔"

طاہر نے چونک کر جواب دیا۔

دونوں سامنے آرام دہ صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔ کامنی نے ہیٹر کا سوئچ آن کر دیا کیونکہ اب سردی سے اس نے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا تھا۔

"کامنی تمہیں علم ہے ہماری منزل کون سی ہے؟"

اچانک ہی طاہر نے اپنی دانست میں کامنی کو چونکانے کے لیے یہ سوال کر دیا تھا۔

لیکن حیرت انگیز طور پر کامنی جیسے پہلے ہی سے اس کے جواب کی تیاری کر رہی تھی۔

"ہاں...... میں جانتی ہوں۔ دراصل وہی میری منزل ہے۔"

کامنی نے بڑے پرسکون لہجے میں اطمینان سے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"کامنی ہمارے ہاں ایک کہاوت ہے کہ دوست کی پہچان مشکل وقت یا پھر سفر میں ہوتی ہے.......... اتفاق سے ہم نے دونوں جہتیں پوری کر لی ہیں۔ میں اپنی کوئی بات دہرانا نہیں چاہتا کیونکہ میں عظمت کی ان بلندیوں کو چھو بھی نہیں سکتا جو تمہارا مقدر بننے والی ہیں...... کامنی! تم عافیت میں آ گئی ہو...... محفوظ ہو گئی ہو۔ تمہاری جستجو تمام ہوئی...... شاید تمہارے لیے یہ اچنبھے کی بات ہو کہ میرے ملک کی طرف سے مجھے اب بھارت آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس مرتبہ وہ لوگ اس کے لیے تیار نہیں تھے...... لیکن میں نے زبردستی یہ فیصلہ کروایا...... میرا موجودہ سفر میرے پروگرام میں کبھی شامل نہیں رہا...... اب سوچتا ہوں کہ قدرت کے فیصلے کتنے اچانک اور جامع ہوتے ہیں...... انسان کی سوچ ان کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے کچھ تامل نہیں ہے کہ اصل میں یہ سارا گورکھ دھندا کاتب تقدیر نے مجھے تم سے ملانے کے لیے پھیلایا تھا۔"

اس نے کامنی کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

کامنی مبہوت ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھی..........

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اس نے بے اختیار اپنا سر طاہر کے کشادہ سینے پر رکھ کر اس کی بات کا جواب دیا کیونکہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

طاہر نے ڈنر ہوٹل کے مین ہال میں کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ یہاں سمٹ کر بیٹھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ کمرے میں بند رہ کر کسی کے لیے بھی سوالیہ نشان بن سکتے تھے۔

دونوں ہال کمرے میں آ گئے۔

ایک کونے میں دھری میز جس کے گرد دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں' انہوں نے سنبھال لی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا مین ہال بھر گیا.........

اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو' موسیقی اور ہال کے عین وسط میں بنے گول سٹیج پر تھرکتی ناچتی لڑکیاں.........

اب طاہر کو اچھی طرح سمجھ آ رہی تھی کہ یہاں زیادہ تر فوجی جوان کیوں آ رہے ہیں۔ ہوٹل کا بار روم اسی ہال سے منسلک تھا' جہاں لوگ باری باری جاتے اور شراب کے جام انڈیل کر کھانے پر ٹوٹ پڑتے۔

انہوں نے ہوٹل کا مینو دیکھنے کے بعد اپنے لیے مناسب کھانا منگوا لیا تھا...... دونوں دیر گئے تک یہاں بیٹھے کھانے کے بعد چائے سے دل بہلاتے رہے۔ جوں جوں رات ڈھل رہی تھی' ہال کے مرکزی سٹیج پر موجود رقاصاؤں کے کپڑے مختصر ہونے لگے تھے...... ان کے ڈانس ہیجان انگیز ہو رہے تھے۔

سٹیج رقاصاؤں کے ساتھ ساتھ شراب کے نشے میں بدمست لڑکے اور لڑکیاں بھی ہال میں گونجتی موسیقی کی دھنوں پر ناچ رہے تھے۔

شاید اب کامنی کے لیے ایسے مناظر میں دلچسپی کا عنصر باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے برعکس وہ خاصی بوریت محسوس کر رہی تھی۔

آج سے چند روز پہلے تک یہ ماحول اس کے لئے آئیڈیل تھا لیکن اب اسے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے چہرے پر ابھرے ناگواری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ طاہر بڑی گہری نظروں سے اس کے نفسیاتی اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

یہ تبدیلی خوش آئند اور کامنی کے اندر پیدا ہونے والے انقلاب پر دلالت کرتی تھی۔

اس نے مسکرا کر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"چلو یہاں سے چلیں۔"

بالآخر کامنی نے کہہ ہی دیا۔

"کہاں......؟"

طاہر نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

"کہیں بھی...... یہاں سے اٹھو"

کامنی نے باقاعدہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے...... جیسے تمہاری مرضی۔"

طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

رات انہوں نے کمرے میں بسر کی۔ طاہر فرش پر اور کامنی بستر پر سوئی تھی۔ خاصی دیر تک وہ بضد رہی کہ طاہر پلنگ پر لیٹے کیونکہ اسے زیادہ آرام کی ضرورت تھی' لیکن طاہر نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

علی الصبح جب طاہر اٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا کامنی اپنے بستر سے اٹھ کر زمین پر بیٹھ گئی اور اسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے طاہر نے بطور خاص اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ جس طرح صدق دل سے کامنی نے دین کی حقیقت کو جان کر قبول کر لیا ہے اللہ اس کی مدد کرے اور اس کا ایمان مضبوط بنائے۔

کامنی بسا اوقات بالکل بچوں کی طرح ضد کرنے لگتی تھی۔ آج وہ بضد تھی کہ طاہر اسے بھی نماز پڑھائے' جس پر اس نے بالآخر کامنی کو اپنے پیچھے پیچھے قرآنی آیات دہراتے ہوئے نماز پڑھانی شروع کر دی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

جس وقت کامنی نماز کے خاتمے پر دعا مانگ رہی تھی اس کے چہرے پر بنا نور کا ہالہ آنکھوں کے راستے طاہر کے دل پر نقش ہو گیا۔ اس نے اپنے بزرگوں سے جن کرامات کی باتیں سنی تھیں انہیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

کامنی نے دل ہی دل میں بڑی لمبی دعا مانگی تھی......

اس کی شدید خواہش پر آج اسے کلمہ طیبہ پڑھانے کے بعد طاہر نے باقاعدہ دائرہ اسلام میں داخل کر لیا تھا۔

اس نے اپنی ایک مسلمان کلاس فیلو مریم کے نام پر اپنا اسلامی نام مریم تجویز کیا تھا۔

طاہر کو اس میں کیا اعتراض ہوتا۔ اس کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ البتہ اس نے کامنی سے ایک درخواست ضرور کی تھی کہ وہ ابھی سب کچھ صیغہ راز میں رکھے۔

ناشتہ انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا تھا..........

طاہر نے محسوس کیا کہ اب اس کے سر پر چادر مستقل ٹک گئی تھی اور اس نے شلوار قمیض پہن لی تھی۔

طاہر کی درخواست اور حالات کے پیش نظر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے میک اپ میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ دونوں کی کوشش تھی کہ وہ اپنی تصویروں سے کسی بھی طرح مختلف نظر آئیں اور اس میں ابھی تک وہ کامیاب بھی تھے۔

طاہر نے اب پگڑی اتار دی تھی لیکن ڈاڑھی برقرار رکھی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں کا سٹائل بڑی محنت کے بعد سر کے درمیان سے مانگ نکال کر کامنی نے تبدیل کر دیا تھا۔ اور آنکھوں پر سفید شیشوں کی عینک لگانے کے بعد وہ اس عمر میں بھی خاصا سنجیدہ قسم کا کوئی سرکاری افسر دکھائی دیتا تھا.....!

کامنی نے اپنے بال ہائیڈروجن سے رنگ لیے تھے اور ڈاکٹر شیلا کے ہاں سے رولر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس کے گہرے کالے رنگ کے سیدھے بال اب بھورے رنگ کے گھنگھریالے بالوں میں تبدیل ہو چکے تھے اور جین جیکٹ پہننے کے بعد وہ کسی ماڈرن گھرانے کی ایسی بھارتی ناری بن گئی تھی جس کے ماں باپ نے زبردستی اس کی شادی ایک سنجیدہ سے سرکاری افسر سے کروا کر اپنی جان چھڑائی ہو۔

اس مرتبہ اس نے جان بوجھ کر کمرے کے باہر مغربی اطوار اپنائے تھے۔ اور اپنے کانوں میں لمبے لمبے بندے ڈال کر ایسی مغربی دوشیزہ بننے کی اداکاری کی تھی جس نے اپنے اوپر مشرقیت زبردستی طاری کر لی ہو۔

صبح کا ناشتہ انہوں نے اپنے کمرے میں کیا اور سورج نکلنے کے بعد باہر آ گئے۔ انہوں نے اب شام کا وقت کمرے سے باہر ہی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اپنے ایک بیگ میں کامنی نے ہر ایسی چیز ڈال لی تھی جس سے اس کی پہچان ممکن ہو سکے اور وہ بیگ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

اپنے کمرے میں انہوں نے صرف کپڑے اور غیر ضروری سامان ہی چھوڑا تھا۔ رات والی جینز بیگ انہوں نے باہر پھینکنے کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لی تھی کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں کمرے کی صفائی ممکن تھی۔

○ ○ ○

دونوں ہوٹل سے پیدل چلتے بتر حنی چکر تک آ گئے جہاں سے انہوں نے باقی لوگوں کی دیکھا دیکھی سفر کا آغاز کیا۔

ابھی زیادہ لوگ اس طرف نہیں آئے تھے اور سڑک قدرے ویران نظر آ رہی تھی۔ البتہ سڑک کے کنارے موجود ڈھابوں کے چولہے ضرور روشن تھے۔ سڑک کی خستہ حالی اس کی ٹوٹ پھوٹ سے عیاں تھی۔ دونوں کناروں پر لگے درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے سوکھے پتے ہوا کے ساتھ سڑک پر کھڑکھڑاتے پھرتے تھے۔ فضا میں چاروں طرف ایک یاسیت سی طاری تھی۔

کامنی کے لیے یہ راستہ اجنبی نہیں تھا۔ وہ یہاں سے درجنوں مرتبہ گزری تھی لیکن آج جیسا سفر جانے زندگی میں کب نصیب ہو؟

اس نے سوچا..........

شاید یہ ڈلہوزی میں اس کی زندگی کا آخری سفر تھا۔ کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی اور کامنی نے چاہا کہ جی بھر کے اس ملکہ کہسار کے ایک ایک منظر کو اپنی آنکھوں کے راستے اپنے دماغ پر نقش کر لے۔

طاہر کو یہاں ہر شے شکست خوردہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ گہرے سبز پہاڑ کی روئیدگی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

والے کنجوں میں کہن سالی' دور قدیم کے حوض پانی سے خالی تھے اور ان پر کائی آلودہ شکستگی کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

سڑک کنارے لکڑی کے بنچ کئی جگہ درمیان سے ٹوٹ چکے تھے' البتہ ان کی لوہے کی ٹانگیں ابھی تک قائم تھیں جن کا رنگ گلنے سے اب زنگ آلودہ ہونے کے بعد بادامی سا دکھائی دے رہا تھا۔ طاہر کو یوں لگا کہ جیسے وہ ان میں سے کسی سالخوردہ بنچ پر بیٹھے گا' وہ ٹوٹ کر نیچے گر جائے گی۔

کناروں کے ساتھ ساتھ البتہ قدرت کی فیاضی اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔ سڑکوں کے کنارے گھرے جنگلات کے ساتھ ساتھ دست قدرت نے رنگ برنگ شگوفوں والی گہری بیلوں کے جال تان رکھے تھے' جن سے جھانکتے یہ رنگا رنگ پھول عجب بہار دکھا رہے تھے۔

پہاڑوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی خوشبودار اور پھولوں سے لدی پھندی خوش رنگ بیلیں گھاٹیوں' کھائیوں اور گڑھوں سے اٹھ کر شکستہ اور ویران سڑک سے گلے ملتی دکھائی دیتی تھیں۔

گھنے درختوں کے جھنڈ اب مقامی محکمہ جنگلات کی مہربانیوں سے کہیں کہیں خالی خالی دکھائی دینے لگے تھے۔ درمیان سے درخت کاٹ کر فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ لکڑی کی چوری یہاں کی سب سے بڑی اور اہم ترین کرپشن تھی۔

ایک بات طاہر نے بطور خاص محسوس کی کہ یہاں بھارت کے باقی حصوں سے بھی کچھ زیادہ ہی غربت دکھائی دی تھی۔ راستے میں انہیں جتنے مقامی اور غیر مقامی لوگ آتے جاتے دکھائی دیئے' ان سب کے چہروں سے ایک بے نام سی نحوست ٹپک رہی تھی۔ رنگ و روپ سے عاری مرجھائے ہوئے بے رونق چہرے..........

سڑک کے ساتھ ساتھ کہیں اگر کوئی عمارت دکھائی دیتی تو وہ بوسیدہ اور کائی آلود ہوتی۔ کبھی انگریزوں نے ذوق وشوق سے یہاں جو بنگلے اور ڈاک بنگلے بنائے تھے اب وہ کھنڈرات کے ڈھیر بنتے جا رہے تھے۔ ان کے گرد جھاڑ جھنکار کے جنگل اگے ہوئے تھے۔

ڈاک بنگلوں کے بڑے بڑے لانوں پر خوبصورت اور خوش رنگ پھولوں کی جگہ ناتراشیدہ جھاڑیوں نے لے لی تھی۔

دونوں ایک چھوٹی سی مارکیٹ میں داخل ہوئے تو وہاں موجود تمام دکانداروں کی للچائی ہوئی فقیرانہ قسم کی نظروں نے انہیں اپنے حصار میں جکڑ لیا..........

ہر دکاندار کی خواہش تھی کہ وہ اس کی دکان پر آئیں۔ کسی کسی دکان پر اکا دکا گاہک دکھائی دیتا تھا' ورنہ تو زیادہ تر دکاندار یہاں خالی ہاتھ مکھیاں ہی مار رہے تھے۔ طائرانہ نظروں سے چھوٹی چھوٹی دکانوں کا جائزہ لینے کے بعد بالآخر وہ ایک دکان میں جا گھسے۔

دکان کا مالک اپنے عقب میں لگی کسی دیوی کی تصویر کے نیچے "دھوپ" جلا کر شاید لکشمی کا منتظر تھا۔

کامنی نے یہاں سے دو گہرے رنگوں کی عینکیں اور مقامی طور پر بنی دو الگ الگ قسم کی ٹوپیاں خریدیں۔ کچھ اور چیزیں بھی اس نے خریدی تھیں' اور طاہر کے جیب میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس نے بڑی پھرتی سے اپنے پاس موجود پیسوں سے بل کی ادائیگی کر دی تھی۔

اس نے دکاندار کی ڈیمانڈ سے آدھی قیمت پر یہ چیزیں خریدی تھیں۔ جن میں دو شاندار گرم زنانہ چادریں بھی تھیں جو مقامی کاریگروں کی تیار کردہ اور یہاں کی سوغات دکھائی دے رہی تھیں۔

طاہر کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ ان چادروں کا مصرف کیا ہے لیکن اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

دکان سے باہر آ کر جب کامنی نے گہرے رنگ کے بڑے بڑے شیشوں والی عینک اپنے چہرے پر لگا کر سر پر یہاں سے خرید کردہ فینسی گرم ٹوپی جمائی تو طاہر کے لئے بھی اسے پہلی نظر میں پہچاننا ممکن نہ رہا۔

"ونڈرفل.........!"

اس نے بے اختیار کامنی کو داد دی۔

اسے یقین تھا کہ اب وہ واپس ہنواری کیمپ بھی چلی جائے تو کوئی آسانی سے اسے شناخت نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی شناخت نہ کروائے۔

"طاہر مجھے یہ سب کچھ اب بالکل پسند نہیں۔ صرف تمہاری خواہش کے احترام میں اپنا بھیس تبدیل کرنے کے لیے میں نے یہ سوانگ رچایا ہے...... مجھے اب صرف تمہارے حکم کی تعمیل کرنی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

ہے۔"

اس نے باہر آنے پر کہا۔

"اوہ کامنی...... تم مجھے مار ڈالوگی ...... دیکھ لینا تم مجھے مار ڈالوگی۔"

اس نے بے اختیار کامنی کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔

دونوں نے تھوڑی دیر بعد ایک ڈھابے سے چائے اور سبزی کے پکوڑے کھائے۔ ان کا یہ ایک طرح سے لنچ تھا۔

شام تک کا وقت انہوں نے اسی طرح سیر گشت کر کے گزرا اور سورج ڈھلنے پر اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔

ان کے کمرے سے ملحقہ دو تین کمروں میں تو بیاہتا جوڑے ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ سب ان کے ساتھ ہی واپس آئے تھے۔

دن بھر مسلسل پیدل چلنے سے وہ قدرے تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے لیکن یہاں بیٹھ کر وقت گزارنے سے بہرحال گھومنا پھرنا زیادہ بہتر تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد کامنی نے سب سے پہلے اپنے بیگ سے پستول نکال کر سرہانے رکھا۔ یہ سرکاری پستول ابھی تک اسی کے پاس محفوظ تھا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اسے چھپانے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ طاہر کے کہنے پر پستول وہ اپنے بیگ میں رکھتی تھی۔ دونوں نے کمرے میں آ کر اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ان کے بعد کہیں کسی شک کی بنیاد پر کمرے کی تلاشی تو نہیں لی گئی یا پھر کسی نے یہاں کوئی "بگ سسٹم" تو نہیں لگایا ہوا۔ دونوں انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ تھے اور اپنی تربیت کے مطابق دونوں نے اطمینان کر لیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا..........

طاہر نے کمرے میں کافی منگوانے کے بعد دروازے کے باہر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سائن لگا دیا تھا اور اب وہ کامنی کی طرف متوجہ تھا۔ اسے اب کامنی پر معمولی سے شک و شبہ بھی باقی نہیں رہا تھا کیونکہ کامنی نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور اب ان کا جینا مرنا سانجھا تھا۔

اس نے اپنے ذہن میں ترتیب دیئے پروگرام سے اسے آگاہ کرتا ہوئے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ مناسب سمجھے تو اس میں رد و بدل بھی ہو سکتا ہے۔ کامنی نے ذہنی طور پر اس کی

برتری بنواری کیمپ میں تربیت کے دوران ہی تسلیم کر لی تھی۔ خاص طور سے پوسوال سے اس کی لڑائی کے بعد اسے کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔ یوں بھی بنواری کیمپ سے فرار ہونے کے بعد سے اس کے ساتھ گزارے ایک ایک لمحے نے کامنی کو طاہر کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا معترف بنا دیا تھا۔ اس نے طاہر کی تجویز پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسے بتایا کہ جس علاقے سے اس نے سرحد عبور کرنے کا پروگرام بنایا ہے اس ایریا سے کامنی اگروال نے اپنی سروس کا آغاز کیا تھا اور اسے وہاں سے متعلق خاصی معلومات بھی حاصل ہیں۔

"ہمیں اپنے اور دشمن کے درمیان کم از کم آٹھ دن کا وقفہ رکھنا ہے۔ میرا خیال ہے آٹھ دن انہیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہوں گے کہ اب ہم ان کی دسترس سے بچ نکلے ہیں اور اب انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے.......... کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ انہوں نے ہماری تلاش پر جو اضافی فورسز لگا رکھی ہیں وہ واپس آ جائیں گے۔ اور نارمل حالات سے ہم انشاءاللہ نمٹ ہی لیں گے...... معمول کی نگرانی اور چوکسی تو کبھی ختم نہیں ہوگی، لیکن وہ لوگ تین چار روز کے بعد زیادہ چوکس نہیں رہیں گے..........."

طاہر نے کہا۔

"انہیں دھوکہ دینے کی ایک سکیم میرے ذہن میں آئی ہے۔"

کامنی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا..........؟"

طاہر نے پوچھا۔

اور اب کامنی نے اسے جو سکیم بتائی اس پر وہ دل ہی دل میں اسے داد دیئے بغیر نہ رہا۔

کامنی نے یہ منصوبہ اس بنیاد پر تیار کیا تھا کہ اس کے والدین کی کڑی نگرانی ہو رہی ہوگی اور انہوں نے "را" کی اسی "چوکسی" کو اپنے حق میں استعمال کرنا تھا۔

"ونڈر فل.......... کامنی.......... میرے ذہن میں تو یہ بات آئی ہی نہیں تھی۔ کل ہی اس پر کام شروع کرتے ہیں۔"

طاہر نے کہا۔

کامنی نے حساب لگایا تھا کہ طاہر ابھی مزید چار پانچ روز بھارت میں ضائع کرنا چاہتا

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

ہے اور اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ان کے پاس اتنا زادِ راہ بھی ہوگا یا نہیں...... ؟ لیکن...... اس نے طاہر سے یہ سوال کرنے کے بجائے اپنے پرس میں موجود ساری رقم باہر نکالی اور ہاتھ میں پہنے سونے کے کنگن کے ساتھ اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا......؟"

طاہر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"دیکھو طاہر اب تمہاری یا میری والی تو کوئی بات رہی نہیں...... میرا جو کچھ ہے وہ تمہارا ہی تو ہے۔ میں بہرحال ایک مشرقی عورت ہوں' جو یہ چاہے گی کہ اپنا سب کچھ اپنے پتی کے حوالے کر دے...... یوں بھی اس رقم کا مناسب استعمال تم ہی کر سکتے ہو۔"

طاہر اس کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔ شاید کامنی نے اخراجات کا اندازہ لگا کر یہ سوچا ہو کہ طاہر کے پاس پیسے ختم نہ ہو جائیں۔ کامنی کی اس بات پر مسکراتے ہوئے اس نے کامنی کی ساری رقم واپس کر کے اپنے ہاتھ سے وہ کنگن اس کے بازو میں پہنا دیا۔

"کامنی...... میرا تعلق ایک چھوٹے لیکن غیرت مند ملک کی فوج سے ہے جو اپنے ساتھی کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے۔ اول تو میرے پاس کافی رقم ہے۔ اگر خدانخواستہ ضرورت پیش آ گئی تو اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ ایک دن کے مارجن پر ہمیں مطلوبہ رقم مل سکتی ہے' لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور ہاں...... کہیں اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے تم خواہ مخواہ کنجوسی نہ کرتی رہنا۔ اپنے معمولات کے مطابق سب کچھ کرو...... بے فکر رہو اور کچھ نہ بنا تو ہم دونوں ناگزیر حالات میں کسی بھی لالہ جی کو لوٹ کر اپنا کام چلانا جانتے ہیں۔"

کامنی اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

پہلی مرتبہ طاہر نے اسے پرسکون اور ہنستے ہوئے دیکھا تو اسے روحانی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اگلا روز بھی انہوں نے ایسے ہی گزار دیا اور آج انہیں تیسرا دن تھا' جب طاہر نے مقامی پی۔ سی۔ او سے ایک کال اپنے کھٹمنڈو میں موجود دوست پرتاب مہرو کے لئے بک کروائی۔ وہ اب کامنی کے بتائے ہوئے منصوبے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

کھٹمنڈو کے گرینڈ ہوٹل میں موجود ایک ٹریول کمپنی کے منیجر مسٹر پرتاب مہرو نے اس کی کال موصول کی تھی۔ طاہر نے اس سے مختصر بات کرتے ہوئے اپنا پیغام اسے اس طرح لکھوایا کہ

اگر یہ فون کہیں ریکارڈ بھی ہو رہا ہو تو کسی کے کچھ پلے نہ پڑے۔ البتہ مسٹر پرتاب مہرو نے یہ کال سنی اور پیغام بھی نوٹ کر لیا۔

○ ○ ○

پردیپ سنگھ سولان سے واپس ضرور آ گیا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس نے ڈاکٹر شیلا سے اپنے معمول کے مطابق تفتیش نہیں کی تھی' لیکن دو روز تک اس کے ایجنٹوں نے مقامی سپیشل برانچ کی مدد سے سرتوڑ کوشش کر ڈالی تھی کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسا ثبوت لگ جائے کہ یہاں کامنی اور طاہر آئے تھے' لیکن انہیں یہاں سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اب اس نے اپنا ایک چالاک اسسٹنٹ اس امید پر یہاں چھوڑ دیا تھا کہ شاید آئندہ کبھی کامنی اپنی دوست ڈاکٹر شیلا سے ملنے یا مدد لینے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ تھا کہ ابھی وہ دونوں اس ملک میں ہی ہیں۔ اتنی جلدی وہ فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ "را" نے اطلاع ملتے ہی نزدیک ترین نیپال کی سرحد قریباً سیل کر دی تھی۔

چکراتا سے گنگوتری نامی بھارت کے سرحدی علاقے کو جانے والے راستے کو انہوں نے ایک طرح سے لینڈ لاک کر دیا تھا۔ صرف ایک چانس تھا کہ اگر واردات کی پہلی رات ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے تو عین ممکن ہے وہ نکل چکے ہوں۔ ورنہ مقامی انٹیلی جنس اور سرحدی پولیس تو ان کی غلام تھی جو ان کے حکم پر زمین کا چپہ چپہ چھان سکتی تھی۔

پردیپ سنگھ نے کامنی کے ماضی کے حوالے سے جتنے تعلق تلاش کئے تھے' ان سب کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔

ان سب کی ڈاک چیک ہو رہی تھی۔

ان کے ٹیلی فون "ٹیپ" ہو رہے تھے۔

ان کی نقل و حرکت' میل ملاپ پر کڑی نظر رکھی جا رہی تھی۔

"را" کے ہیڈ کوارٹر سے پچاس ایجنٹوں پر مشتمل ایک ٹیم اسی مشن پر لگی تھی جن کی طرف سے ملنے والی تمام اطلاعات کی مانیٹرنگ مرکزی کمپیوٹر سیکشن میں ہو رہی تھی۔ پردیپ سنگھ اس ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے دہلی میں موجود تھا۔

کامنی کے تمام تعلق والوں کے ایک ایک پل کی حرکات و سکنات اور معمولات کی خبر بھی اسے مل رہی تھی۔ اس کے گھر والوں سے متعلق تو ہر ایجنٹ حلف اٹھا کر کہنے کے لئے تیار تھا کہ کامنی

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

نے [illegible] دیا اور ایک دھارمک ہندو گھرانہ ہونے کی وجہ سے جب سے انہوں نے اپنی [illegible]ی" کی [illegible] جاتی ہے وہ سب ان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کامنی اگروال کا [illegible] اگروال مقامی ہندو وشو پریشد برانچ کا سیکرٹری جنرل تھا۔ ان کے گھر پر ہر وقت [illegible]" (متعصب ہندوؤں کا پیلے رنگ کا پرچم) لہراتا رہتا تھا۔ سورج اگروال کے دوست دشمن سب اس بات پر متفق تھے کہ وہ مر تو سکتا ہے، لیکن اپنے دھرم اور ریتی رواج کے خلاف اپنی بیٹی کی بغاوت برداشت نہیں کر سکتا۔

امریش اگروال نے وچن دیا تھا کہ وہ اپنی بہن کو جب بھی دیکھے گا، اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالے گا۔ وہ آر۔ ایس۔ ایس کے مقامی غنڈوں کے ساتھ الگ سے اس کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔

اس نے خود پردیپ سنگھ سے رابطہ کر کے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس خاندان کے ایک ایک فرد کی تفتیش کے بعد "را" کو یقین ہو چلا تھا کہ کامنی اگروال کے جرم میں یہ لوگ ہرگز شامل نہیں، البتہ ایک مفروضے پر وہ ابھی تک قائم تھے کہ کامنی اگروال شاید اپنے گھر والوں یا اپنی کسی سہیلی سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔

اور.......... اس روز جب پردیپ سنگھ کو اپنے موبائل پر ایک "انتہائی اہم کلو" کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً انسپکٹر آتما رام کو اپنے پاس بلا لیا، جس کے ہاتھ میں ایک ٹیلی گرام تھا جو کامنی نے نیپال کے شہر کھٹمنڈو سے بھیجا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خط کی شکل میں لکھا ٹیلی گرام اس کی میز پر موجود تھا۔

○ ○ ○

کامنی نے دراصل یہ اطلاعی معافی نامہ اپنے والد کے ایڈریس پر پوسٹ کیا تھا۔ شاید اسے یہ امید تھی کہ اس کے باپ کے آفس کی نگرانی نہ کی جا رہی ہو۔ اس نے یہ بات خط میں بھی لکھی تھی کہ وہ اسی لیے خط والد کے آفس پر روانہ کر رہی ہے۔

اس ٹیلی گرام لیٹر میں اس نے اپنے والدین سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے معاف کر دیں اور بھول جائیں۔ وہ شاید اب زندگی میں کبھی انہیں دوبارہ نہ مل سکے کیونکہ اس نے اپنا دھرم بھی تبدیل کر لیا تھا اور بھارت کو چھوڑ کر کسی اور دیس میں جا چکی تھی۔

جس دیس میں وہ گئی تھی اس کا نام کامنی نے نہیں لکھا تھا۔ لیکن وہ سب جانتے تھے کہ یہ کون سا ملک ہو سکتا ہے۔

خط اگلے لمحے درجنوں کاپیوں کی صورت میں تمام اہم شخصیات کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

"را" کے متعدد ایجنٹوں نے اگلے تین گھنٹوں میں اس بات کا کھوج بھی لگا لیا تھا کہ یہ ٹیلی گرام کھٹمنڈو کے کس پوسٹ آفس سے بھیجا گیا ہے۔

شام تک "را" کے سات آٹھ ایجنٹ کھٹمنڈو میں طویل سرکھپائی کے بعد اپنے ہیڈ آفس کو جو رپورٹس بھیج رہے تھے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ کامنی نے ایک عیسائی نام کی لڑکی کے ساتھ نیپال کے جعلی پاسپورٹ کے ذریعے پڑوسی ملک کی ایئر لائن سے سفر کیا ہے۔ اس نے یہ ٹیلی گرام ایئرپورٹ کے پوسٹ آفس سے اپنی پرواز کی روانگی کے بمشکل آدھ گھنٹے پہلے پوسٹ کروایا تھا اور معمول کے مطابق پرواز کی روانگی سے قریباً چھ گھنٹے بعد یہ خط متعلقہ ایڈریس پر بھارت میں پہنچا دیا گیا تھا۔

ان معلومات کے حصول کا ذریعہ ایک ٹریول ایجنسی کا دفتر تھا جہاں "را" کے ایک ڈبل ایجنٹ کے ذریعے کامنی کی تصاویر دکھانے پر یہ اطلاع حاصل کی گئی تھی۔

اس ڈبل ایجنٹ نے جو نام بتایا تھا، ایئر لائن کے مسافروں کی لسٹ سے وہ نام بھی مل گیا۔ گویا "را" کو ہر ممکن طریقے سے یہ اطلاع پہنچا دی گئی تھی کہ "چڑیا" ان کے ہاتھوں سے نکل کر اب محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔

اگلے مزید چوبیس گھنٹے کی سرکھپائی کے بعد ان کے پاس ایسی کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اس ٹیلی گرام لیٹر کو دشمن انٹیلی جنس کے "دھوکے کی چال" کہہ سکیں کیونکہ ان کے متعدد ایجنٹوں کو ایسے تمام شواہد مل گئے تھے جو اس خط کی ایک ایک سطر کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتے۔

"ڈیم اٹ..........!"

پردیپ سنگھ نے حتمی نتیجے پر پہنچنے کے بعد اپنا سر قریباً میز پر پٹختے ہوئے کہا۔

اگلے روز انہوں نے بادل نخواستہ اپنے آپ کو کوستے ہوئے اس سرچ آپریشن کو ختم کیا، البتہ "معمول کی نگرانی" ابھی مزید ایک ماہ تک جاری رہی تھی کیونکہ وہ اپنے اصولوں کے مطابق احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرتے تھے۔

کامنی کی بنائی ہوئی سکیم پر طاہر کے ساتھیوں نے بڑی کامیابی سے عمل کر کے "را" کو چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

○○○

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

تین دن اور چار راتیں انہوں نے اکٹھے گزاری تھیں لیکن کامنی کے لئے یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا کہ اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی اس کا ذہن نہیں بھٹکا......!

اس نے زندگی میں مرد کا ایک ہی روپ دیکھا تھا جو بڑا بھیانک اور تکلیف دہ تھا۔ اس کا واسطہ زندگی میں صرف جنسیت زدہ مردوں سے رہا تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے ساری زندگی کا گیان حاصل کر لیا تھا۔ اسے ادراک ہو چکا تھا کہ آج سے پہلے کی زندگی اس نے کفران نعمت میں بسر کی ہے۔ قدرت کے ودیعت کردہ اس عظیم عطیہ کو اس نے کس طرح ضائع کر دیا......

جب بھی یہ پچھتاوا اسے ستانے لگتا فوراً ایک احساس تفاخر اس پر غالب آ جاتا تھا کہ بالآخر اس نے رازِ حیات پا ہی لیا۔ اس کی تپسیا رنگ لے ہی آئی۔ اس کی کھوج مکمل ہو گئی اور اب وہ احساس جرم کے بغیر باقی زندگی جیے گی۔

کبھی کبھی جب اس کا ماضی سوال بن کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا تو وہ گھبرا جاتی ان لمحات میں طاہر کسی مسیحا کی طرح اس کے اور ماضی کے درمیان دیوار بن جاتا۔

"کامنی ہمارے ہاں سوچنے کا یہ انداز نہیں ہے۔ اس دین مبین میں ہر بات حال اور مستقبل کی ہوتی ہے۔ ہمارا ماضی کیا ہے...... اسے بھول جاؤ۔ کیونکہ تمہارا جنم ہی اب ہوا ہے۔ جو زندگی تم نے جی...... وہ کوئی جینا نہیں تھا کامنی...... وہ تو سزا تھی۔ زندگی کے نام پر تم نے جیل کاٹی ہے جیل...... اب تم رہا ہو چکی ہو۔ اب تم آزاد ہو گئی ہو۔ تم جہاں جا رہی ہو وہاں کوئی تم سے تمہارا ماضی دریافت نہیں کرے گا۔ سب تمہارے لیے دیدہ دل فرش راہ کریں گے کیونکہ تمہاری خصوصی

اہمیت ہے...... میں نے تو جنم ہی مسلمان گھرانے میں لیا...... لیکن تم نے ہدایت پائی ہے۔ گمراہی کے اندھیرے سے ہدایت کی روشنی میں آئی ہو...... اب تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔"

اور...... وہ مطمئن ہو جاتی۔

اب انہیں رخت سفر باندھنا تھا۔

آج وہ ڈلہوزی سے رخصت ہو رہے تھے۔ طاہر نے اگلی منزل پٹھانکوٹ بتائی تھی...... ہماچل اور پنجاب کی سرحد پر واقع پٹھانکوٹ جموں کا دروازہ بھی تھا۔ طاہر نے یہاں سے پنجاب کی طرف قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے کو کامنی کی مکمل رضامندی حاصل تھی۔

پٹھانکوٹ سے ڈلہوزی کا سفر تین گھنٹے پر مشتمل تھا۔ طاہر نے اگلی ہی رات ٹکٹ بک کروا لیے تھے اور صبح ناشتے کے بعد انہوں نے سفر کا آغاز کر دیا۔ اس کے ہاتھ کا زخم قریباً مندمل ہو چکا تھا۔ ہتھیلی کے اندرونی طرف کا گھاؤ بھرنے لگا تھا اور اب اس پر ایسی بینڈیج ہو رہی تھی جسے با آسانی دوسروں سے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے چھپایا جا سکتا تھا۔ کامنی نے خود کو بیاہتا ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس نے ڈلہوزی سے ایسے نقلی زیورات خریدے تھے جو بظاہر اصلی دکھائی دیں۔ اور اپنے گلے میں ہار اور ہاتھوں میں نقلی سونے رولڈ گولڈ کی چوڑیاں پہننے کے بعد وہ سر پر شاہ توش کی سرخ چادر اوڑھے کسی ماڈرن گھرانے کی نئی نویلی دلہن دکھائی دے رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر سفر شروع ہوا۔ اس دفعہ وہ چڑھائی کے بجائے نشیب کی طرف سفر کر رہے تھے۔ پہاڑوں کے گرد بل کھاتی سڑک پر ڈرائیور کہیں کہیں بس کا انجن بند کر دیتا۔

سرسبز پہاڑوں کے بعد اب سنگلاخ پہاڑی سلسلے شروع ہو گئے تھے۔ ایسے ہی چھ، سات پہاڑی سلسلے عبور کرتے ہوئے جن پر کہیں کہیں سرسبز اور چٹیل میدان بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ بالآخر وہ پٹھانکوٹ بھی پہنچ گئے۔

○ ○ ○

پٹھانکوٹ وہ اس سے پہلے بھی تین چار مرتبہ آ چکا تھا اور یہ علاقہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔ وہ رات انہوں نے ایک مقامی ہوٹل میں بسر کی۔ شام دیر گئے وہ ہوٹل پہنچے تھے، جہاں انہوں نے نئے نام سے بکنگ کروائی تھی۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

سرحدی اور دفاعی لحاظ سے حساس نوعیت کے حامل اس علاقے میں ایڈوانس انٹیلی جنس یونٹوں نے خصوصی انتظامات کیے تھے۔

پٹھانکوٹ پنجاب اور جموں کشمیر کا نقطہ اتصال تھا۔ دونوں طرف کے حریت پسندوں کی یہاں آمد کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں بھارت کی تمام مرکزی اور صوبائی انٹیلی جنس ایجنسیاں سرگرم عمل رہتی تھیں اور خصوصاً بس سٹینڈز ریلوے سٹیشن وغیرہ پر تو انہوں نے کڑے اور فول پروف بندوبست کیے ہوئے تھے۔

گذشتہ دو ماہ میں یہاں تین بم دھماکے ہو چکے تھے جن میں بس سٹینڈ پر ہونے والا دھماکہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کو یہاں ہر دوسرا چہرہ مشکوک دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں اب آسانی سے نہیں پہچانے جا سکتے تھے۔ انہوں اپنی دانست میں اپنی شناخت ختم کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ یوں بھی عورت اور مرد جوڑی پر شاید وہ لوگ زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔

طاہر نے جان بوجھ کر رات بسر کرنے کے لیے یہاں سب سے مہنگے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ جو عموماً پٹھانکوٹ سے گاڑی یا بس تبدیل کر کے اپنی اگلی منزل پر جاتے یا پھر سرکاری آفیسرز ہی قیام کیا کرتے تھے۔ دونوں یہاں ڈاکٹر میاں بیوی کی حیثیت سے مقیم تھے۔ رات کا کھانا انہوں نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھایا اور جلدی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے' کیونکہ یہاں آنے والا ہر دوسرا یا تیسرا لگا کہ کوئی سرکاری آدمی ہی دکھائی دیتا تھا اور کامنی نے خصوصاً اپنے محکمے کے دو لوگوں کو تو شناخت بھی کر لیا تھا۔

صبح جان بوجھ کر انہوں نے دیر گئے ناشتہ کیا۔ پھر وقت گزاری کے لیے مقامی سول ہسپتال چلے گئے کیونکہ دونوں نے اپنی معمول کی نگرانی کے اندیشے کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور ڈاکٹر ہونے کے ناطے ان کا ہسپتال جانا ہی زیادہ مناسب تھا۔

سول ہسپتال کے مختلف خالی کمروں میں مریضوں کے لواحقین کے ساتھ انہوں نے چار بجے تک کا وقت گزارا۔ یہی ہوٹل کا "چیک آؤٹ" ٹائم تھا۔

اب ان کی اگلی منزل گورداسپور تھی..........!

ڈیڑھ دو گھنٹے میں ٹرین نے انہیں گورداسپور پہنچا دیا۔ رات انہوں نے یہاں ایک ہوٹل

میں گزاری اور اگلے روز دوپہر کے بعد امرتسر کی طرف عازم سفر ہوئے۔

امرتسر کے رانی بازار میں جب طاہر اور کامنی باجوہ رائس شاپ پر پہنچے تو ان کی نظر نوجوت سنگھ پر پڑی جو اپنے بھائی کے ساتھ دکان کے کاؤنٹر پر کھڑا تھا۔ شاید وہ یہاں کسی کام سے آیا تھا۔

جیسے ہی اس نے طاہر اور کامنی کو دیکھا "ویر جی...... بھابی جی" کا نعرہ لگا کر ان کی طرف لپکا۔

طاہر نے اس سے زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے باقاعدہ معانقہ کر لیا تھا۔

"ہم لوگ پٹھانکوٹ اپنے کزن کے پاس آئے تھے۔ میں نے سوچا جب پنجاب میں آئے ہیں تو ماں جی کو ملے بغیر جانا بہت غلط بات ہو گی۔"

کامنی نے نوجوان سے کہا۔

نوجوت سنگھ کا بھائی اوتار سنگھ باجوہ حیرانگی اور استفہامیہ نظروں سے اپنے ان بے تکلف رشتہ داروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جن سے اس کا چھوٹا بھائی گرم جوشی سے ملا تھا۔ اوتار سنگھ سے جب اس نے طاہر کا تعارف کروایا تو اس نے بھی خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا اور دونوں کو نوجوت کے ساتھ نزدیک ہی ایک محلے میں موجود اپنے گھر بھیج دیا تھا۔

○ ○ ○

سرداراں گھر پر نہیں تھی۔ ان کی زبانی علم ہوا کہ وہ اٹاری میں ہے۔ نوجوت سنگھ اپنی ماں کے ساتھ "اٹاری" میں رہتا تھا۔ سرحدی علاقے میں موجود اس قصبے میں ان کی زمین تھی جہاں سرداراں نے اپنے خاوند کی موت کے بعد مستقل ڈیرے ڈال دیے تھے۔

اوتار سنگھ کی زبانی انہیں علم ہوا کہ اگر وہ اپنی ماں کو کبھی زبردستی امرتسر لے بھی آئیں تو وہ چار دن بعد ہی وہ واپس جانے کے لیے بضد ہو جاتی ہے۔ اس نے رات ان دونوں کو اپنے گھر مہمان رکھا اور ساری رات طاہر سے ایک ہی بات کہتا رہا کہ کسی طرح وہ اس کی ماں کو امرتسر میں اس کے گھر رہائش رکھنے پر رضامند کرے۔

طاہر نے اندازہ لگایا کہ سرداراں کے بیٹوں کو اپنی ماں سے عشق تھا۔ اس کے دو بیٹے

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mani

اوتار سنگھ باجوہ اور کرتار سنگھ باجوہ امرتسر شہر میں رہتے اور اپنا بزنس کرتے تھے۔ دونوں اچھے کھاتے پیتے معلوم ہوتے تھے۔ دونوں میں سے ایک کی بیوی مستقل ان کی ماں کے ساتھ اٹاری میں رہتی تھی۔

اگلے روز نوجوت سنگھ اپنی ماروتی کار پر ان دونوں کو اٹاری لیے جا رہا تھا۔ اس نے بطور خاص دونوں کو امرتسر میں "دربار صاحب" کے درشن کروائے تھے۔ دونوں نے اس کے ساتھ بڑی عقیدت سے یہاں خاصا وقت گزارا تھا اور دوپہر کا لنگر دربار صاحب میں کھانے کے بعد ہی اٹاری کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

اوتار سنگھ کی پتنی نے اُن سے وعدہ لیا تھا کہ وہ واپسی پر ان کے ہاں دو تین دن قیام کریں گے۔ سارا خاندان خاصا مہمان نواز دکھائی دیتا تھا۔

اوتار سنگھ کی بیوی پرجیت کا بھائی فوج میں کیپٹن تھا اور اس کی پوسٹنگ سہارنپور ہی میں تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور ان سے ملنے سہارنپور آئے گی کیونکہ کامنی نے اسے اپنا بھی ایڈریس دیا تھا۔

امرتسر میں داخلے سے پہلے ایک مرتبہ پھر طاہر کے سر پر پگڑی سج گئی تھی۔ اب اس کی داڑھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ آسانی سے خود کو سکھ کہہ سکتا تھا۔

دونوں میاں بیوی نے بڑی گرم جوشی سے انہیں اپنی ماں کی طرف روانہ کیا تھا اور نوجوت سنگھ کو ہدایت کی تھی کہ کار ذرا احتیاط سے چلائے۔ ان کا تیسرا بھائی کرتار سنگھ جالندھر کسی کام سے گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی میں ابھی دو روز باقی تھے۔

نوجوت سنگھ نے انہیں قریباً ایک گھنٹے بعد اٹاری سے ملحقہ ایک گاؤں میں پہنچا دیا' جہاں ایک کونے میں ان کی حویلی بنی ہوئی تھی' جس کے باہر سنگ مرمر کی تختی پر اس کے باپ سورگباشی سردار کاہن سنگھ باجوہ کا نام کندہ تھا۔

حویلی کا دروازہ ہارن کی آواز پر ان کے ایک مزارع نے کھولا تھا۔ سامنے برآمدے میں ایک چارپائی پر اس کی ماں اور بھابی شاید سبزی کاٹ رہی تھیں۔ نوجوت سنگھ کے ساتھ کار میں گاڑی سے نکل کر باہر آئے اور سرداراں کی نظر ان دونوں پر پڑی تو وہ دونوں بازو پھیلائے ان کی طرف بڑھی اور باری باری دونوں کو گلے لگا کر آشیرباد دیا۔

کامنی نے اسے بھی وہی کہانی سنا دی جو اس کے بیٹے کو امرتسر میں سنا کر آئی تھی کہ کس طرح حادثاتی طور پر وہ گورداسپور میں آئے اور پھر اس کی ضد پر ہی طاہر نے یہاں تک کا پروگرام بنایا۔

"ماتا جی میری زندگی کی تو بہت بڑی خواہش تھی کہ پنجاب کے کسی سرحدی دیہات میں زندگی کے کچھ پل گزاروں............ شکر ہے بھگوان کا جس نے بالآخر یہ موقع دے دیا۔"

کامنی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی سروس کا آغاز بھارت کے اس سرحدی قصبے سے کیا تھا اور یہاں تین چار سال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ طاہر کے لیے بھی یہ علاقہ دیکھا بھالا تھا لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں۔ اس نے یہاں پہنچنے تک نوجوت سنگھ سے اس علاقے کے متعلق نامحسوس انداز میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی تھیں۔

کامنی نے اسے بتایا تھا کہ سرحد پر باڑ لگانے کا کام گذشتہ سال ہی شروع ہوا ہے کیونکہ پنجاب کی سرحد پر خالصتانی حریت پسندوں کی نقل و حرکت اب بھارتی بارڈر سیکیورٹی کے قابو سے باہر ہو رہی تھی اور علیحدگی پسندوں کی جدوجہد میں خاصی تیزی بھی آ گئی تھی۔

یہ امر دونوں کے لیے باعث طمانیت تھا کہ ابھی سرحدی علاقے کی وہ باڑ جو بھارتی حکومت نے کانٹے دار تاروں کی صورت میں جموں سے راجستھان تک لگانے کا فیصلہ کیا ہے' یہاں تک نہیں پہنچی لیکن اگلے آٹھ دس روز کے بعد اس علاقے کی باری بھی آنے والی تھی۔ کیونکہ یہاں سے قریباً دس بارہ کلومیٹر دور تک سرحد پر خاردار تاروں کا جال بچھایا جا چکا تھا۔ طاہر نے خدا کا شکر ادا کیا ورنہ تو پنجاب کی سرحد بالکل ہی سیل ہو چکی تھی۔ بارہ فٹ بلند خاردار تاروں کے دوہرے نظام میں بھارتی بارڈر سیکیورٹی فورس شام کے بعد بجلی دوڑا دیتی تھی اور ان خاردار تاروں میں مطلوبہ وقفے کے بعد نصب کیے گئے سرچ لائٹ ٹاورز پر جب روشنیاں ہوتیں تو دوسری طرف تین چار کلومیٹر تک کا علاقہ روشن دکھائی دیتا' جس میں ہونے والی کوئی بھی نقل و حرکت نگاہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔

○ ○ ○

نوجوت سنگھ کے ساتھ ان کے گھر کے اونچے چوبارے پر بیٹھے طاہر نے بڑے حساب

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب سے ساری معلومات حاصل کرلی تھیں۔

نوجوت سنگھ نے اسے بتادیا تھا کہ یہاں سے کس طرف بی ایس ایف والوں کی پوسٹ بنی ہوئی ہے۔ سرحد کس طرف ہے اور یہ بھی کہ آئے روز یہاں بی ایس ایف کا چھاپہ پڑتا رہتا تھا۔ وہ لوگ ہر دوسرے تیسرے روز یہاں کے کسی نہ کسی گھر سے کسی نوجوان کو خالصتانی حریت پسند یا اس کا کوئی ساتھی ہونے کے الزام میں گرفتار کر کے لے جاتے تھے...... کاشی بظاہر ان کی گفتگو سے بے نیاز اس کی بھابی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی' لیکن اس کے کان ان کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

وہ اپنی یادداشت تازہ کررہی تھی اور جیسے جیسے نوجوت سنگھ طاہر کو بتا رہا تھا اس کے ذہن میں ماضی کے حوالے سے اس علاقے کے نقوش واضح ہو رہے تھے۔

شام ڈھلنے کے بعد جب نوجوت سنگھ کسی کام سے بازار گیا ہوا تھا اور کاشی اس کی بھابی شمندر کور کے ساتھ باتیں کررہی تھی' تو دوسرے کمرے میں موجود طاہر کی زبان پر نجانے وہ سوال کیوں آ گیا تھا جو اس نے کسی مصلحت کے تحت ابھی تک نہیں پوچھا تھا۔

''ماں جی آپ نے اس روز مسلمانوں جیسی کچھ آیتیں پڑھ کر کاشی پر دم کیا تھا۔ آپ کو وہ کس نے سکھائی تھیں؟''

سرداراں پہلے اس کی طرف بغور دیکھتی رہی' پھر ایک زہر خندہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور اچانک طاہر کو اس کی آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا۔

''ہاں بیٹا...... مجھے علم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے............!''

اس نے بطور خاص لفظ ''تم'' پر کچھ زور دیا تو طاہر چونکا۔

''میں...... ماں جی میں تو......''

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن سرداراں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میری بات دھیان سے سننا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم وہی ہو جو میں سمجھ رہی ہوں اور آج تک میرے دل نے مجھے کبھی گمراہ نہیں کیا...... بیٹا میرا جنم ایک مسلمان گھرانے میں ہوا تھا۔ کاہن سنگھ اور میرے والد بچپن کے دوست تھے۔ دونوں کا یارانہ مثالی تھا۔ ہم لدھیانہ کے رہنے والے ہیں۔ جب ملک تقسیم ہوا تو میری عمر شاید دس بارہ سال تھی۔ کاہن سنگھ کا باپ فوج میں

صوبیدار تھا۔ ان دنوں وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا جب ہمارے گاؤں پر حملہ ہوا۔ بلوائیوں نے درجنوں لوگوں کو مار ڈالا۔ عورتوں کو اغوا کرلیا گیا۔ ان اغوا ہونے والوں میں' میں بھی شامل تھی۔ کسی نہ کسی طرح میں ان ظالموں کے چنگل سے نکل گئی اور کاہن سنگھ کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئی' جو میرے دوسرے گاؤں میں رہتا تھا۔ کاہن سنگھ کی ماں نے مجھے اپنے پاس چھپا لیا اور میرے گھر والوں کی تلاش میں نکل گئی............ بلوائیوں نے میرا سارا خاندان' جس میں میری ماں' ایک بہن اور دو بھائی تھے' مار ڈالا۔ کاہن سنگھ کا باپ گھر واپس آیا تو بہت پریشان ہوا۔ اس نے میرے والد کو ڈھونڈنے کے لیے زمین آسمان ایک کردیا۔ لیکن میرا باپ نہیں ملا۔ شاید وہ بھی راستے میں بلوائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ میرے ننھیال جالندھر کے رہنے والے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کاہن سنگھ کے باپ نے ان کی تلاش میں دو مرتبہ پاکستان کی خاک چھانی۔ جب تک وہ زندہ رہا' انہیں ڈھونڈتا رہا۔ مجھے اس کی موت کے بعد علم ہوا کہ وہ پاکستان میرے ایک ماموں کے پاس پہنچ گیا تھا' جس نے اسے پہچاننے یا مجھے واپس لینے سے انکار کردیا۔ اس عظیم شخص نے مجھے یہ بات کبھی نہیں بتائی۔ دن مہینوں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے' لیکن مجھے کوئی لینے نہ آیا۔ بالآخر کاہن سنگھ کا باپ ایک روز مر گیا' لیکن اس نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اس کی روح کو بہت شانتی ملے گی' اگر وہ مرتے دم تک میری حفاظت کرے۔ کاہن سنگھ نے مجھ پر شادی کے لیے دباؤ نہیں ڈالا جب کہ سارا گاؤں ان کے خون کا پیاسا رہا...... بادل نخواستہ میری جان بچانے کے لیے اس نے مجھ سے شادی کرلی کیونکہ یہی ایک صورت میرے زندہ رہنے کی باقی رہ گئی تھی۔ تین سال ہوئے کاہن سنگھ کو فوت ہوئے۔ اس نے پندرہ بیس سال پہلے اپنے باپ کو فوجی نوکری سے ملی اس زمین کے ساتھ کچھ اور زمین خرید کر یہاں کھیتی باڑی شروع کردی۔ اللہ نے کرم کیا اور حالات اچھے ہوگئے............ میری جان بچانے کے لیے اسے لدھیانہ سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہونا پڑا۔ تین بچے ہوئے۔ یہ تینوں میری اصلیت جانتے ہیں۔ ان کے دل میں اپنے ننھیال کو دیکھنے کی تڑپ زندہ ہے لیکن جب میں ہی بدقسمت رہی تو انہیں کون ملے گا۔ ہر سال جب یہاں سے جتھہ جاتا ہے تو یہ لوگ انہیں میرے رشتہ داروں کے نام بتا کر بھیجتے ہیں' لیکن کوئی نہیں ملتا۔''

یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ رونا شروع کردیا۔

اس صورت حال نے طاہر کو بھی جذباتی کردیا تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سرداراں بہت حوصلہ والی عورت تھی۔ بالآخر اس نے خود کو نارمل کرلیا۔

لیکن.......... اچانک ہی وہ طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے مکان کی چھت پر لے گئی
.......اور سامنے کی سمت اشارہ کرکے کہنے لگی۔

"بیٹا ساری زندگی میں اس امید کے ساتھ مر جاؤں گی....... یہ حسرت میرے ساتھ قبر میں جائے گی کہ میں سرحد کے اس طرف نہ جا سکی۔ تقدیر کے آگے کس کا زور چلتا ہے....... میں بے بس تھی بیٹا.......... تقدیر کے آگے میں....... بے بس ہوں' لیکن تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہو گا۔"

اس نے اچانک ہی بڑے ڈرامائی انداز میں کہا اور طاہر کا دل دھک سے رہ گیا۔

"آپ کا کیا مطلب ہے ماں جی..........؟"

اس نے بظاہر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیٹا....... !تم جو کوئی بھی ہو وہ ہرگز نہیں جو بننے کی کوشش کر رہے ہو....... میں نے پونا صاحب جی میں تمہاری اصلیت جان لی تھی۔ میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتی' لیکن تمہیں کچھ باتیں بتا رہی ہوں۔ ممکن ہو تو میرا یہ پیغام ادھر پہنچا دینا۔ بیٹا یہاں ہزاروں بدقسمت مسلمان عورتیں غیر مسلموں کو جنم دے رہی ہیں۔ ان بدبختوں کو گردش حالات نے یہ دن ضرور دکھائے تھے' لیکن اس کی ذمہ داری سے اس طرف کے لوگ بری الذمہ نہیں ہو سکتے....... یہ عورتیں' ان کے بچے جو بظاہر غیر مسلم ہیں' آج بھی کسی مسیحا کے منتظر ہیں۔ جو آئے اور انہیں ان کی اصلیت کی طرف واپس لے جائے....... لیکن دکھ کی بات تو یہ ہے کہ جنہیں یہ فرض ادا کرنا تھا' وہ خود ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ جب ادھر سے مسلمانوں کے آپس میں کٹنے مرنے کی خبریں آتی ہیں تو یہاں ہم بے نواؤں کے کلیجے کٹنے لگتے ہیں....... یہ ایک سرداراں کا نہیں' مجھ جیسی ہزاروں مسلمان عورتوں کا دکھ ہے۔ جنہیں اپنوں نے درندوں کے آگے شکار کے لیے چھوڑ دیا۔ قدرت کا اپنا عمل تو جاری ہے....... جو بچے ایسی مسلمان ماؤں سے جنم لیتے ہیں' جنہیں زبردستی غیر مسلم بنایا گیا۔ ان کے دلوں میں کبھی شمع ایماں فروزاں ہو جاتی ہے۔ ایک روز ایسا ضرور آئے گا جب یہ روشنی ظلمت کے اندھیروں میں اپنا راستہ بنا لے گی۔ کاش.......! کوئی میرے اس پیغام کو سمجھ لے.......کاش کوئی جان لے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

طاہر کے رگ و پے میں جیسے آگ سی سرایت کر گئی تھی۔

وہ سرداراں کا دکھ سمجھ رہا تھا.......!

لیکن....... بے بس تھا....... کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

"ماں جی....... آپ نے مجھے شناخت کیا ہے۔ میں آپ سے کوئی وعدہ تو نہیں کرتا لیکن ایک بات ضرور کہوں گا کہ مسلمان کا خون ہمیشہ سفید نہیں رہتا۔ ہم نہیں تو ہمارے بعد کی نسل اپنی ان ہزاروں ماؤں کا قرض ضرور چکائے گی جو آپ جیسے حالات کا شکار ہوئی ہیں....... ایک روز ایسا آئے گا جب ان کی غیرت ایمانی جاگے گی....... ضرور جاگے گی۔"

اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"ہاں بیٹا....... اسی ایک امید پر میں ابھی زندہ ہوں۔ اور یہی امید اپنی اولاد کو دے کر مروں گی۔"

سرداراں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

○ ○ ○

ابھی تک اس نے طاہر سے اس کا تعارف نہیں پوچھا تھا لیکن اس کے عزائم جان لیے تھے اور وہ اس کی مدد پر کمربستہ بھی تھی۔

"بیٹا! یہ پوہ کی طوفانی راتیں ہیں....... میرا وجدان کہتا ہے کہ آج جس طرح بادل چھائے ہوئے ہیں' کل زیادہ شدت سے بارش ہو گی۔ میں تو جوت اور شمشیر کور کو کل دوپہر کسی کام سے امرتسر بھیج دوں گی۔ تم کل رات نکل جانا....... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آخری دم تک تمہارا ساتھ دوں گی....... بیٹا! تو جوت اور شمشیر کور کی اور بات ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں اصلیت کا علم ہو۔ میں انہیں کہہ دوں گی کہ تم شام کو اچانک چلے گئے تھے....... یہاں تمہارا زیادہ قیام شاید تمہارے لیے بہتر نہ ہو کیونکہ آئے روز یہاں پولیس اور بارڈر سیکیورٹی والے چھاپے مارتے رہتے ہیں۔ کاہن سنگھ سابق فوجی تھا۔ ہمارا اس علاقے میں خاصی سمان (عزت) کی جاتی ہے' کسی کی جرأت نہیں کہ اس طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھے لیکن پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گی....... تم سے زیادہ مجھے تمہاری بیوی کی فکر لگی ہے۔"

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com
Mani

اس نے بڑے حوصلے اور تدبر کا مظاہرہ کیا۔

"ماں جی........ آپ کا بے حد شکریہ۔ معلوم نہیں کہ زندگی میں کبھی دوبارہ ہم مل پائیں لیکن آپ کا یہ احسان میری قوم کبھی نہیں بھلا پائے گی۔"

طاہر نے کہا۔

دونوں نیچے آ گئے جہاں شمندر کور ان کے لیے رات کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ کامنی اس کی گہری سہیلی بن چکی تھی۔ اور دونوں ایک دوسرے کا رسوئی (باورچی خانہ) میں ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

رات دونوں نے ایک ہی کمرے میں بسر کی۔ طاہر نے اسے سرداراں سے ہونے والی گفتگو نہیں بتائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کامنی یہ بات سنتے ہی اپنی انٹیلی جنس تربیت کے مطابق اسے فوراً یہاں سے کھسک جانے کا مشورہ دے گی۔ اس کی تربیت یہی تھی۔ لیکن...... حالات نے اسے سکھا دیا تھا کہ زندگی میں بعض اصول اور ضابطے وقت آنے پر صحیح ثابت نہیں ہوتے......

"کل رات قسمت آزمائی کریں گے۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

"ڈن......!"

کامنی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

صبح سب نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ نوجوت سنگھ کالج چلا گیا۔ جب واپس آیا تو سرداراں نے اسے دونوں کو اپنی زمین کی سیر کروانے کے لیے کہا۔

"ماں جی بارش سے راستہ خراب ہے...... اچھا میں سرون سنگھ سے کہتا ہوں وہ ٹریکٹر پر آپ کو لے جائے گا۔"

نوجوت سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم شمندر کو امرتسر لے جاؤ۔ آج چھنی وار (ہفتہ) ہے اور کل اس نے دربار صاحب بھی جانا ہے۔ کرتار سنگھ آیا تو اسے بھیج دینا۔ ابھی یہ دونوں یہاں دو تین دن رہیں گے۔ انہیں کہاں پھر ایسا دیہاتی ماحول دیکھنے کو ملے گا۔"

سرداراں نے نوجوت سنگھ سے کہا۔

"چنگا ماں جی......!"

نوجوت سنگھ جیسا فرمانبردار بچہ انہوں نے کب دیکھا تھا۔

آسمان بادلوں سے سیاہ ہو رہا تھا' جب وہ شمندر کور کے ساتھ ماروتی کار میں امرتسر جانے لگا۔ شمندر نے کامنی سے گلے لگ کر جلد واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔

○ ○ ○

دونوں کی روانگی کے بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد سرداراں نے طاہر کو تیاری کا سگنل دے دیا تھا' جس نے بڑی پھرتی سے ایک بیگ ٹریکٹر کی اس سیٹ کے پیچھے چھپا دیا جو اضافی طور پر بنائی گئی تھی۔ جس کے بعد سرداراں نے سرون سنگھ نامی اپنے کسی ملازم کو آواز دی......

"ان دونوں کو اپنی زمینوں پر لے چل۔ وہاں انہیں حویلی پر چھوڑ آنا۔ شام کو بکارا سنگھ ان کے لیے لنگر لے جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی واپس آ جائیں گے...... ان شہر کے لوگوں کے بھی کیا شوق ہوتے ہیں۔"

اس نے لاپرواہی سے اپنے ملازم سے کہا۔

"اچھا ماں جی......!"

سرون سنگھ نے ٹریکٹر سٹارٹ کر دیا۔

سرداراں نے دونوں کو باری باری گلے لگا کر ان کے منہ دیوانہ وار چومے تو کامنی کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے دال میں کالا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی......

شدید سردی نے سارے گاؤں پر سکوت طاری کر رکھا تھا۔ دونوں سکڑ سمٹ کر ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور پندرہ بیس منٹ میں بخیر و عافیت سرحد سے بمشکل دو ڈھائی کلومیٹر دور کاہن سنگھ کی زمینوں پر پہنچ گئے۔

"ٹھیک ہے۔ شام کو جلدی آ جانا۔ موسم اچھا نہیں لگتا۔"

طاہر نے وہاں لگے ٹیوب ویل پر بنے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ جس میں دو چار پائیاں' کرسیاں اور فرش پر چٹائی بچھی تھی۔ دو تین کمبل ایک کونے میں دھرے تھے۔

اس نے اپنی سیٹ کے نیچے سے بیگ اتنی ہوشیاری سے نکالا تھا کہ سرون سنگھ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یوں بھی وہ نشئی سا دکھائی دے رہا تھا اور شاید یہ اس کے افیون کھانے کا وقت تھا۔

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں کو "فتح" بلا کر وہ چلا گیا اور دونوں کمرے میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اسے سرداراں نے یہاں سے سرحد کا سارا نقشہ اس پوسٹ سمیت سمجھا دیا تھا۔ جو راستے میں آتی تھی۔

"کیا چکر ہے پارٹنر.........؟"

سرون سنگھ کے جاتے ہی کامنی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے دریافت کیا۔

"کامنی...... تمہارے دم قدم کی برکت ہے۔ اللہ نے ہمیں سرداراں کے روپ میں رحمت کا فرشتہ ملا دیا ہے۔"

اور اس نے کامنی کو ساری کہانی سنا دی۔

"واہ...... کتنا عظیم رشتہ ہے۔ کتنا مضبوط ناطہ ہے۔"

بے ساختہ کامنی کی زبان سے نکلا۔

دونوں اب سرحد پار کرنے کی حکمت عملی طے کر رہے تھے۔ حیرت انگیز طور پر طاہر پر انکشاف ہوا کہ اس مسئلے پر کامنی اس پر برتری رکھتی ہے۔ دراصل وہ انسٹرکٹر تھی اور سرحد عبور کروانے میں اس نے خصوصی کورس کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں کو اس کورس کی خصوصی مشق کروایا کرتی تھی۔

○ ○ ○

سرون کو گئے ابھی بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا تھا' جب اچانک موسلادھار بارش ہونے لگی۔ اچانک تیز ہواؤں کی جھکڑ چلنے لگے۔ آسمانی بجلی کے کوندے' بادلوں کے ٹکرانے کی گڑگڑاہٹ' بجلی کے خوفناک دھماکے اور جھکڑوں کی چیخ چنگھاڑ نے دوپہر کو گہری رات کا لبادہ پہنا دیا۔

یوں لگتا تھا جیسے اچانک سورج نے اپنا رخ تبدیل کر لیا ہو۔

"پارٹنر...... کم آن...... موو۔ Come on Move"

کامنی نے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ابھی......!"

طاہر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"Yes Now...... کم آن"

کامنی اس وقت بالکل ایک سخت گیر انسٹرکٹر لگ رہی تھی۔

"او۔ کے......!"

طاہر نے بیگ اپنی کمر کے گرد کس کر باندھ لیا...... وہ تو خالی ہاتھ آنا چاہتا تھا لیکن نجانے کیوں کامنی اس بیگ کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

کامنی نے پستول پوزیشن کر لیا تھا اور اس کے آگے آگے چل رہی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہی تیز بارش میں لپٹے ہوا کے برفیلے طوفان نے ان کا استقبال کیا۔

دونوں کو اپنی رگوں میں خون منجمد ہونے کا احساس ہوا لیکن کیا مجال جو دونوں ایک لمحے کے لیے بھی کمزور پڑے ہوں۔

سرداراں کے بتائے ہوئے راستے پر وہ اسی طوفانی رفتار سے چل رہے تھے......

بارش ان کے کپڑوں کے راستے جسم کے مساموں میں در آئی تھی' لیکن دونوں بڑی مضبوطی' چوکسی اور عزم سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

ذرا سی آہٹ پر کامنی پوزیشن میں آ جاتی اور طاہر اس کی تقلید کرتا۔ آدھے گھنٹے کے بعد انہیں وہ مٹی کا بند دکھائی دیا جو دونوں ممالک کے درمیان سرحد کی آخری نشانی تھی......

شاید سہ پہر کے اسی عالم میں جب شدید بارش اور طوفانی جھکڑوں نے جانوروں کو بھی اپنے ٹھکانوں میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ بی ایس ایف کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ کوئی سرپھرا اس عالم میں سرحد عبور کرنے کی دیوانگی کرے گا۔

اور...... ان کی یہی بے خبری دونوں کے لیے عطیہ خداوندی ثابت ہوئی۔

اگلے پندرہ منٹ بعد وہ اپنی پوسٹ پر پہنچ چکے تھے جہاں رینجرز کے تیار بر تیار جوان ان کا استقبال کر رہے تھے۔

شام ڈھلنے سے پہلے دونوں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں وہ اپنے افسران کو اپنی اور ان کی زندگی کا بہترین سرپرائز دے رہا تھا۔

کامنی نے یہاں موجود ہر نگاہ میں اپنے لیے بے پناہ عقیدت و احترام پایا تھا۔ یہ لوگ اسے واقعی اپنے لوگ دکھائی دے رہے تھے......

اصل میں یہی اس کے اپنے تھے......

Find More Books visit :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں اس کے لیے اجنبیت نہیں' اپنائیت تھی۔ عزت تھی اور وہ سب کچھ تھا جو کسی بھی مشرقی عورت کا اعزاز ہوتا ہے۔

جب وہ اپنے گھر داخل ہوا تو فخر و انبساط کے جذبات سے مریم کو اپنا سراپا ہوا میں اڑنے کا احساس ہوا۔

اس کے گھر کا ہر فرد اسے گلے لگا کر چوم رہا تھا۔ یہاں اس کے لیے وہ سب کچھ تھا جس کے خواب وہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ یہیں طاہر پر انکشاف ہوا کہ کامنی (مریم) نے ایک بیگ زبردستی اپنے پاس کیوں رکھا تھا۔

اس بیگ میں ڈلہوزی سے خرید کردہ وہ شالیں تھیں جو وہ اپنی ہونے والی ساس اور دیورانی کے لیے اپنی جان پر کھیل کر لائی تھی۔

O O O

دس سال بعد..........

لندن کے ''گیٹ وک'' ہوائی اڈے پر برٹش ایئرویز کی پرواز نے جیسے ہی زمین کو چھوا' مریم نے فوراً اپنی سیٹ بیلٹ کھول دی......

''Not Yet مما......''

اس کے اور طاہر کے درمیان بیٹھے ان کے پانچ سالہ بیٹے نیچو نے کہا۔

''چپ...... ہر وقت ماں کو نہ سمجھاتا رہا کر......''

اس نے پیار سے اپنے بیٹے کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

طاہر جانتا تھا کہ گذشتہ دس سال سے وہ اس لمحے کا کتنی شدت سے انتظار کرتی آئی تھی۔ اس کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ اڑ کر لندن پہنچ جائے' جہاں گذشتہ ڈیڑھ سال سے ڈاکٹر شیلا اور اس کا خاوند پریکٹس کر رہے تھے اور مستقل آباد ہو چکے تھے۔

جہاز کی سیڑھیوں سے ایئرپورٹ لاؤنج تک پہنچنے کے تمام مراحل مریم نے جس بیقراری سے طے کیے تھے اس نے طاہر خان کو قدرے بے چین کیے رکھا۔

لاؤنج میں جیسے ہی اس کی نظر شیلا پر پڑی' اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹرالی چھوڑ کر وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی۔

شیلا کی بانہیں پہلے سے پھیلی تھیں' دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر آنسو بہاتی رہیں' بالآخر شیلا نے اسے آہستگی سے الگ کیا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کے بیٹے نیچو کو گود میں اٹھا کر اس کا منہ چومنے لگی۔

مریم نے بھی اس کی بیٹی مارتھا کو اٹھا لیا تھا......

ڈاکٹر جیکب اور طاہر ایک دوسرے سے گرم جوشی سے بغل گیر ہو گئے تھے اور تھوڑی دیر بعد وہ سب ڈاکٹر شیلا کی گاڑی میں اس کے گھر کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ نیچو کو شیلا نے ڈیڑھ دو گھنٹے لمبے سفر میں اپنی گود میں ہی لٹائے رکھا اور وہ اس کی گود میں ہی سو گیا تھا..........

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال میں کوئی ایسا ویک اینڈ نہیں تھا' جس پر شیلا اور اس کے درمیان ٹیلی فون پر گھنٹوں باتیں نہ ہوئی ہوں۔ دونوں نے اپنے ایک ایک لمحے کا احوال ایک دوسرے کو فون پر ہی سنا دیا تھا' لیکن دونوں محسوس کر رہی تھیں کہ ابھی ایک دوسرے کو کہنے سننے کے لیے ان کے پاس صدیوں جتنی باتیں موجود ہیں۔

گاڑی چلاتے ہوئے ڈاکٹر جیکب کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے طاہر نے دونوں کے چہرے پر باری باری نظر ڈالی اور طمانیت کا لمبا سانس بھر کر اپنی ٹانگیں سامنے کی طرف پھیلا دیں۔

دس سال سے انہوں نے ڈاکٹر شیلا سے رابطہ نہیں توڑا تھا۔ گذشتہ ڈیڑھ سال سے شیلا اور جیکب مستقل لندن آن بسے تھے۔ تب سے اب تک طاہر کی ایک ہی کوشش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ مریم کو شیلا تک پہنچا دے۔

اور...... آج بہت سے ناممکنات کی طرح اس نے مریم کو یہ بھی ممکن کر دکھایا تھا۔

..........☆☆☆..........

جناح لائبریری و جلد ساز
0333 2116358
اردو بازار اڈہ ذھاب چکوال